حماقتیں

حماقتیں

حماقتیں

شفیق الرحمٰن

شفیق الرحمٰن

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ اردو بازار
دہلی-6

وہ جو اس قسم کی کتابوں کو پسند کرتے ہیں اس کتاب کو بالکل ویسی ہی پائیں گے جیسی کتابوں کو وہ پسند کرتے ہیں۔

امیر احمد کے نام

امیر آحمد کے نام ۔۔۔۔۔!

قیمت

چار روپے پچاس پیسے

حماقتیں

شفیق الرحمن

کتابی دنیا۔ لکھنؤ

پبلشر: کتابی دنیا۔ نظیر لکھنؤ

پبلشر:- کتابی دنیا۔ نظیر آباد۔ لکھنؤ
ٹیلیفون:- ——— ۲۶۳۳۵
پرنٹر:- سرفراز قومی پریس۔ لکھنؤ

کتابی دنیا نظیر آباد
لکھنؤ

فہرست

نیلی جھیل

یہ اُن دنوں کا ذکر ہے۔ جب روفی کے دانت پر بجلی گری روفی (جن کو بعد میں شیطان کا نام ملا) ---- بجلی سے بہت ڈرتے تھے۔ جب بادل آتے تو وہ بستروں میں چھپتے پھرتے سب کہتے کہ اگر بجلی کو گرنا ہو تو ضرور گرے گی۔ روفی جواب دیتے بے شک گرے لیکن اس طرح اسے مجھے ڈھونڈھنا تو پڑے گا۔ ہوا یوں کہ بارش ابھی ابھی تھمی تھی، روفی ہونے کے نیچے سے نکل کر دبے پاؤں برآمدے تک گئے یہ دیکھنے کہ بادل چھٹ گئے یا نہیں۔ اتنے میں زور سے بجلی کوندی اور ایک عظیم الشان دھماکا ہوا۔ جب وہ ہوش میں آئے تو اُن کا ایک دانت ہل رہا تھا۔ انہوں نے آئینہ دیکھا تو دانت کا کچھ حصہ سیاہ ہو چکا تھا۔ اگلے روز آس پاس مشہور ہو گیا کہ رات روفی میاں کے دانت پر بجلی گری ہے۔ وہ دو دن تک بستر پر پڑے رہے لیکن اس طرح ہم اپنے آنے والے امتحان سے نہ بچ سکے۔ اس کم بخت امتحان نے ہماری نیند اڑا رکھی تھی۔ ماسٹر صاحب نے ہمارے ساتھ خاص رعایت کی اور ازراہ کرم امتحان چند دنوں کے لیے ملتوی کر دیا۔

ہمارے ماسٹر صاحب بڑے خونخوار قسم کے آدمی تھے۔ یوں تو وہ بیچلر آف آرٹس تھے لیکن ہمیں بعد میں پتہ چلا کہ شادی شدہ ہیں اور کئی بچوں کے باپ ہیں، وہ ان حضرات میں سے تھے جو آپ سے سوال پوچھیں گے۔ آپ کی طرف سے خود جواب دیں گے اور آپ کو ڈانٹیں گے بھی کہ جواب غلط تھا۔ ان کے نوکر کی زبانی معلوم ہوا کہ انھیں نیند میں بولنے اور چلنے پھرنے کی بیماری تھی اور وہ سوتے ہوئے پیدل چلا کرتے تھے حالانکہ ان کے پاس ایک تانگہ تھا اور ایک سائیکل۔ انھیں کھیل کود کا شوق بھی تھا لیکن فقط اتنا کہ ریفری بن کر خوش ہو لیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ وہ فٹ بال کے میچ میں ریفری تھے یکلخت جوش میں آگئے اور گیند لے کر خود گول کر دیا۔ روفی کے ابا ہمیشہ اُن سے کہا کرتے تھے کہ ماسٹر صاحب آپ اس علاقے میں فٹ بال کے نمبر دو کھلاڑی ہیں۔ ایک روز ماسٹر صاحب نے ان سے پوچھا کہ نمبر ایک کھلاڑی کون ہے؟ وہ بولے۔ پتہ نہیں۔

ساری کلاس کا امتحان ہو چکا تھا صرف میں اور روفی رہتے تھے۔ نچلی جماعتوں میں روفی کے چھوٹے بھائی ننھے میاں باقی تھے۔ کیونکہ اس بجلی کے گرنے کے سلسلے میں وہ بھی بطور تیمار دار شریک تھے۔

میں اور روفی مجرموں کی طرح کمرے میں داخل ہوئے ماسٹر صاحب نے ہمیں بتایا کہ وہ ہمارا فقط زبانی امتحان لیں گے اور بالکل آسان سے سوال پوچھیں گے گھبرانے یا ڈرنے کی کوئی بات نہیں۔

انہوں نے روفی سے پوچھا "تمھیں کس نے بتایا؟"

روفی ہاتھ سے اشارہ کرتے ہوئے بولے "جناب اتنا تو مجھے خدا نے بنایا تھا، اسکے بعد میں خود بڑھا ہوں۔"

"اس وقت تم ایک چھوٹے سے لڑکے ہو جب تم بڑے ہو گے تو ___ کیا بنو گے۔"

"میں انسان بنوں گا۔"

"تم نے ایسی عجیب آنکھیں کہاں سے پائیں؟"

"جی — یہ چہرے کے ساتھ ہی آئی تھیں۔"

اب ماسٹر صاحب مجھ سے مخاطب ہوئے "بتاؤ ہاتھی کہاں پائے جاتے ہیں؟"

"جناب ہاتھی اتنے بڑے ہوتے ہیں کہ ان کے کھو جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔"

"میرا مطلب ہے کہ ہاتھی ملتے کہاں ہیں؟"

"جہاں اور ہاتھی ہوں — وہاں"

"کیا یہ سچ ہے کہ ہاتھیوں کا حافظہ بے حد تیز ہوتا ہے اور وہ کبھی نہیں بھولتے؟"

"جی ہاتھیوں کو یاد رکھنے کے لیے باتیں ہی کون سی ہوتی ہوں گی۔"

"اچھا! — لومڑی کی کھال کا کیا فائدہ ہے؟"

"لومڑی کو گرم رکھتی ہے۔"

ماسٹر صاحب کا چہرہ روفی کی طرف پھر گیا۔ "اگر ایک شخص نے ایک اُلّو پندرہ روپے تین آنے ایک پائی میں خریدا اور سات روپے دس آنے ساڑھے گیارہ پائی میں بیچ دیا تو اُسے کتنا نقصان ہوا؟"

"جناب — میں نے آج تک اُلّو اتنا مہنگا بکتا نہیں دیکھا۔" میں نے ڈرتے ڈرتے کہا۔

"اور تم نے؟"

"میں نے کبھی اُلّو دیکھا ہی نہیں۔" روفی بولے۔

"غضب خدا کا — تو آج تک تم نے اُلّو نہیں دیکھا — (چلا کر) میری طرف دیکھو نیچے کیا دیکھ رہے ہو — اچھا میں سوال پھر دوہراتا ہوں —" ماسٹر صاحب نے سوال دوہرایا — "بتاؤ کتنا نقصان ہوا؟"

"جی روپیوں میں نقصان ہوا اور آنے پائیوں میں نفع۔" روفی بولے۔

حماقتیں

"اچھا، آج تم نے جو سب سے عجیب واقعہ دیکھا ہو بیان کرو۔"

"جناب آج میں نے چند آدمیوں کو ایک گھوڑا بناتے دیکھا۔"

"لکڑی کا گھوڑا ___؟"

"جی نہیں اصلی گھوڑا، جیتا جاگتا گھوڑا ___ لیکن جب میں نے دیکھا تو وہ تقریباً اُسے مکمل کر چکے تھے اور اس کے کھروں میں میخیں ٹھونک رہے تھے۔"

"ثابت کرو کہ قلم تلوار سے اہم ہے۔"

"جناب ___ تلوار سے چیک پر دستخط نہیں کیے جا سکتے۔"

ماسٹر صاحب کچھ کچھ خفا ہو چلے تھے۔ انہوں نے میری طرف دیکھا اور بولے۔

"آسٹریلیا کہاں ہے؟"

"جی جغرافیے کے پچاسویں صفحے پر۔"

"جغرافیے میں نہیں۔ ویسے کہاں ہے؟"

"جناب آسٹریلیا کرۂ ارض پر ہے۔"

"تربوز کے فوائد بیان کرو۔"

"تربوز ایک ایسا پھل ہے جسے کھا بھی سکتے ہیں۔ پی بھی سکتے ہیں اور اس سے ہاتھ منہ بھی دھو سکتے ہیں۔"

"اور ناریل؟"

"جی ___ ناریل پر ٹکٹ لگا کر اور پتہ لکھ کر بطور پارسل کے بھیج سکتے ہیں۔"

"اچھا ___ حروف اضافت کیا ہوتے ہیں؟"

"جناب حروف اضافت وہ ہوتے ہیں جو اضافہ کرتے ہیں اور جنھیں پڑھ کر کچھ اور حروف یاد آ جاتے ہیں۔"

"مثلاً ___"

"مثلاً گھڑی ساز یوں معلوم ہوتا ہے جیسے زمانہ ساز ہو، یا لتو فالتو معلوم ہوتا ہے، مجرّد مجرب اور طبلہ نواز بندہ نواز معلوم ہوتا ہے اور ———"

"بس بس ——" ماسٹر صاحب بالکل خفا ہو گئے۔

اب ننھے میاں کو بلایا گیا۔

"ننھے گنتی گن کر دکھاؤ ——" ماسٹر صاحب بولے۔

"ایک، دو، تین، چار، پانچ، چھ، سات، آٹھ، نو، دس، غلام، بیگم اور بادشاہ!" ننھے نے فاتحانہ انداز سے کہا۔

اس میں غریب ننھے کا بھی قصور نہیں تھا ——— ان دنوں گھر میں تاش خوب ہوتی ہے۔

شام کو ماسٹر صاحب ہمارے ہاں آئے، روفی کے ابّا سے دیر تک باتیں ہوتی رہیں سوتے وقت ہمیں سنایا گیا کہ ہماری تعلیمی حالت بہت کمزور ہے۔ چنانچہ ماسٹر صاحب ہمیں گھر پر پڑھانے آیا کریں گے۔ اس خبر نے ہمیں اداس کر دیا۔

اگلے روز اتوار تھا۔ علی الصبح ہم نے مچھلیاں پکڑنے کا سامان لیا اور ——— جھیل کا رخ کیا اس ٹیوشن کی نئی مصیبت نے ہمیں بے حد غمگین کر دیا تھا۔ یوں معلوم ہو رہا تھا کہ جو رہی سہی آزادی میسر تھی وہ بھی چھن گئی ہے۔

جھیل کے شفاف اور نیلے پانی پر ہلکی ہلکی دھند چھائی ہوئی تھی۔ دُور بادلوں کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے ہوا میں تیر رہے تھے کناروں پر پھول دار بیلیں اور پودے جھکے ہوئے تھے اور بے شمار تتلیاں اڑ رہی تھیں جھیل کے کنارے دُور دُور تک پھیلے گئے تھے۔ دوسرا کنارہ بہت دور تھا اور کبھی کبھار ہی دکھائی دیتا تھا ——— جب بارش تھمی ہو یا دن بالکل صاف ہو تو ہر بار کسی نئی شکل میں دکھائی دیتا۔ کبھی دُور دور تک محل اور قلعے دکھائی دیتے، کبھی گھنے اور سر سبز باغ، اور کبھی

ریت کے ٹیلے اور نخلستان نظر آتے ہیں۔

ہم ہر اتوار جھیل کے کنارے گذارتے، بڑے اہتمام سے مچھلیاں پکڑنے کا پروگرام بنتا، مچھلیاں بھوننے کا سامان بھی ساتھ ہوتا۔ ہمارے مچھلیاں پکڑنے کے طریقے بھی صحیح تھے۔ لیکن ہم نے کبھی وہاں ایک بھی مچھلی نہیں پکڑی۔ انجنیر صاحب اور ڈاکٹر صاحب کا خیال تھا کہ اس جھیل میں مچھلیاں بالکل نہیں تھیں۔ جھیل کے پانی میں کوئی خرابی تھی۔ معدنیات کے کچھ ایسے اجزا شامل تھے۔ جن میں مچھلیاں زندہ نہیں رہ سکتی تھیں لیکن ہمیں اس پر بالکل یقین نہ آیا۔ ایسی خوشنما جھیل میں تو مچھلیاں دُور دُور سے آکر رہیں گی۔

ہم اداس ہوتے یا ہمیں دھمکایا جاتا تو ہم سیدھے جھیل کا رخ کرتے۔ بنسیاں پانی میں ڈال کر گھاس اور پھولوں پر بیٹھ جاتے۔ بادشاہوں، پریوں اور بحری ڈاکوؤں کی کہانیاں پڑھتے، ذرا سی دیر میں ہم بھول جاتے کہ اس خوبصورت گوشے کے علاوہ دنیا کے اور حصے بھی ہیں جہاں اسکول ہیں۔ اسکول کا کام ہے ماسٹر صاحب کی ڈانٹ ہے، گھر والوں کی گھرکیاں ہیں۔

ہم دوسرے کنارے کی باتیں کرتے جسے دیکھنے کا ہمیں بے حد شوق تھا۔ ہم قیاس آرائیاں کرتے کہ وہاں کیا کچھ ہوگا۔ شاید وہاں کسی قسم کی دنیا ہوگی، اور طرح کے لوگ ہوں گے۔ ہم نے کئی مرتبہ ارادہ کیا کہ کہیں سے ایک کشتی لے کر چپکے سے نکل جائیں اور جھیل کو عبور کر کے دوسری طرف جا پہنچیں لیکن ہمیں کشتی نہ مل سکی۔ ہمیں تیرنا نہ آتا تھا۔ کنارے کنارے چل کر دوسری طرف جانا ناممکن تھا کیونکہ راستے میں کئی رکاوٹیں تھیں۔

جب ہم چاندنی رات میں جھیل کے کنارے بیٹھ کر ایک دوسرے کو پریوں کی کہانیاں سناتے تو جیسے سارے کردار ہماری آنکھوں کے سامنے چلنے پھرنے لگتے۔ چاندنی کچھ یوں

بدل جاتی اور دوسرا کنارا ایسا پُرسحر خطہ معلوم ہونے لگتا کہ ہم سچ مچ پریوں کے ملک میں پہنچ جاتے۔

دن میں جب سمندری لیٹروں کی کہانیاں پڑھی جاتیں تو ہمارا لباس بھی لیٹروں جیسا ہوتا۔ سر پر سیاہ رومال باندھے جاتے، چھوٹی چھوٹی کشتیاں بنا کر جھیل میں چھوڑی جاتیں۔ ہوائی بندوقوں اور پٹاخوں سے جھوٹ موٹ کی جنگ ہوتی۔ ایک فرضی جزیرے پر قبضہ کیا جاتا۔ وہاں سے خزانہ برآمد ہوتا۔ جب تیز دھوپ نکلتی، بھونرے گانے لگتے۔ ہوا رک جاتی اور طرح طرح کی خوشبوئیں فضا میں رچ جاتیں تو ہم آنکھیں بند کئے غنودگی میں رنگ برنگے خواب دیکھتے رہتے۔

اگر وہ جھیل وہاں نہ ہوتی تو نہ جانے ہمارے دن کیونکر گذرتے۔ کیونکہ گھر میں ہر ایک ہم دونوں کا دشمن تھا اور ڈانٹنے پر تلا ہوا تھا۔ اُن کا رویہ یہ تھا کہ اگر کچھ کیا ہے تو کیوں کیا ہے اور اگر نہیں کیا ہے تو کیوں نہیں کیا۔ ان دنوں سب کے دلوں میں یہ خیال بیٹھ گیا تھا کہ ہم دونوں نہایت نالائق ہیں اور بالکل نہیں پڑھتے۔ ابّا کا تبادلہ حسب معمول آبادی سے دور کسی ویرانے میں ہوا اور مجھے روفی کے ہاں بھیج دیا گیا۔ گھر سے ہر خط میں تاکید آتی کہ لڑکے کی پڑھائی کا خاص خیال رکھا جائے۔ جہاں چچا خاص سے بھی زیادہ خیال رکھا جاتا۔ گیہوں کے ساتھ گھن باقاعدہ پِستا اور ننھے میاں کی خوب تواضع ہوتی۔ ننھے میاں سونے سے پہلے بڑے خشوع وخضوع سے دعا مانگتے کہ یارب العالمین ہمارے کنبے والوں کو نیک ہدایت دے اور بتا کہ چھوٹے بچوں کے ساتھ کیسا سلوک کیا جاتا ہے۔ کیونکہ اب تک یہ لوگ اس سے بے بہرہ ہیں۔

گھر میں کئی نوکر تھے جن میں سب سے سینئر رستم تھا۔ وہ ادھیڑ عمر کا تھا۔ اس کا تکیہ کلام 'رکھی ہے' تھا۔ کوئی پوچھتا — میاں رستم میری عینک کہاں گئی؟ — جواب

ملتا "جی فرش پر رکھی ہے" — "میرے کاغذات یہاں تھے کہاں گئے — ؟" "جی ردّی کی ٹوکری میں رکھے ہیں" — "میرا بٹوہ کہاں گیا؟" — جی حوض کی تہہ میں رکھا ہے، ننھے میاں پھینک آئے ہیں" — اُسے ریڈیو کا بیحد شوق تھا جب دیکھو ریڈیو سے کان لگائے سن رہا ہے۔ ایک مرتبہ ——— کھانا کھاتے وقت کسی نے رکابی کی طرف اشارہ کر کے پوچھا "یہ کیا چیز ہے؟" — رستم فوراً بولا ——"جی بھاگ کا خیال ہے ملبپت لے میں"۔

ویسے اس وقت ریڈیو پر پکا گانا بھی ہو رہا تھا۔ ہمیں باورچی نے بتایا کہ صبح اٹھ کر رستم یوں دعا مانگتا ہے — کہ اے خدا اس وقت دن کے سواچھ بجا چاہتے ہیں، اب آپ ہندوستانی میں دعا سنیئے، یہ دعا دوپہر کو ایک بجے اور رات کے نو بجے پھر مانگی جائے گی۔ اس دعا کی خاص خاص سرخیاں یہ ہیں . . . کل میں پھر اسی وقت دعا مانگوں گا۔ اچھا، اب اجازت دیجئے، آداب عرض۔

اور بعض اوقات تو رستم دعا کے بعد خدا کو موسم کا حال بھی بتایا کرتا۔

باورچی بیحد موٹا تھا، اتنا کہ تصویر کھنچیتے وقت اس کی کئی تصویریں لینی پڑی تھیں تاکہ وہ مکمل آجائے۔ وہ ہر وقت ہنستا رہتا تھا۔ اکثر اس سے پوچھا جاتا کہ ہنستے کیوں ہو —؟ جواب ملتا۔ "جناب شکل ہی ایسی ہے —"

اُس کی گفتگو سن کر یوں معلوم ہوتا تھا جیسے دیہاتی پروگرام ہو رہا ہے۔

بعض اوقات وہ جان بوجھ کر بہرہ بن جاتا، ہم آوازیں دیتے رہتے اور وہ بالکل نہ سنتا۔ ایک مرتبہ روٹی جلاتے رہے اور وہ ساتھ کے کمرے میں چپ چاپ سنتا رہا، ہم کھڑکی سے اُسے دیکھ رہے تھے، اس سے پوچھا گیا کہ اتنی آوازیں اُسے کیوں سنائی نہیں دیں؟ تو بولا — میں نے آپ کی پہلی آوازیں نہیں سنیں صرف چوتھی آواز سنی تھی۔

ایک مرتبہ ہمارا گھوڑا کھو گیا۔ سب نے باری باری ڈھونڈا، کسی کو نہ ملا۔ باورچی گیا اور گھوڑے کو پکڑ لایا۔ پوچھا کہ تمہیں یہ کس طرح مل گیا۔ آپ بولے۔ سب سے پہلے میں نے سوچا کہ اگر میں گھوڑا ہوتا اور کھویا جاتا تو کہاں جاتا ـــ بس میں سیدھا اسی جگہ گیا اور گھوڑا وہیں کھڑا تھا۔

گھر میں بہت سے پالتو جانور اور پرندے تھے ایک طوطا تھا جو روفی کے ابّا کے دفتر میں تھا۔ اُسے چند فقرے یاد تھے۔ جب کوئی آتا تو 'ہلو' کہتا۔ پھر کہتا 'دروازہ بند کر دیجئے'۔ وہ اندر آجاتا تو اسے روفی کے ابّا کے متعلق بتاتا کہ باہر گئے ہوئے ہیں یا گھر میں ہیں۔ جاتے وقت پھر کہتا دروازہ بند کر دیجئے۔

ہمیں خاص طور پر کہا گیا تھا کہ ہم اس طوطے کے ساتھ باتیں کیا کریں اور اسے اچھے اچھے فقرے سکھائیں لیکن ہمیں دیکھ کر نہ جانے اُسے کیا ہو جاتا۔ بس وہ ایک فقرے کی جاپ کرنے لگتا ـــ 'میاں مٹھو ہوں، میاں مٹھو ہوں' ـــ ہم اُس کی حوصلہ افزائی کرتے ـــ بولو مٹھو، شاباش، باتیں کرو، یہ کرو، وہ کرو، نئے نئے فقرے سکھاتے۔ لیکن اُس کی میاں مٹھو ختم نہ ہوتی، اور ساتھ ہی وہ ہماری طرف اس انداز سے دیکھتا جیسے جواب کا منتظر ہو ـــ ہر مرتبہ کچھ اس قسم کی گفتگو ہوتی ـــ

"ہلو"۔ وہ کہتا۔

"ہلو بھئی طوطے ـــ سناؤ کیا حال ہے؟"

"میاں مٹھو ہوں"۔ بڑے پیار بھرے لہجے میں جواب ملتا۔

"ہاں ہو۔"

"میاں مٹھو ہوں۔" چلّا کر۔

"درست کہتے ہو۔"

"میاں مٹھو ہوں ؟" اس مرتبہ لہجہ سوالیہ ہوتا۔

"ہو گے ۔۔۔ !"

"میاں مٹھو ہوں" بڑی حیرانی کے ساتھ۔

"تو پھر کیا کریں ۔۔۔ ؟"

"میاں مٹھو ہوں ۔۔۔ میاں مٹھو ہوں" ۔ غصے میں۔

"ہاں کیا بابا، ہاں کیا۔ عجب نامعقول طوطا ہے"۔

"میاں مٹھو ہوں، میاں مٹھو ہوں، میاں ۔۔۔۔"

اور ہم وہاں سے چلے آتے۔

کچھ سفید رنگ کی موٹی موٹی ایرانی بلیاں بھی تھیں جو اس قدر مغرور تھیں کہ کسی کو خاطر میں نہ لاتی تھیں البتہ ایک چھوٹی سی بلی بڑی ذہین اور سمجھ دار تھی۔ وہ صبح صبح ہمیں جگانے آتی چپکے سے پلنگ پر چڑھ کر پاؤں پر ہلکی سی گدگدی کرتی ۔۔۔ جگا کر ایک کونے میں انتظار کرتی کہ کہیں ہم دوبارہ نہ سو جائیں۔

بڑے کمرے میں کچھ قالین تھے، اتنے خوبصورت کہ انھیں فرش پر دیکھ کر ہمیں بڑا افسوس ہوتا وسط میں جو بڑا قالین تھا، اس کا کچھ حصہ جل گیا تھا۔ اس طرح کہ وہاں پر نہ صوفہ رکھا جا سکتا تھا نہ کوئی میز۔ جب کبھی مہمان آتے تو وہی عقلمند بلی اس جلے ہوئے حصے پر بٹھا دی جاتی۔ وہ کچھ اس انداز سے وہاں بیٹھتی جیسے اسے کسی کی بھی پرواہ نہیں ہے۔ اُسے لاکھ بلاتے، بہلاتے پھسلاتے، پیار کرتے، لیکن وہ وہاں سے تب تک نہ ہلتی۔ جب تک وہ سب چلے نہ جاتے۔ باہر والوں میں سے کسی کو پتہ تک نہ تھا کہ ہمارا خوبصورت قالین جلا ہوا ہے۔

اُن دنوں روفی اور میں، اوپر کے کمرے میں رہتے تھے۔ کیونکہ روفی کا خیال تھا سطح سمندر سے زیادہ بلندی کی وجہ سے اسکی آب و ہوا بہتر ہے۔

ٹیوشن شروع ہو گئی، دن بھر اسکول رہتا، شام کو ماسٹر صاحب تشریف لاتے۔ چلتے وقت فالتو کام دے جاتے جس کے لیے دیر تک جاگنا پڑتا۔ بعض اوقات روفی کے ابّا ہمیں سیر پر لے جاتے اور راستے بھر انواع و اقسام کی ہدایتیں ملتیں یہ کرو یہ مت کرو اگر یوں کرو تو یوں ضرور کرو، اور اگر یوں نہیں کرتے تو یوں بھی مت کرو۔ ایک روز انھیں نے ہمیں کلب جانے کو کہا۔ بولے ——— اس طرح تمھاری معلومات میں اضافہ ہوگا اور گفتگو کرتے وقت اب جو جھجک محسوس ہوتی ہے وہ دُور ہو جائے گی۔ چنانچہ ہم کلب گئے، جاکر دیکھتے کیا ہیں کہ ایک بہت بڑی سجی سجائی عمارت عالیشان پڑی ہے اور ایک لمبے سے کمرے میں بہت سے معمر حضرات بالکل بیزار بیٹھے ہیں۔ ہم ایک کونے میں چوروں کی طرح کھڑے تھے کہ انجنیئر صاحب نے بلایا اور پاس بٹھا لیا، کچھ دیر خاموشی رہی، وہ بولے ——— "بھئی لڑکو! کوئی بات چیت کرو" ——— میں نے روفی کی طرف دیکھا انھوں نے میری طرف اشارہ کیا۔ میں نے گلا صاف کیا اور سوچنے لگا کہ کیا کہوں۔ چند روز پہلے ہم نے سنا تھا کہ شاہ امان اللہ خاں نے تخت چھوڑ دیا ہے۔ چلو اسی سے گفتگو شروع کرتے ہیں۔

"وہ سنا آپ نے ——— امان اللہ خاں نے تخت چھوڑ دیا۔"

"اچھا؟ ——— کب؟" انجنیئر صاحب بولے۔

"کچھ دن ہوئے۔"

"ان کی بغل میں جو صاحب بیٹھے تھے بولے ——— کس نے تخت چھوڑ دیا؟"

"جی امان اللہ خاں نے ———"

"اوہ!" کہہ کر وہ خاموش ہو گئے۔

"کیا ہوا؟ ——— کون تھا؟" ایک صاحب جو اُن کے بالکل قریب بیٹھے تھے بولے۔

"جی امان اللہ خاں نے تخت چھوڑ دیا۔"

"اوہ ———!"

اُن کے سامنے بیٹھے ہوئے صاحب کچھ دیر کے بعد چونک کر بولے ——— "یہ کن صاحب کا

ذکر ہو رہا ہے ؟"

"جی امان اللہ خاں کا۔"

" انھیں کیا ہوا ؟"

" انھوں نے تخت چھوڑ دیا۔"

" اچھا!"

"بھئی یہ اکیلے ہی اکیلے کیا باتیں ہو رہی ہیں۔ ہمیں بھی تو بتاؤ" ایک طرف سے آواز آئی۔

"جی، امان اللہ خاں نے تخت چھوڑ دیا۔"

" اوہو، بڑا افسوس ہوا۔ کون تھے وہ ؟"

"جی بادشاہ تھے۔"

"کہاں کے ؟"

"افغانستان کے۔"

" اچھا۔"

میرے داہنے ہاتھ بیٹھے ہوئے صاحب یکلخت اچھل پڑے۔ "کیا کسی نے تخت چھوڑ دیا ؟"

"جی ہاں۔"

"کس نے ؟"

" امان اللہ خاں نے۔"

کچھ دیر خاموشی رہی، پھر سامنے کے صوفے پر ایک صاحب ہڑبڑا کر اٹھے۔ "یہ کون کسی کے چھوڑ دینے کا ذکر کر رہا تھا۔ کیا ہوا ؟"

"جی امان اللہ خاں نے تخت چھوڑ دیا۔"

"ارے ـــــ"

غرضیکہ اسی طرح باری باری ہر شخص نے پوچھا کہ کیا ہوا اور مجھے کوئی پچاس مرتبہ بتانا پڑا کہ امان اللہ خاں نے تخت چھوڑ دیا۔ ہم نہایت بیزار ہو کر واپس لوٹے۔ گھر میں سب میٹھے باتیں کر رہے تھے جھیل کی باتیں شروع ہو گئیں مچھلیوں کے متعلق اُن کے شبہات بدستور تھے ہم نے بڑے وثوق سے کہا کہ وہاں بڑی بڑی مچھلیاں ہیں۔ ہم اکثر پکڑتے رہے ہیں۔ ہم نے کئی مرتبہ انہیں بھونا بھی ہے۔ بولے اچھا اس مرتبہ پکڑو تو گھر لانا ہم بھی دیکھیں گے۔"

اگلے اتوار کو ہم صبح سے شام تک ڈوریاں پانی میں ڈالے بیٹھے رہے لیکن کچھ نہ ملا۔ واپسی پر بازار میں مچھلی والے سے بڑی بڑی مچھلیاں خریدی گئیں اور باورچی کے حوالے کی گئیں اتفاق سے اس شام کو سب کہیں باہر مدعو تھے۔ گھر میں صرف میں اور ننھے میاں تھے اور ایک بزرگ۔ جو ننھے میاں کو ساتھ بٹھا کر کھانا کھایا کرتے۔ رات کو انہیں اچھی طرح دکھائی نہ دیتا تھا۔ ننھے میاں پہلے تو دسترخوان پر بیٹھے تھے پھر چپکے سے اٹھ جاتے۔ اُدھر بلیاں قطار باندھے دکیو لگائے منتظر ہوتیں اور بڑے اطمینان سے ساتھ آ بیٹھتیں۔ وہ یہی سمجھتے کہ ننھے میاں ساتھ بیٹھے ہیں۔ چنانچہ وہ بار بار بلیوں سے کہتے ـــ برخوردار بھوکے مت رہنا۔ چیزیں اٹھا اٹھا کر اُن کے سامنے رکھتے ـــ یہ چکھو برخوردار ـــ یہ بھی کھاؤ برخوردار ـــــــ ادھر بلیاں بڑے سکون سے کھاتیں۔

چنانچہ ہماری خریدی ہوئی مچھلیاں اُس روز بلیوں نے کھائیں۔ اگلی مرتبہ ہم جھیل پر گئے۔ اور مچھلیاں خرید کر لائے تو نہ جانے کس کے مشورے سے مچھلیاں ڈاکٹر صاحب کے ہاں بھیج دی گئیں۔ اس سے اگلی مرتبہ انجنیئر صاحب کے ہاں پھر ایک روز کیا ہوا کہ سب کے سامنے مچھلی والا حساب لے کر آ گیا۔ ہمارا جیب خرچ ختم ہو چکا تھا اور مچھلیاں اُدھار آ رہی تھیں۔ سب کو پتہ چل گیا۔ ہمارا خوب مذاق اڑا۔ ہمیں ہدایت کی گئی کہ ہم آئندہ جھیل پر نہ جایا کریں۔ ہم وہاں محض وقت ضائع کرنے جاتے ہیں۔ جب وہاں مچھلیاں

ب ہی نہیں تو وہاں جانا بالکل بے سود ہے۔
ہم اسکول کا کام کر رہے تھے، رستم ہمارے پاس بیٹھا تھا۔ ہمارے دل میں بار بار یہی
ل آتا تھا کہ وہاں جانا بے سود کیوں ہے۔ رستم کہہ رہا تھا۔ لڑکو جب تم بڑے ہو جاؤ گے
تمھیں معلوم ہوگا کہ دنیا میں جس کام سے کسی فائدے کی امید نہ ہو وہ بے سود ہے۔ دنیا
لوگ صرف وہی کام کرتے ہیں جس میں نفع ہو۔ صرف اُن لوگوں سے ملتے ہیں جو فائدہ
نچا سکیں۔ صرف وہ باتیں سوچتے ہیں جو سود مند ہوں۔ باقی کے سب کام، سب انسان
سب باتیں بیکار ہیں۔
اگلے اتوار کو سب کہیں باہر جا رہے تھے ہیں حکم ملا کہ ہم دن بھر گھر کی رکھوالی کریں
چھوٹے ننھے، ننھے میاں ٹیلیفون اور ملاقاتیوں کا خیال رکھیں گے۔ ماسٹر صاحب نے
ں گھوڑے پر جواب مضمون لکھنے کو کہا تھا۔
میں اور روفی کمرے میں کاپیاں لئے بیٹھے تھے۔ ایک کونے میں ننھا کھیل رہا تھا۔
میاں پڑوس میں بچوں کے ساتھ تھے۔
رستم پوچھنے لگا۔ "کیا لکھ رہے ہو؟" ہم نے بتایا۔ بولا، "یوں کبھی کبھی مضمون لکھے گئے
ں، سوال مضمون ہو یا جواب مضمون، جس چیز پر لکھنا ہو اُسے دیکھ کر لکھو۔ میں ابھی گھوڑا
ہوں" — وہ گھوڑا لے آیا۔ "اب اس پر سوار ہو کر لکھو — تمھیں گھوڑے پر جواب
مون لکھنا ہے۔"
وہ گھوڑا بہت اونچا تھا۔ ہم زینے پر کھڑے ہو گئے۔ رستم گھوڑے کو کھینچ کر دیوار کے ساتھ
نے کی کوشش کر رہا تھا۔ بڑی مشکلوں سے گھوڑا نزدیک آیا۔ ابھی روفی نے اپنا پاؤں
پر رکھا ہی تھا کہ وہ آگے چل دیا۔ کئی مرتبہ اسی طرح ہوا۔ آخر طے ہوا کہ گھوڑے پر
ھی لگا کر چڑھا جائے۔ رستم بولا۔ اگر تم دونوں نے اس گھوڑے پر چڑھ کر مضمون
تو دونوں کا مضمون ایک سا ہوگا، میں ایک اور گھوڑا لاتا ہوں۔ ہم نے کہا۔ نہیں یہی

کافی ہے۔ بمشکل روفی گھوڑے پر سوار ہوئے وہ اس قدر ڈرے ہوئے تھے کہ رستم کو بھی ساتھ بیٹھنا پڑا۔ میں نے انکار کر دیا۔ دیکھتے دیکھتے گھوڑا بدک کر سرپٹ بھاگا، رستم نے چار یا شاید پانچ نہایت اعلیٰ درجے کی نفیس قلابازیاں کھائیں اور روفی نے کسی کہنہ مشق نٹ کی طرح تماشا دکھایا۔

کپڑے جھاڑتے ہوئے روفی رستم سے بولے :"گھوڑے پر ان دونوں سواریوں کا شکریہ"

"دو سواریاں کیسی ؟"

"میری پہلی اور آخری سواری "۔

باورچی کو کہا گیا تھا کہ وہ ننھے کا خیال رکھے چنانچہ وہ ہر دس پندرہ منٹ کے بعد باورچی خانے کی کھڑکی سے سر نکال کر ننھے کی طرف دیکھے بغیر چلاتا تھا۔ "ننھے یوں مت کرو۔ خبردار ننھے۔ جو یہ کیا ہے تو۔"

پھر یکایک ننھے کے رونے کی آواز آئی ہم بھاگے بھاگے پہنچے "ننھے کو چوٹ کیونکر لگی۔ ؟" ہم نے باورچی سے پوچھا۔

"وہ سامنے سیڑھیاں دیکھیں آپ نے ؟"

"ہاں ۔"

"بس وہ ننھے نے نہیں دیکھیں "۔

ہم نے اُسے چپ کرانے کے لیے بہتیرے جتن کئے۔ آخر رستم نے مشورہ دیا کہ اسے گائے کا دودھ پلایا جائے۔ باورچی دودھ لایا ہم نے اس سے پوچھا "یہ تازہ تو ہے نا ؟"

"تازہ ؟ ـــ چند گھنٹے پہلے یہ سبز گھاس تھا۔"

ننھے نے چکھا لیکن پینے سے انکار کر دیا معلوم ہوا کہ دودھ پھیکا تھا۔ باورچی سے شکر لانے کو کہا گیا۔ اُس نے گھر چھان مارا لیکن شکر نہ ملی۔ رستم بولا "ابھی صبح پانچ سیر شکر آئی تھی۔ باورچی خانے میں میں نے خود دیکھی ہے ـــ"

باورچی مسکرایا اور بولا — "اوہ! مجھے یاد آیا"
اندر گیا، کچھ دیر میں خالی ہاتھ لوٹا — "وہاں تو نہیں ملی"
"تو پھر کہاں گئی؟"
"کسی کتے بلی نے کھالی ہوگی" وہ بولا۔
اندر جاکر دیکھتے ہیں تو ایک کتا خواب خرگوش سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔ اسے جگانے سے پہلے میں نے پوچھا: "کیا کتے شکر کھاتے ہیں۔؟"
"اور کتوں کا پتہ نہیں، یہ کتا بہت چٹورا ہے میٹھی چیز تو یہ کبھی نہیں چھوڑتا، ضرور اسی نے شکر کھائی ہے۔ اسے تول کر دیکھ لیجیے۔"
کتے کو جگایا گیا۔ ترازو منگائی گئی، اسے تولا گیا — وہ پورا پانچ سیر تھا۔
"شکر کا وزن تو پورا ہو گیا۔ روفی باورچی سے بولے "اب کتا کہاں گیا؟"
باورچی سے جب اور کئی سوال پوچھے گئے تو وہ بولا — "میں اتنا بیوقوف نہیں ہوں جتنا کہ دکھائی دیتا ہوں۔"
"کاش کہ تم ہوتے" رستم بولا۔
اتنے میں ننھے میاں آگئے ننھے میاں خود ساڑھے چار سال کے تھے، اور چھوٹے ننھے سے دو سال بڑے تھے۔ ہم نے ان کی خوشامد کی کہ چھوٹے ننھے کے ساتھ کھیلو۔ انہوں نے بڑی حقارت سے ننھے کی طرف دیکھا اور بولے: "اس کے ساتھ؟ — اونہہ — یہ تو بچہ ہے"
ننھا خوب رو رہا تھا۔ آخر ہم نے تنگ آکر ریڈیو لگا دیا اور اسے اتنا بلند کر دیا کہ ننھے کی آواز دب کر رہ گئی۔ دفتر سے اس طوطے کو نکال کر ریڈیو کے سامنے بٹھا دیا۔ سیاہی سے ننھے میاں کی داڑھی اور مونچھیں بنائی گئیں۔ بلیوں کے چہرے پر پاؤڈر، سرخی اور لپ اسٹک لگائی گئی۔ کتے کے گلے میں سفید کالر اور نہایت بڑھیا ٹائی باندھی گئی۔ سر پر ہیٹ اڑھایا گیا۔ گھوڑے کے سر پر کلاہ رکھ کر صافہ باندھا گیا۔

فون آیا ــــ روفی نے ریسیور اٹھایا اور ننھے کے منہ کے سامنے کر دیا۔ ننھا خوب مزے لے لے کر رو رہا تھا۔

کچھ دیر کے بعد پھر فون آیا ــــ روفی نے پوچھا۔ "کون صاحب بول رہے ہیں؟"

آواز آئی ــــ "انعام علی، اکرام علی، الہام علی اینڈ کمپنی ــــ"

"اوہ ــــ آداب عرض، آداب عرض، اور آداب عرض!" اور ریسیور رکھ دیا۔

گھر میں خوب اودھم مچایا گیا، صندوقوں اور الماریوں کی تلاشی لی گئی۔ بندوق نکال کر چلائی گئی، دو گھڑے پھوٹ گئے۔ پھر فون کیا گیا۔

"کون سا نمبر چاہیئے۔"

"کوئی سا نمبر دے دیجیئے۔" روفی بولے۔

"آپ بتایئے۔"

"آپ خود کوئی اچھا سا نمبر دے دیجیئے۔"

"نہیں آپ۔"

"واللہ آپ۔"

"آپ بتاتے ہیں یا نہیں؟"

روفی نے ڈائل پر لکھا ہوا نمبر پڑھا ــــ "مجھے یہ نمبر چاہیئے۔"

"یہ تو آپ کا نمبر ہے۔"

"تو پھر میں اپنے آپ سے گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔"

جب شام کو سب آئے تو ہم بڑی سنجیدگی سے سوال نکال رہے تھے۔ ننھا رونے کے شغل سے تنگ آ کر سو چکا تھا۔ ننھے میاں کے متعلق پوچھا گیا کہ وہ کہاں ہیں کچھ دیر میں وہ سب کے سامنے سے گذرے وہ کچھ چیزیں چرائے لیے جا رہے تھے، منہ سفید کریم سے لپا ہوا تھا۔ انھیں پکڑا گیا۔ معلوم ہوا کہ آپ نے وینشنگ کریم VANISHING CREAM

نگائی ہے اور آپ کا خیال ہے کہ آپ سب کی نگاہوں سے اوجھل ہو چکے ہیں اور آپ کو چوری کرتے ہوئے کوئی نہیں دیکھ رہا۔

صبح صبح باہر آہٹ ہوئی۔ ہم نے آواز دی۔ باورچی تھا۔ "مجھے چھ بجے جگا دینا" روفی بولے۔
"چھ تو بج گئے۔"
"تو مجھے جگا دو۔"

ہم باہر نکلے، چھکڑے گائے کا موٹا تازہ اور بیل نما بچھڑا کھولا۔ اس پر زین کسی گئی۔ ایک سینگ پر سائیکل کا لیمپ لگایا گیا۔ دوسرے پر گھنٹی اور ہارن فٹ کیے گئے۔ ہم دونوں سوار ہو کر سیر کے لیے نکلے روفی نے دونوں سینگ یوں پکڑ رکھے تھے جیسے موٹر چلا رہے ہوں لیمپ روشن تھا، ہم ہارن بھی بجاتے تھے اور گھنٹی بھی۔

ماسٹر صاحب بالکل ہمارے پڑوس میں رہتے تھے۔ انہوں نے مرغیاں بطخیں، خرگوش اور نہ جانے کیا کیا الا بلا پال رکھی تھی۔ راستے میں طے ہوا کہ آج دوپہر کو چھت پر چڑھ کر آئینے کی مدد سے ان کے پرندوں اور جانوروں پر سورج کی شعاعیں پھینکی جائیں۔ دوپہر کو روفی اندر سے ایک بڑا سا آئینہ اٹھا لائے ہم نے شعاعیں پھینکیں، مرغیاں اور بطخیں اڑ کر سڑک پر چلی گئیں، کچھ ہمارے ہاں آگئیں، خرگوش اندر جا چھپے اور پھر روفی کے ہاتھ سے جو آئینہ پھسلا ہے تو چور چور ہو گیا ہم نے رستم کو بتایا وہ بولا "غضب ہو گیا یہ آئینہ تو بہت پرانا تھا۔ کئی نسلوں سے آپ کے خاندان میں چلا آتا تھا، ہم بہت ڈرے۔ وہ بولا۔" اچھا میں موقعہ پا کر صاحب سے کہہ دوں گا کہ وہ آئینہ جو نسلاً بعد نسلاً آپ کے ہاں چلا آتا تھا۔"

"ہاں ہاں اُسے کیا ہو گیا؟" ہم نے بے صبری سے پوچھا۔
"اُسے اس نسل نے توڑ دیا ہے۔"

ہم منتیں کرنے لگے کہ کسی کو مت بتانا، ہم دوسرا خرید لائیں گے بالکل ایسا ہی مصیبت یہ تھی کہ ان دنوں ہم بالکل مفلس تھے۔ میری سائیکل میں اتنے پنکچر لگے ہوئے تھے کہ سائیکل

والا عاجز آچکا تھا۔ آخری مرتبہ جب میں ایک اور پنکچر لگوانے گیا تو اس نے مجھے ٹیوب دکھائی ۔۔ پنکچروں پر پنکچر اور ان پر اور پنکچر لگے ہوئے تھے ۔ وہ بولا ۔۔ "اب میں صرف یہ کر سکتا ہوں کہ کہ اس ٹیوب پر ایک نئی ٹیوب چڑھا دوں، بس ۔"

اُدھر رونی کے پاس بھی کچھ نہیں تھا۔ ہم نے رستم سے ادھار کے لیے کہا۔ وہ بولا" مجھے تو پڑوسیوں نے کنگال کر رکھا ہے ۔ سب کچھ ادھار لے جاتے ہیں ۔ بعض اوقات جو چیزیں میں خود ادھار لاتا ہوں ۔ وہ انھیں بھی ادھار لے جاتے ہیں ۔ میری تنخواہ، میرے برتن ۔ کپڑے صندوق، سب کچھ اُن کے ہاں رہتا ہے ۔ ان کے ہاں میری اتنی چیزیں ہیں کہ اپنے گھر کی نسبت اُن کے ہاں میرا زیادہ جی لگتا ہے یہاں تک کہ ایک روز وہ میرے مصنوعی دانت اور عینک بھی ادھار لے گئے تھے ۔"

ہم بڑے گھبرائے، آخر طے ہوا کہ باورچی سے روپے مانگے جائیں اور مانگتے وقت اسے باورچی نہ کہا جائے بلکہ خانساماں کہا جائے ۔ مشکلوں سے اُس نے وعدہ کیا کہ وہ کسی سے ادھار لے کر ہمیں کل روپے دے گا اور ہم اسے گیارہ بجے بازار میں ملیں ۔

ہم اسکول سے بھاگ کر بازار پہنچے، دیر تک انتظار کرنے پر بھی وہ ہمیں نہ ملا۔ ادھر یہ ڈر بھی تھا کہ کہیں کوئی ہمیں بازار میں نہ دیکھ لے، آخر ہم ایک دوکان میں جا گھسے اور یوں ہی قیمتیں پوچھنے لگے ۔

رونی نے ایک سفلر کی قیمت پوچھی ۔ دکاندار بولا ۔۔ "پچاس روپے" ۔

" لاحول ولا قوۃ ۔۔ اور اس قلم کی کیا قیمت ہے ؟"

" دو لاحول ولا قوتیں ۔"

"یعنی ؟"

" یعنی سو روپے ۔"

" اچھا کوٹوں کا کپڑا تو دکھایئے ۔"

ہم کپڑے بھی دیکھ رہے تھے اور سڑک کی طرف بھی۔ تھوڑی سی دیر میں ہم نے سارے تھان الٹ پلٹ کر رکھ دیئے۔ دکاندار بولا۔ "تو کون سا کپڑا پسند آیا آپ کو۔"؟

"جناب معاف فرمائیے ہمیں کپڑا نہیں خریدنا تھا۔ دراصل ہم اپنے باورچی کی تلاش میں آیا۔"

"تو اگر آپ کا یہ خیال ہے کہ آپ کا باورچی اُن دو باقیماندہ تھانوں میں لپٹا ہوا ہے تو میں وہ بھی دکھائے دیتا ہوں۔"

وہ بقیہ تھان لینے مڑا اور ہم وہاں سے بھاگے۔

آخر ہمیں باورچی مل ہی گیا۔

"اتنی دیر لگادی؟ ___ پتہ بھی ہے اب کیا بجا ہے؟" ہم نے اس سے شکایتاً کہا۔

"میں مختلف آدمیوں سے وقت پوچھتا رہا ہوں۔ کوئی کچھ بتاتا ہے کوئی کچھ۔"

"وہ سامنے دیکھو ___" ایک کلاک میں پورے بارہ بجے ہوئے تھے۔

"ارے" ___ وہ چونک کر بولا۔ "یہ کلاک کی دوسری سوئی کہاں گئی۔"؟

ہم نے آئینہ خریدا۔ واپسی پر وہ بولا۔ "میں ڈاک کا بہانہ کر کے آیا ہوں، ڈاکخانے ہو کر چلیں گے۔" اور ہم راستے بھر ڈرتے آئے کہ کہیں کوئی ہمیں اور آئینے کو دیکھ نہ لے۔

"کوئی ڈاک تھی۔"؟

"ڈاک تو نہیں تھی، فقط ایک خط تھا۔" وہ بولا۔

آئینہ رستم کو دکھایا گیا۔ اُس نے ہمیں بتایا کہ اُس کے سامنے دو ہی آئینہ دو مرتبہ ٹوٹ چکا ہے۔ دونوں مرتبہ نیا خریدا گیا۔ لیکن شکر ہے کہ وہ آئینہ جو نسلاً بعد نسلاً چلا آرہا تھا۔ بالکل صحیح سلامت ہے۔"

رات کو ہم نے دیکھا کہ رونی کے ابّا دفتر میں کام کر رہے ہیں۔ اُن ڈیپارٹمنٹل امتحان ہو رہے تھے۔ رونی اندر گئے، سلام کیا اور بولے ___ "سنائیے ابّا جان پرچے کیسے ہو رہے ہیں۔"؟

اچھے ہو رہے ہیں ۔ شکریہ۔"

"امتحان مشکل تو نہیں لگ رہا؟"

"نہیں ۔ آسان ہے۔" وہ مسکراتے ہوئے بولے ۔

"پھر بھی آپ اتنی محنت نہ کیا کریں۔ اتنی دیر تک جاگا بھی مت کریں۔ ورنہ صحت پر برا اثر پڑے گا اور اپنی عینک سنبھال کر رکھا کریں، ٹوکرا اکثر لگا لیتے ہیں۔"

روفی کے ابا کی عینک کچھ ایسی تھی کہ جو اسے لگاتا چند قدم چل کر دھڑام سے گرتا۔ ہم نے کئی مرتبہ تجربہ کیا تھا۔

روفی کے ہاں اُن کے کئی رشتہ دار ملنے آئے۔ اُن کے ساتھ بے شمار بچے تھے، نہایت شوخ اور شریر قسم کے بچے۔

روفی کی امی نے ننھے میاں کو کہا۔ "ننھے دادی جان کو پیار کرو۔"

"امی ۔ میرا قصور؟" انہوں نے ٹھنک کر کہا۔

"اچھا انہیں اپنا سبق پڑھ کر سناؤ۔ یا چلو کوئی ضرب المثل ہی سنا دو۔"

"کل کا کام آج پر مت چھوڑو ۔" ننھے میاں سینہ تان کر بولے۔

"غلط ہے ۔ سوچ کر پھر بتاؤ ۔" اُن کی امی نے ڈانٹا۔

"آج کا کام پرسوں پر مت چھوڑو۔"

"چلو رہنے دو" ۔ اُن کی دادی جان بولیں ۔ "اچھا یہ بتاؤ تم صبح کتنے بجے جاگتے ہو؟"

"جب سب جاگتے ہیں۔"

"بچوں کو تو مرغ کی اذان کے ساتھ اٹھنا چاہیئے ۔"

"جی ہمارے ہاں مرغ ہیں ہی نہیں ۔"

"تو سورج کی پہلی کرن کے ساتھ اٹھنا چاہیئے۔"

"جس کمرے میں ہم سوتے ہیں اُس کا رخ مغرب کی طرف ہے ۔"

بچوں نے ہمیں پریشان کر دیا۔ ایک پوچھتا تھا۔ بھائی جان چڑیا گھر کو چڑیا گھر کیوں کہتے ہیں۔؟ دوسرا یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ یہ چیتے اور شیر وغیرہ سرکس سے پہلے کیا کیا کرتے تھے۔ ایک کا غبارہ اڑ گیا۔ وہ یہ دریافت فرما رہے تھے کہ کشش ثقل نے غبارے کو روکا کیوں نہیں کشش ثقل سے اُن کا اعتبار اٹھ چلا تھا۔

ایک بچے نے بتایا کہ اُس نے ایک شخص دیکھا تھا جس کا نصف چہرہ بالکل سیاہ تھا۔

"یہ کیسے ہو سکتا ہے؟" روفی بولے

"اس کا بقیہ نصف چہرہ بھی سیاہ تھا۔"

دوسرا بولا ۔۔ "ہمارے ماسٹر صاحب بارش میں چھتری استعمال نہیں کرتے۔"

"تو پھر کیا کرتے ہیں۔۔؟"

"بس بھیگ جاتے ہیں۔"

تیسرا بھاگا بھاگا آیا ۔۔ "امی جان میں نے باغ میں خرگوش دیکھا ہے۔"

"وہم ہو گا۔"

"اچھا تو کیا وہم کی ایک سفید دم اور دو لمبے لمبے کان ہوتے ہیں؟"

ہم تنگ آ گئے عجیب گستاخ اور بے تکے بچوں سے واسطہ پڑا تھا۔" روفی اور وہ اٹھے کہاں جا رہے ہو؟"

"باغ میں ۔۔ پھل توڑنے ۔۔"

"لیکن پھل تو ابھی کچے ہیں ۔۔ ابھی کل تو دیکھے تھے۔"

"شاید کچھ پک گئے ہوں۔"

"بیٹھے رہو ۔۔ پھر کبھی دیکھ لینا۔"

اور ہمیں بیٹھنا پڑا۔

ایک بزرگ فرما رہے تھے ۔۔ "جب میں چھوٹا سا تھا تو اس قدر نحیف تھا۔ اسقدر کمزور

مجھا کہ میرا وزن کل چار پاؤنڈ تھا۔ مجھے دنیا بھر کی بیماریوں نے گھیرے رکھا۔"

"تو کیا آپ زندہ رہے تھے ؟" ایک ننھا بولا۔

ایک خاتون فرما رہی تھیں ۔۔" اس وقت ہندوستان میں ہم جاگ رہے ہیں لیکن امریکا کے بعض حصوں کے لوگ سو رہے ہوں گے ۔"

"سست الوجود کہیں کے ۔۔" ایک اور ننھے نے بات کاٹی۔

"آئس کریم جلدی سے کھالو، ورنہ ٹھنڈی ہو جائے گی ۔" ایک طرف سے آواز آئی۔

"یہ کافی تو جلی ہوئی ہے ۔۔" ایک بچے نے نعرہ لگایا۔ اسے بتایا گیا کہ کافی کا ذائقہ ایسا ہی ہوتا ہے۔ لیکن وہ نامانا اور مصر رہا کہ کافی جلی ہوئی ہے۔

دادی جان ننھے میاں سے پوچھ رہی تھیں۔" کیوں ننھے یہ سڑک کہاں جاتی ہے ؟"

"جی جاتی واتی تو کہیں نہیں، ہر صبح مجھے یہیں ملتی ہے۔ اگر رات کو کہیں چلی جاتی ہو تو پتہ نہیں ۔"

"مگر یہ وہی سڑک تو ہے جو جرنیلی سڑک سے جا ملتی ہے اور پشاور جاتی ہے۔"

"تو پشاور سے واپس کون سی سڑک آتی ہے ؟" ایک ننھا بولا۔

"ہمارے ماسٹر صاحب کی سالگرہ ہے۔ انھیں کیا تحفہ دیا جائے ؟" آواز آئی۔

"ایک کتاب دے دو۔"

"مگر اُن کے پاس ایک کتاب ہے ۔"

"دادی جان نے پھر ننھے سے سوال کیا۔" وہ جو سامنے جانور چر رہے ہیں، کتنے ہیں ۔؟"

"بائیس ۔" کچھ دیر کے بعد جواب ملا۔

"شاباش ۔۔ اتنی جلدی تم نے کیونکر گن لئے ۔؟"

"بالکل آسان ہے۔ پہلے جانوروں کی ٹانگیں گن لیں۔ پھر چار پر تقسیم کر دیا۔"
ایک صاحب جو خاں شکاری تھے، اپنی آپ بیتی سنا رہے تھے، وہ بتا رہے تھے کہ کس طرح وہ جنگل میں چھپتے پھر رہے تھے اور ایک شیر اُن کا تعاقب کر رہا تھا بچے طرح طرح کے سوال پوچھ رہے تھے۔ شیر کا رنگ کیسا تھا؟ آپ کی شیر سے دشمنی تھی کیا؟ شیر موٹا تھا یا دبلا؟ آپ نے شیر کی کمر پر لٹھ کیوں نہیں مارا؟ کیا آپ ڈرپوک تھے جو شیر سے ڈر رہے تھے؟ — وہ تھوڑی سی بات کرتے اور سب چلا کر پوچھتے، پھر کیا ہوا؟ اور ساتھ ہی بے تکے سوالوں کی بوچھار شروع ہو جاتی۔ وہ تنگ آ چکے تھے۔ ایک مرتبہ بچوں نے پھر پوچھا۔ کہ پھر کیا ہوا۔؟
"پھر کیا ہونا تھا — وہ اپنے بال نوچ کر بولے۔ "پھر شیر نے مجھے کھا لیا۔"
اور بچوں نے تالیاں بجائیں، ہپ ہپ ہرا کیا۔ ایک ننھا اپنا ڈھول اٹھا لایا اور ساتھ ہی لکڑی کا نصف گھوڑا جسے آری سے کاٹا گیا تھا۔ گھوڑے کا نام لوئی ساڑھے تین تھا انہوں نے وجہ بتائی کہ پہلے انہوں نے کسی دوست کی شرکت میں خریدا تھا تب اس کا نام لوئی ہفتم تھا۔ دونوں دوستوں کی لڑائی ہوئی تو گھوڑے کو آری سے آدھا آدھا تقسیم کیا گیا۔ چنانچہ اُس کا نام لوئی ساڑھے تین رکھ دیا گیا۔
ہم پھر اٹھے۔
"کہاں جا رہے ہو؟"
"جی باغ میں — شاید اب پھل کچھ پک گئے ہوں۔"
لیکن ہمیں پھر بٹھا لیا گیا۔ دوسرے کمرے سے ایک بچے نے صدائے احتجاج بلند کی اور نعرہ لگایا۔ ہم بھاگ کے پہنچے اور بچے لڑ رہے تھے۔ بڑا چھوٹے کی خوب تواضع کر رہا تھا۔ مشکل سے دونوں کو علیحدہ کیا۔ دادی جان کے سامنے مقدمہ پیش ہوا۔ لڑائی کی تفصیل بیان کی جا رہی تھی، چھوٹا بچہ ڈینگیں مار رہا تھا کہ

میں نے یہ کیا، میں نے وہ کیا۔ وہ کہہ رہا تھا۔۔"میں نے اس کو پکڑ کر اپنے اوپر گرا لیا اور سیدھی ٹانگ اس کے دانتوں میں دبا لی، پھر میں نے اس کی کہنی اپنی پسلیوں میں چبھو دی اور دھڑام سے اس کا مکا اپنی کمر میں رسید کیا، پھر زور سے اس کا تھپڑ اپنے منہ پر مارا پھر میں نے جو اس کی ٹھوکر اپنے گھٹنے میں لگائی ہے تو بس۔۔"

ہم پھل توڑنے کے بہانے سے بمشکل وہاں سے نکل سکے، باغ میں روفی اور میں دیر تک سوچتے رہے کہ دنیا میں کیسے کیسے نامعقول اور بیہودہ بچے بستے ہیں۔

روفی نے کمرے کے دروازوں پر اندر کی طرف 'خوش آمدید' لگایا تھا، اس طرح کہ جو شخص کمرے میں بیٹھا ہو اُسے ہر وقت نظر آتا رہے۔ یہ ماسٹر صاحب کے لیے تھا۔

روفی کے لیے نئی رضائی تیار ہوئی تھی۔ انہیں رضائی کے نقش و نگار بےحد پسند تھے، اس لیے کہ انہیں دیکھ کر روفی کو سٹل آرٹ یاد آجاتا تھا۔ ابھی اچھی خاصی سرگرمیاں تھیں۔ لیکن وہ رات کو پنکھا چلا کر رضائی اوڑھتے تھے۔

ایک اور امتحان آرہا تھا۔ ہمیں زائد کام کرنے کو کہا گیا، رستم پوچھنے لگا۔ "اتنے پریشان کیوں ہو۔؟"

روفی بولے "کیا بتائیں۔ صبح کام، شام کام ۔۔ کام کام ۔۔ تنگ آگئے ہیں۔"

"اتنا کام کب سے شروع کیا۔؟"

"کل سے شروع کریں گے۔"

رستم لکھا پڑھا تھا۔ اس نے وعدہ کیا کہ وہ ہمارا ہاتھ بٹائے گا۔ اور حساب کے سوال نکال دیا کرے گا۔ اس کے بعد دیر تک بڑوں پر تبصرے ہوتے رہے کہ یہ مزے کرتے ہیں۔ انہیں کوئی کچھ نہیں کہتا، نہ انہیں شام کو ٹیوشن کی مصیبت ہے نہ علی الصبح اٹھنے کی قید، ان کی آزمائشیں، ان کے امتحان، ان کے کڑے دن گزر چکے ہیں۔ وغیرہ وغیرہ

ہمارا امتحان ہوا۔ ہمیں کچھ اور بتایا گیا تھا۔ لیکن پرچے کچھ اور ہی آئے۔ چنانچہ

ہم کچھ اور ہی لکھ آئے ۔۔۔ بس فیل ہوتے ہوتے بچے۔ ہر ایک نے ہمیں حسب توفیق ڈانٹا باورچی نے ہمدردی کے طور پر پوچھا ۔۔۔
"سنا ہے کہ آپ کا امتحان اتنا اچھا نہیں ہوا۔ کیا بات ہوئی ؟"
ردفی بولے ۔۔۔ "بات یہ ہوئی کہ مجھے پتہ نہیں تھا کہ وہ سیرا نویدا، دریائے مس سی پی اور ٹمبکٹو کہاں ہیں ۔۔۔
"میں تو ہمیشہ یہی کہا کرتا ہوں کہ اپنی چیزیں سنبھال کے رکھا کرو۔"
ماسٹر صاحب ہمارے پرچے لیکر آئے۔ پہلے انہوں نے تعلیم کی اہمیت اور محنت کے فوائد پر چھوٹا سا لیکچر دیا۔ پھر غلطیاں گنوانی شروع کیں ۔۔۔ تمہارا جغرافیہ بید کمزور ہے۔ یہ دیکھو اس نقشے میں یہ ریلوے لائن اس جنکشن سے آگے چلتے چلتے ایک دم دریا بن جاتی ہے اور خلیج بنگال میں گرتی ہے۔ یہ چھوٹی سی جھیل عین سمندر کے درمیان واقع ہے ۔۔۔ اور اس دریا سے ایک سڑک نکلتی ہے جو واپس پہاڑوں کی طرف لوٹ جاتی ہے ۔۔۔ تم نے اب تک اٹلس نہیں خریدا۔
"جی نہیں۔"
"میں مہینوں سے چلا رہا ہوں۔ آخر تم اٹلس کیوں نہیں خریدتے ؟"
"جی۔ دنیا کے سیاسی حالات، ذرا درست ہو لیں پھر خریدیں گے۔"
"اور یہ طوفانِ نوح کے متعلق تم نے کیا اوٹ پٹانگ باتیں لکھی ہیں۔ تم نے لکھا ہے کہ وہ کشتی کسی پہاڑ پر ٹھہری ہی نہیں۔"
"جناب پہاڑوں پر بھی کبھی کشتیاں ٹھہری ہیں۔" ؟
"لیکن ان دنوں سیلاب آیا ہوا تھا۔ چاروں طرف پانی ہی پانی تھا ۔۔۔ اچھا بھلا تم اس کشتی میں ہوتے تو اُسے کہاں لے جاتے ؟
"جی میں اُسے کسی اچھی سی بندرگاہ میں لے جاتا اور ۔۔۔"

"اور ــــ پھر ــــ ؟"

"پھر اُن تمام جانوروں کو باہر نکال کر ایک سرکس کھول لیتا۔"

"اُف وہ سیلاب تھا چاروں طرف ــ" ماسٹر صاحب سر ہلا کر بولے۔ "اور یہ مضمون اتنا لمبا کیوں ہے اسے صرف تین صفحوں کا ہونا چاہیئے تھا۔"

روفی کو لمبے لمبے جواب مضمون لکھنے کا بہت شوق تھا۔ اگرچہ وہ ہوتے تھے بالکل یونہی سے، تین صفحوں کی قید کو انہوں نے یوں نظر انداز کیا کہ پہلے صفحہ پر نمبر ایک لکھا، دوسرے پر نمبر دو، اس کے بعد کئی صفحوں کو اکٹھا کر کے پن کر دیا اور اس پر نمبر تین لکھ دیا۔

"اور پھر یہ مضمون اچھا بھی نہیں ہے۔"

"جناب آپ یہ نہیں کہہ سکتے کہ یہ اچھا نہیں ہے ــــ یہ کہہ سکتے ہیں کہ آپ کو پسند نہیں آیا۔"

"اچھا چلو یوں سہی کہ مجھے پسند نہیں آیا ــ اور یہ تاریخ کے پرچے میں تم نے ایجاد کیا، ایجاد کیا کیوں بار بار لکھا ہے ــ تم نے لکھا ہے کہ شاہ جہان نے تاج محل ایجاد کیا۔ جہانگیر نے جہانگیر کا مقبرہ ایجاد کیا۔ قطب صاحب نے قطب صاحب کی لاٹھ ایجاد کی۔"

"جی یہ اس لیے کہ پہلے ان چیزوں کا کسی کو علم نہیں تھا۔"

"دریافت کیں ــ" روفی نے لقمہ دیا۔

"نہیں دریافت بھی نہیں کیں ــ بنائیں ــ" ماسٹر صاحب بولے: "سچ بتاؤ تمہارا اسکول کا کام کون کیا کرتا ہے۔ ایمان سے۔"

"جی ۔ رستم کیا کرتا ہے۔"

"اکیلا؟"

"جی نہیں ہم اس کی مدد کیا کرتے ہیں۔"

"تم دونوں کو اپنا خط خوبصورت بنانا چاہیئے۔"

"پھر آپ ہماری املا میں غلطیاں نکالیں گے۔"

ماسٹر صاحب شاید کوئی خوشخبری سن کر آئے تھے۔ ہم سے بالکل خفا نہیں ہوئے۔ چلتے وقت بولے ۔۔ "اتنی غلطیاں میں نے کسی اور کے پرچے میں نہیں دیکھیں ۔"

"جی غلطیاں تو ہم سب کرتے ہیں ۔۔ اسی لیے تو پنسل کے ساتھ ربڑ لگائی گئی ہے۔" رونی مودبانہ بولے۔

چپراسی بیمار پڑ گیا۔ اس کی ڈیوٹی ہمیں دیدی گئی۔ ٹیلیفون اور ملاقاتیوں کا خیال رکھنا اس بیوقوف طوطے کی نگرانی کرنا۔ اس کی بیماری بھی عجیب سی تھی۔ صبح کہتا ہے نمونیہ ہو گیا ہے۔ شام کو کہتا ہے نہیں سرسام تھا۔ کبھی کہتا کہ باؤلا کتا کاٹ گیا تھا۔ اسے ثابت کرنے کے لیے اُس نے کتے کے بھونکنے کی نقل اُتاری۔ پھر رستم نے اُسے بتایا کہ اس مرض میں مریض مرجاتا ہے لیکن بھونکتا ہرگز نہیں۔ چنانچہ اُس نے مرض فوراً بدل لیا، یہ مرض تپ دق، مالیخولیا، خون کے دباؤ، زکام وغیرہ ہوتا ہوا آسیب پر آکر رکا۔ آخر میں اس نے فیصلہ کر لیا کہ اُس پر کسی ت کا سایہ ہے۔

شام کو ہم باورچی خانے میں بیٹھے تھے۔ باورچی کھانا پکا رہا تھا۔ رستم پاس بیٹھا تھا۔ بھوتوں کے قصے ہو رہے تھے۔

"رات تم سوتے ہوئے شور مچا رہے تھے۔" میں نے رونی سے کہا۔

"میں شور مچاتے ہوئے کتوں کو رات بھر خواب میں دیکھتا رہا۔ تم نے وہ شور سنا ہوگا۔"

"بھوت تو میں نے دیکھا تھا پچھلے سال۔" باورچی بولا۔

"کیسا تھا ۔؟"

"ایک بہت بڑے گدھے جیسا ۔"

"تم اپنے سائے سے ڈر گئے ہوگے۔" رستم بولا۔

"نہیں ۔۔ سچ مچ کا بھوت تھا۔ اُس نے میرا پیچھا کیا، میں بھاگ کر دروازہ بند کر لیا، مگر بھوت دیوار میں سے نکل آیا۔"

"پھر تم نے کیا کیا؟"

Himaqaten

"میں دوسری دیوار میں سے باہر نکل گیا۔"

"کیا ہانک رہے ہو" رستم بولا۔ "ایسا کیسے ہو سکتا ہے۔"

"ایسا ہوا تھا۔ مگر میں اس وقت خواب دیکھ رہا تھا۔ یہ خواب سنا رہا ہوں۔"

"میں اپنی آپ بیتی سناتا ہوں" رستم بولا۔ "میں اُن دنوں اپنے کھیت میں کام کیا کرتا تھا۔ کھیت کے راستے میں قبرستان بھی پڑتا تھا اور شمشان بھی۔ ایک دفعہ کیا ہوا کہ میں رات کو کھیت میں پانی لگانے جا رہا تھا کہ راستے میں میرے پیچھے ایک بھوت ہو لیا۔ دیکھنے میں وہ بالکل انسانی روپ میں تھا۔ اُس نے مجھے کچھ نہیں کہا۔ بس میری نقلیں اتارنے لگا۔۔۔ میں ڈر سے کانپنے لگا۔ میں نے دیکھا کہ وہ بھی کانپ رہا ہے۔ میری گھگھی بندھی، اس کی بھی گھگھی بندھ گئی۔ ایک پیر وہاں رہتے تھے۔ میں اگلے روز اُن کے پاس گیا۔ انہوں نے پہلے تو ایک تعویذ لکھا، پھر کچھ سوچ کر بولے ۔۔ تم اُس مردود سے کام کیوں نہیں لیتے۔" چنانچہ اُن کی ہدایت کے مطابق میں اگلے روز ایک ہل اور دو بیل فالتو لے گیا۔ رات کو وہ آیا۔ میں نے اپنا ہل اٹھایا۔ بیل جوتے۔ اُس نے فوراً دوسرا ہل لیا اور بیل جوت لیے۔ میں نے ہل چلانا شروع کر دیا۔ اس نے بھی یہی کیا غرضیکہ رات بھر ہم دونوں نے خوب ہل چلایا۔ علی الصبح وہ واپس چلا گیا۔۔۔ میں نے اس سے ہل چلوایا، فصل کٹوائی، اناج نکلوایا، بوریوں میں بند کروایا۔ پھر اچانک نہ جانے اُسے کیا ہو گیا۔ شاید کسی بھوت نے اُسے پٹی پڑھا دی، کچھ اور ہو گیا۔ اُس کے تیور بدل گئے، وہ میری طرف گھور گھور کر دیکھتا۔ میرے قریب آنے کی کوشش کرتا۔ میں پیر صاحب کے پاس گیا۔ انہوں نے پہلے تو تعویذ لکھا، پھر کچھ سوچ کر تعویذ واپس لے لیا اور مجھے ایک تجویز بتائی۔ اس پر میں نے عمل کیا، شام کو میں نے دو گڑھے کھود دیے۔ ایک میں خوب انگارے دہکائے، دوسرا یونہی رہنے دیا۔ دونوں میں ایک ایک اینٹ دبا دی اور اُوپر سے راکھ چھڑک دی تھی۔ رات کو وہ آیا۔ میں نے اُس سے خوب کام لیا۔ پھر میں نے انگڑائی لی۔ اس نے بھی انگڑائی لی۔ میں بولا ۔۔ بھئی اب تو آرام کرنا چاہیے۔ وہ اسی طرح بولا ۔۔ بھئی اب تو آرام کرنا چاہیے۔

میں نے راکھ ہٹا کر ٹھنڈی اینٹ نکالی اور اس پر بیٹھ گیا۔ اُس نے بھی اسی طرح کیا۔ دہکتی ہوئی اینٹ پر بیٹھ کر اُس نے ایک فلک شگاف نعرہ لگایا اور جو وہاں سے غائب ہوا ہے تو پھر کبھی نہیں آیا۔"

باورچی بولا ــ "جہاں میں پہلے ملازم تھا وہاں حویلی میں ایک بھوت رہتا تھا۔ اس سے کوئی ڈرتا ہی نہ تھا۔ بچے تک اس کا مذاق اڑاتے۔ جب وہ ڈرانے کی کوشش کرتا تو اُسے جھڑک دیا جاتا کہ کیوں بیکار شور مچا رہے ہو۔ ناحق اپنا وقت بھی ضائع کر رہے ہو اور ہمارا بھی۔ کبھی کبھی اُسے چائے کی دعوت دی جاتی۔ بھوت رات گئے میرے پاس آتا اور اپنی اس درگت پر آٹھ آٹھ آنسو رویا کرتا۔ سب سے زیادہ غم اُسے اس بات کا تھا کہ قاعدے کی رُو سے اس سے سب کو ڈرنا چاہئے تھا اور بحیثیت ایک بھوت کے اُسے نہایت ظالم اور سخت دل ہونا چاہئے تھا۔ اُس نے کئی مرتبہ خودکشی کی کوشش بھی کی۔ آخر میں نے ایک روز سنا کہ بیچارہ کہیں شرم سے سمندر میں ڈوب کر مر گیا۔"

"ایک بھوت ہمارے چپراسی پر بھی تو سوار ہے۔"

"یہ فرضی بیمار ہے۔" رستم بولا ــــ "اس کا مرض فرضی ہے۔ اس لیے اس کا علاج بھی فرضی ہونا چاہیئے۔ جب سب چلے جاتے ہیں تو یہ بالکل تندرست ہو جاتا ہے۔ ساری دوائیاں کہیں اِدھر اُدھر پھینک دیتا ہے اور علی الصبح اٹھ کر ورزش کرتا ہے تاکہ سارا دن لیٹے رہنے سے کہیں صحت خراب نہ ہو جائے۔"

"تو کیا یہ جھوٹ بولتا ہے۔" ہم حیران ہو گئے۔

"بالکل! ــ لڑکو، دنیا میں جھوٹ ایک نہایت اہم چیز ہے، اس کے بغیر گذارا مشکل ہے۔ اب تم جھوٹ بولتے ہو تو تمھیں تھوڑا سا افسوس ہوتا ہے۔ آہستہ آہستہ یہ افسوس غائب ہو جائے گا اور تم بے دھڑک کھلم کھلا جھوٹ بولا کرو گے۔ صبح سے جو جھوٹ بولنا شروع کرو گے تو شام تک سراسر جھوٹ بولو گے۔ حیوانوں سے جھوٹ بولو گے۔ انسانوں سے جھوٹ بولو گے۔ یہاں تک کہ

خدا سے بھی جھوٹ بولنے کی کوشش کروگے ــــ"

کچھ دیر میں ڈاکٹر صاحب کی کار آگئی۔ وہ مریض کو دیکھنے آئے تھے۔ ہم نے تہیہ کرلیا کہ اب اس مریض کو شفا دلا کر ہی چھوڑیں گے۔ ہم نے ڈاکٹر صاحب کو سلام کیا۔ روفی بولے۔ جناب مریض کی طبیعت اس قدر خراب ہے کہ وہ آپ سے ملنا نہیں چاہتا۔

"آج تمہارا ٹمپریچر کتنا تھا؟" ڈاکٹر صاحب نے مریض سے پوچھا۔

"ایک سو چھ کے قریب تھا۔

"اس قدر زیادہ؟"

"کہیں تم نے تھرمامیٹر سے چائے میں شکر تو نہیں ہلائی؟" روفی بولا۔

"تم نے ہدایت کے مطابق دوائی پی تھی؟" ڈاکٹر صاحب نے سوال کیا۔

"جناب انہوں نے بوتل پر لکھی ہوئی ہدایت پر عمل کیا ہے کہ کارک کو مضبوطی سے بند رکھو" روفی بولے۔

جب ڈاکٹر صاحب نسخہ لکھ رہے تھے تو روفی بڑی سنجیدگی سے منہ بنا کر کہنے لگے: "جناب اگر فرصت ہو تو مجھے بھی ملاحظہ فرمائیے۔ میں ہمیشہ تندرست رہتا ہوں۔ آج تک بیمار نہیں ہوا۔ یہاں تک کہ مجھے معمولی سا نزلہ زکام بھی نہیں ہوا۔ بعض اوقات تو بہت ڈرتا ہوں کہ کہیں میرے نظام میں کوئی خرابی تو نہیں ہے۔"

ہم علی الصبح اٹھے۔ کھڑکی سے جھانک کر دیکھتے ہیں تو مریض صاحب کمرے میں ورزش کر رہے ہیں۔ چھلانگیں لگائی جا رہی ہیں، ڈنڑ پیلے جا رہے ہیں۔ ہم نے اندر جا کر ان سے صاف صاف کہہ دیا کہ مولانا یا تو آج صبح سے اپنا ٹیلیفون، وہ نالائق طوطا اور ملاقاتیوں کو سنبھالو، ورنہ ہم سب سے کہہ دیں گے۔ آدمی سمجھدار تھا فوراً تندرست ہو گیا۔

اگلے ہفتے ماسٹر صاحب کے ہاں چوری ہوگئی۔ ان کا کنبہ چند دنوں سے کہیں گیا ہوا تھا۔ اس رات وہ خود بھی کہیں مدعو تھے۔ گھر خالی تھا۔ کوئی موقع پا کر بالکل صفائی کر گیا۔ صبح کو ہم ان کے

مکان پر گئے ——— روفی نے بڑے غور سے سب کچھ دیکھا۔ پھر بولے ———
"گھبرانے کی کوئی بات نہیں۔ خوش قسمتی سے ہم اِن دنوں سراغرسانی کی کہانیاں پڑھ رہے ہیں۔"
ہم دونوں نے مشورہ کیا۔ ماسٹر صاحب سے بالکل تھانیدارانہ انداز میں سوال پوچھے۔ پاؤں کے نشان دیکھے، مکان کو اِدھر اُدھر سونگھا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ ایک سیاہ رنگ کی بلّی جو برآمدے میں بندھی ہوئی تھی پکڑ لی گئی۔ یہ بلّی موقعہ پر موجود تھی۔ اُس نے چور کو دیکھا تھا۔ بلّیاں سمجھدار ہوتی ہیں۔ انکی آنکھیں رات کو چمکتی ہیں۔ وہ اندھیرے میں بخوبی دیکھ سکتی ہوں گی۔ یہ چور کو پہچان سکتی ہے۔ اگر اس نے چور کو دیکھا تو غرائے گی، پنجہ مارے گی یا کسی اور طرح خفگی کا اظہار کرے گی۔ ہم اسے آس پاس سڑکوں پر ساتھ لیے پھریں گے ——— چور بھی نزدیک ہی رہتا ہوگا۔ یہ کسی بھیدی کا کام تھا۔
شام کو ہم جھیل کے کنارے بیٹھے مچھلیاں پکڑ رہے تھے۔ دراصل ہم نے کانٹوں میں مچھلیاں پہلے سے لگائی ہوئی تھیں ——— پانی میں ڈور تھی اور ڈور کے سرے پر مچھلی۔ یہ رستم کے لیے کیا تھا۔ اتنے میں اُسے مچھلیاں پکڑ کر دکھا دیں گے ——— وہ ہمیں لینے آیا، چوری کی باتیں شروع ہو گئیں۔
ہمارا خیال تھا کہ لوگ محض دوسروں کو پریشان کرنے کے لیے چوری کرتے ہیں اور یہ ایک قسم کا مذاق ہے۔ وہ ہمیں بتانے لگے کہ لوگ اسلیئے چوری نہیں کرتے بلکہ دوسروں کی چیزوں پر قبضہ جمانے کیلئے کرتے ہیں اور پھر اُن چیزوں کو کبھی واپس نہیں لوٹاتے ——— اور یہ انسان کی ہوس ہے جو چوری کرنے کے لیے اکساتی ہے۔ کئی لوگ بڑی بڑی چوریاں بھی کرتے ہیں ——— انسانوں کو چرا لیتے ہیں زمین کے بڑے بڑے خطّوں، براعظموں کو چرا لیتے ہیں۔"
اتنے میں شڑپ سے آواز آئی ——— "یہ آواز سنی تم نے؟" ہم دونوں چلّا کر بولے ——— "یہ مچھلی تھی۔"
پھر میں نے ایک جھٹکے کے ساتھ ڈور کھینچی اور مچھلی باہر نکال لی۔ روفی نے بھی یہی کیا۔
"تم دیکھتے جاؤ، کچھ دیر میں یہاں مچھلیوں کے ڈھیر لگ جائیں گے ——— تب تو تمھارا شبہ رفع ہو جائے گا۔" ہم نے کہا۔

پھر ہم دوسرے کنارے کی باتیں کرنے لگے کہ جب کبھی ہم وہاں گئے تو رستم کو بھی ساتھ لے جائیں گے ـــــــ وہ مسکرا کر بولا، لڑکو یہ خود فریبی کی نیلی جھیلیں اور دوسرے کنارے عمر بھر پیچھا نہیں چھوڑتے ـــ ہم زندگی بھر اپنے آپ کو فریب دینے کی کوشش میں رہتے ہیں ـــ یہ یقین دلانے کی کوشش میں کہ جو چیز وہاں نہیں ہے وہ وہاں ہے ۔ آج تم نے وہ مری ہوئی مچھلیاں اپنے کانٹوں میں اس لیے لگائی تھیں کہ تمھیں اب تک یقین ہے کہ دنیا جھوٹی ہے اور تمھارا تصور سچا ہے دوسرے کنارے کے متعلق تم نے کیسے سہانے خیالات دل میں بسا رکھے ہیں۔ میں وہاں کئی مرتبہ گیا ہوں۔ وہ کنارہ بالکل ویران ہے، اس کنارے سے بھی بُرا ہے ـــ میری مانو تو تم کبھی اس طرف مت جانا۔ ورنہ تمھیں افسوس ہوگا ـــ دوسرا کنارہ بس دور ہی سے اچھا لگتا ہے ۔"

باری باری بلّی پر ہماری ڈیوٹی لگی۔ رات کو میری ڈیوٹی تھی۔ صبح اٹھ کر دیکھتا ہوں تو بلّی غائب ہے۔ بہتیرا ڈھونڈا مگر نہ ملی۔ روفی سو رہے تھے۔ میں باہر بھاگا کہ کہیں ایسی ہی کالی بلی مل جائے تو پکڑ لاؤں یوں تو بلّیاں باہر بھی بہت سی تھیں لیکن اُن میں سیاہ ایک بھی نہیں تھی۔ میں دعا مانگ رہا تھا۔ کہ یا الٰہی کہیں سے ایک سیاہ بلّی بھیج۔ لوگ کہتے ہیں کہ بچوں کی دعائیں بہت جلد قبول ہوتی ہیں ـ لوگ سچ کہتے ہیں۔ میں نے سڑک پر ایک آدمی دیکھا۔ جس کے ہاتھ میں تھیلا تھا اور تھیلے میں میاؤں میاؤں ہو رہی تھی۔ اُس سے پوچھا۔ وہ بولا ـــ اس میں کوئی پندرہ سولہ بلیاں بند ہیں۔ میں اُن سے تنگ آچکا ہوں اور انھیں کہیں دُور چھوڑنے جا رہا ہوں۔ میں نے اس سے کہا کہ اگر وہ ایک سیاہ بلّی مجھے نکال دے تو میں اُس کا احسان عمر بھر نہ بھولوں گا۔ اُس نے تھیلے میں ہاتھ ڈالا پہلی بلّی سفید تھی اسے واپس پھینک دیا۔ دوسری چتکبری نکلی، تیسری بھوری، چوتھی بادامی، اُدھر میرا برا حال تھا۔ کسی کالی بلّی کے دیدار کے لیے آنکھیں بیتاب ہو رہی تھیں، خدا خدا کر کے سیاہ بلّی نکلی اور میں لے کر بھاگا۔ روفی کے جاگنے سے پہلے ایک سیاہ بلّی وہیں بندھی ہوئی تھی۔

"یہ بلّی دو تین دنوں میں کتنی موٹی ہوگئی ہے" ـــــ وہ بولے۔ واقعی یہ نئی بلّی گذشتہ بلّی سے بڑی تھی۔ تیسری رات یہ بلّی بھی بھاگ گئی۔ بدقسمتی سے اس رات بھی میری ڈیوٹی تھی۔ میں بڑا گھبرایا۔ اگر رونی کو پتہ چل گیا تو جان کھا جائیں گے۔ مجھے صبح تک نیند نہ آئی۔ علی الصبح پڑوس میں گیا۔ اُن کے ہاں ایک سیاہ بلی رہتی تھی۔ وہ اُن سے ادھار مانگی۔ پہلے تو وہ متعجب ہوئے۔ غالباً پہلی مرتبہ کوئی بلی ادھار مانگنے آیا تھا۔ پھر انہوں نے اس شرط پر بلّی دی کہ میں تیسرے دن واپس لوٹا دوں۔ ساتھ ہی اس کے ناشتے، لنچ اور ڈنر کے متعلق ہدایتیں کیں کہ ناز و نعم میں پلی ہوئی ہے۔ کہیں دبلی نہ ہو جائے۔ یہ بلی بہت موٹی تھی۔ اسے دیکھ کر رونی بولے ـــــ "بھئی یہ بلّی تو روز بروز موٹی ہوتی جا رہی ہے" ـــــ حالانکہ پہلی بلیّوں کو سارا سارا دن بھوکا رکھا جاتا تھا۔ یہ بلّی عجب شان سے رہتی تھی۔ خوشامدیں کرا کے کھانا کھاتی۔ ذرا ذرا سی بات پر برا مان جاتی اور دیر تک روٹھی رہتی۔ آتے ہی اُس نے رونی کے ابا پر پنجہ اٹھایا۔ اور رونی سوچنے بیٹھ گئے کہ سراغ رسانی کے قواعد کے مطابق تو ان پر شبہ کرنا چاہیئے پھر بولے ـــــ محض پنجہ اٹھانے سے شبہ نہیں کیا جا سکتا۔ بلی کو کچھ اور بھی کرنا چاہیئے۔ شام کو ماسٹر صاحب آئے ان پر بلّی نے نہ صرف پنجہ اٹھایا بلکہ آنکھیں بھی دکھائیں اور دانت بھی نکالے۔ تو گویا ماسٹر صاحب نے خود اپنا سامان چرایا تھا۔ اُن کے پوچھنے پر ہم نے تفصیل بتائی۔ وہ بولے ـــــ "تم ناحق اپنا وقت ضائع کر رہے ہو، جو کچھ ہونا تھا ہو چکا۔ بھلا بلیوں سے بھی کبھی سراغ نکلے ہیں۔"

"اور اگر سراغ نکل گیا تو ـــــ؟"

"تو شرط رہی جو کچھ تم کہو گے کروں گا۔"

تیسرے روز مجھے وہ بلّی واپس کرنی پڑی۔ نئی بلّی کی تلاش میں پھر مارا مارا پھرا۔ بڑی مصیبتوں سے ایک لڑکے سے ایک روپے میں ایک مریل سی کالی بلی خریدی

اسے دن بھر تو میں نے چھپائے رکھا رات کو روفی نے دیکھا تو بڑا افسوس ظاہر کیا ـــــــ "آئے ہائے ـــــ بیچاری بلّی ـــــ یہ اسے کیا ہوگیا ـــ یکلخت اتنی دبلی کیسے ہوگئی ؟"

ہمیں جب فرصت ملتی ۔ بلّی کو لے کر باہر نکل جاتے ـــــ اسی امید پر کہ چور اب ملا ـــ اب ملا۔

اور پھر خدا کا کرنا کیا ہوا ۔ اسی مریل سی بلّی نے جو اس قدر صلح پسند اور خاموش طبیعت تھی ۔ سب کے سامنے رسّی تڑا کر چھلانگ لگائی اور چپراسی کے اوپر سوار ہوگئی ۔ یہ وہی چپراسی تھا جس نے کچھ عرصہ پہلے اپنے عجیب و غریب مرض سے شفا پائی تھی ۔

بلّی اسے نوچے ڈالتی تھی ۔ پنجے مار رہی تھی ۔ غرا رہی تھی ـــــ ہم نے بمشکل اُسے چھڑایا ۔ بلّی کی اس حرکت پر سب کو چپراسی پر شبہ ہوگیا ۔ جب اُسے ڈرایا دھمکایا گیا تو وہ مان گیا کہ اُس نے چوری کی تھی ۔ اگلے روز تک ماسٹر صاحب کی سب چیزیں واپس مل گئیں ۔ ہماری بڑی تعریفیں ہوئیں ۔ بلّی کی بھی تعریفیں ہوئیں ۔ ہماری سراغ رسانی کو سراہا گیا ۔ ہماری تصویریں بلّی کے ساتھ اتاری گئیں ۔

اور حقیقت کا صرف مجھے علم تھا ۔ بلّی کے متعلق بھی اور چور کے متعلق بھی ـــ چور تو محض اپنی بد قسمتی سے پکڑا گیا ۔ ہوا یوں کہ بلّی دو دن سے بھوکی تھی ۔ اُدھر وہ سیدھا باورچی خانے سے نکلا تھا ۔ جب وہ بلّی کے سامنے سے گزرا تو اس میں سے پلاؤ اور بھنے ہوئے گوشت کی خوشبو بڑی طرح آرہی تھی ـــ بلّی نے جو کچھ کیا ۔ وہ سراغ رسانی کے سلسلے میں نہیں کیا ۔ بھوک سے تنگ آکر کیا ۔

میں اور روفی باغ میں بیٹھے تھے ۔ سامنے پھلوں کا ڈھیر لگا ہوا تھا ۔ ہمارے ذمّے یہ کام لگایا گیا تھا کہ ہم چھانٹ کر کچّے پھل الگ کر دیں اور پکّے الگ ۔

روفی بڑے غور و خوض سے چھانٹ رہے تھے۔ ایک ایک پھل پر بڑی دیر لگاتے تھے۔ میں نے پوچھا۔ بولے ——— "یہ انتخاب ہے جو مجھے مارے ڈالتا ہے ——— جانتے نہیں ہم آج کل کس قسم کی کہانیاں پڑھ رہے ہیں۔"

"میرے خیال میں پھل چکھ کر چھانٹے جائیں ———" میں نے مشورہ دیا۔ ہم نے پکے پھل کھانے شروع کر دیئے۔ ماسٹر صاحب تشریف لے آئے۔ وہ ہمارا شکریہ ادا کرنے آئے تھے ——— "لڑکو! میں شرط ہار گیا ——— بتاؤ میں کیا کروں؟"

"آپ پچاس مرتبہ خوشخط لکھئے کہ میں ہار گیا ———" روفی بولے اور ماسٹر صاحب نے سچ مچ لکھ دیا۔

مجھے وہ دن بھی یاد ہے جب رُوفی اور میں جھیل کے کنارے لمبی لمبی گھاس میں بیٹھے تھے۔ رات کو بارش ہوئی تھی۔ صبح بالکل صاف طلوع ہوئی۔ خنک ہوائیں چل رہی تھیں۔ فضا میں بادل تیر رہے تھے۔ جھیل کے نیلے پانی پر ہلکی ہلکی دھند چھائی ہوئی تھی۔ ہر چیز میں نکھار تھا۔ تازگی تھی۔ یوں معلوم ہو رہا تھا جیسے دنیا ابھی ابھی تخلیق ہوئی تھی۔

ہم کہانیاں پڑھتے رہے، باتیں کرتے رہے۔ کھیلتے رہے۔ زقندیں بھرتے ہوئے پرندوں اور ناچتی ہوئی تتلیوں کو دیکھتے رہے۔ ہماری ڈوریں پانی میں تھیں۔ دن بھر ہمیں مچھلیوں کا انتظار رہا۔ ہم انہیں بھوننے کا سامان لائے تھے۔ دن ڈھلے رستم ہمیں لینے آیا۔ ایسے خوشنما نظارے کو دیکھ کر وہ بھی ہمارے ساتھ بیٹھ گیا اور عجیب عجیب سی باتیں سنانے لگا۔ جب رستم ایسی باتیں کرتا تو وہ ہمیں بالکل اچھا نہ لگتا ——— وہ بڑی سنجیدہ قسم کی باتیں کر رہا تھا کہ کیا ہو جو زندگی اسی خود فراموشی اور خود فریبی میں گزر جایا کرے۔ اسی طرح مسکراتی ہوئی

گزر جایا کرے ـــــ لیکن یوں نہیں ہوتا ـــــ کوئی کتنی ہی کوشش کرے ایسا ہرگز نہیں ہوتا ـــــ ان خوابوں سے چونکنا پڑتا ہے ـــــ وہ ہمیں کہنے لگا ـــــ لڑکو تم بڑے ہوگے تو تمھیں افسوس ہوگا ـــــ جوں جوں تمہارا تجربہ بڑھتا جائے گا۔ تمہارے خیالات میں پختگی آتی جائے گی۔ یہ افسوس بھی بڑھتا جائے گا ـــــ یہ خواب بھی پھیکے پڑتے جائیں گے۔ تب اپنے آپ کو فریب بھی نہ دے سکو گے۔ بڑے ہو کر تمھیں معلوم ہوگا کہ زندگی بڑی مشکل ہے۔ جینے کے لیے مرتبے کی ضرورت ہے۔ عزّت کی ضرورت ہے۔ عزت کے لیے روپے کی ضرورت ہے ـــــ اور روپیہ حاصل کرنے کے لیے مقابلہ ہوتا ہے۔ مقابلے میں جھوٹ بولنا پڑتا ہے، دھوکہ دینا پڑتا ہے، غداری کرنی پڑتی ہے ـــــ یہاں کوئی کسی کی پروا نہیں کرتا۔ دنیا میں دوستی، محبت، انس ـــــ سب رشتے مطلب پر قائم ہیں۔ محبت آمیز باتوں، مسکراہٹوں، مہربانیوں، شفقتوں ـــــ ان سب کی تہہ میں کوئی غرض پوشیدہ ہے۔ یہاں تک کہ خدا کو بھی لوگ ضرورت پڑنے پر یاد کرتے ہیں اور جب خدا دعا قبول نہیں کرتا تو لوگ دہریئے بن جاتے ہیں۔ اسکے وجود سے منکر ہو جاتے ہیں۔ اور دنیا کو تم کبھی خوش نہیں رکھ سکتے۔ اگر احمق ہوئے تو دنیا تم پر ہنسے گی، تمھارا مذاق اڑائے گی۔ اگر عقلمند ہوئے تو حسد کرے گی۔ اگر تم الگ تھلگ رہے تو تمھیں چڑچڑا اور مکار گردانا جائے گا۔ اگر تم ہر ایک سے گھل مل کر رہے تو تمھیں ـــــ ـــــ خوشامدی سمجھا جائے گا۔ اگر تم نے سوچ سمجھ کر دولت خرچ کی تو تمھیں پست خیال اور کنجوس کہیں گے اور اگر فراخ دل ہوئے تو بے وقوف اور فضول خرچ۔ عمر بھر تمھیں کوئی نہیں سمجھے گا، نہ سمجھنے کی کوشش کرے گا۔ تم ہمیشہ تنہا رہو گے۔ حتیٰ کہ ایک دن آئے گا اور تم چپکے سے اس دنیا سے

بے بی

اس مرتبہ جو میں نے ایک اونچے پتھر سے چھلانگ لگائی تو ندی کی تہہ سے ایک چمکیلا گول پتھر لایا ہوا خنک تھی اور پانی سے باہر نکلتے وقت سردی لگتی تھی۔ اس لیے میں تیرتا ہوا پانی کے بہاؤ کے ساتھ نیچے چلا گیا۔ درختوں کے جھنڈ میں ایک جگہ پھولدار بیلیں ندی پر جھکی ہوئی پانی کو چھو رہی تھیں۔ میں نے غوطہ لگایا اور دُور جا کر نکلا۔ دیکھتا ہوں کہ بالکل سامنے پتھر پر ایک بُوڑھا شخص بیٹھا ہے۔ اس کے منہ میں لمباسا پائپ تھا اور ہاتھ میں مچھلیاں پکڑنے کی بنسی۔ مجھے دیکھ کر مسکرایا۔ مجھے یاد آ گیا میں اسے ہر روز کہیں نہ کہیں ضرور دیکھتا تھا۔

"ایک غوطہ میرے لیے لگاؤ" — وہ بولا۔ "اس پتھر کے نیچے کئی مچھلیاں شرارتاً چھپی ہوئی ہیں ذرا انہیں باہر نکال دو۔"

میں نے غوطہ لگایا۔ کافی تلاش کی نیچے کوئی مچھلی نہیں تھی۔ باہر نکل کر اُسے بتایا۔ وہ بہت ہنسا۔ بولا — میرے پاس نہایت مزیدار سینڈوچ ہیں۔ ایک تم بھی چکھو۔

میں اس کے پاس جا بیٹھا۔ اُس نے ایک بڑی سی سینڈوچ مجھے دی، ایک خود کھانے لگا وہ کافی بوڑھا تھا۔ اس کی عمر کا صحیح اندازہ لگانا مشکل تھا۔ کیونکہ اسکے چہرے پر بلا کی تازگی اور شگفتگی تھی۔ مسکراہٹ تھی کہ پھوٹی پڑتی تھی۔ اُس نے بڑے شوخ کپڑے پہن رکھے تھے۔ اس کے ہیٹ میں ایک خوشنما پَر لگا ہوا تھا۔

"آج میں نے رنگ برنگی تتلیاں پکڑی ہیں ۔ شام کو میں انہیں البم میں لگاؤں گا۔ یہ دیکھو۔" اُس نے مجھے تتلیاں دکھائیں۔

"آپ کے پاس تتلیوں کا البم ہے؟" میں نے بڑے شوق سے پوچھا۔

"ہاں ۔ اور پھولوں کا البم بھی ہے ۔ پرندوں کے رنگین پروں کا البم بھی۔ میرے ہیٹ میں جو پَر لگا ہوا ہے۔ اس سے کہیں خوشنما پَر البم میں ہیں۔"

میں اکثر اُسے جنگلوں میں پھرتے دیکھتا تھا۔ وہ ہمیشہ تنہا ہوتا۔ اُس کے ہاتھ میں تتلیاں پکڑنے کا جال ہوتا اور گردن میں کیمرہ اور تھیلا۔ چہرے پر ایک دلکش مسکراہٹ۔

ہم باتیں کرتے کرتے واپس اس جگہ آگئے۔ جہاں میرے کپڑے رکھے تھے۔ اس نے میرا بلیزر دیکھا۔

"یہ کرکٹ کا کلر تمھیں کب ملا؟"

"چند مہینے ہوئے۔"

"تب تو تم بہت اچھے کھلاڑی ہو گے۔ بولر ہو یا بیٹسمین؟"

"بولر ہوں۔"

"سلو یا فاسٹ؟"

"فاسٹ۔"

میں نے کلر جیتنے کی ساری داستان سنائی۔ کچھ جھوٹ کچھ سچ۔ اُس نے بڑی

دلچسپی سے سب کچھ سنا۔

"مجھے بھی کرکٹ کا خبط ہے۔ لیکن میں کبھی اسے سیکھ نہ سکا۔ مجھے بولنگ سیکھنے کا تو بیحد شوق ہے۔ کیا تم مجھے سکھا دوگے۔؟"

میں نے اس کی طرف دیکھا۔ بھلا اس عمر میں بولنگ سیکھنے کا کیا فائدہ۔ لیکن بڑی سنجیدگی سے اُس نے دوبارہ یہی سوال کیا۔

"آپ کو تھوڑی بہت تو آتی ہوگی۔"

"نہیں بالکل نہیں آتی۔ لیکن سکھاؤ گے تو بہت جلد سیکھ جاؤں گا۔ میرے پاس چند بلّے اور گیندیں ہیں۔ جال اور وکٹیں یہاں نہ مل سکیں تو سری نگر سے منگا لیں گے۔"

ہم دیر تک باتیں کرتے رہے۔ اُس نے بتایا کہ وہ انگریز ہے۔ آسٹریلیا سے یہاں آیا تھا۔ ہندوستان میں کافی دنوں سے ہے۔ گلمرگ میں اکیلا آیا ہے۔ اسے کرکٹ کا نہایت شوق ہے اس نے انگلینڈ اور آسٹریلیا کے بڑے بڑے ٹسٹ میچ دیکھے ہیں۔ کئی مشہور کھلاڑیوں کو جانتا بھی ہے۔ میں نے بریڈمین اور لاورلی کے متعلق بے شمار سوال پوچھے۔ پھر میں نے ہندوستانی کھلاڑیوں کی باتیں سنائیں، اچھے اچھے میچوں کا ذکر کیا۔ میرا ہوٹل پہلے آتا تھا۔ میں نے اسے چائے پر ٹھہرا لیا۔ چائے کے بعد اُسے اپنے البم دکھائے اور پرندوں کے تھوڑے سے رنگین پَر۔

طے ہوا کہ اگلے روز ـــــ ہم اکٹھے تتلیاں پکڑنے چلیں۔ تصویریں بھی اتاریں گے اور کہیں ایک آدھ مچھلی مل گئی تو اُسے بھی پکڑ لیں گے۔ پھر شام کو کرکٹ کے لیے میدان درست کیا جائے گا۔ میں اکیلا گلمرگ آیا ہوا تھا۔ سالانہ امتحان ہوا۔ اس قدر کٹھن اور طویل کہ ختم ہونے میں نہ آتا تھا ـــــ جس دن امتحان ختم ہوا۔ میں نے بستر باندھا۔ جب مجھے ہوش آیا میں گلمرگ میں تھا۔ ہوٹل میں ٹھہرا۔ اِدھر اُدھر دیکھا تو ایک بھی مانوس چہرہ نظر نہ آیا۔ بڑی مایوسی ہوئی۔ چند ہی دنوں میں بیزار ہو گیا۔ عجب تماشہ تھا کہ ایسی پُررونق جگہ میں میرا جی اُچاٹ

ہوا کہ وقت گزرنا مشکل ہو گیا۔ مجھے اُن دنوں کرکٹ کا کلر نیا نیا ملا تھا۔ اس لیے بلیزر پہننے کا اتنا شوق تھا کہ میں کوئی دوسرا کوٹ نہیں پہنتا تھا۔ صبح صبح بلیزر پہن کر نکل جاتا اور سارا دن اِدھر اُدھر پھرتا رہتا، شام کو آتا، بلیزر اُتار کر سو جاتا۔

اگلے روز ہم اکٹھے سیر کو گئے۔ دن بھر کرکٹ کی باتیں ہوتی رہیں۔ ہماری عمروں میں اس قدر نمایاں فرق تھا۔ پھر بھی ہم اتنی جلدی بے تکلف ہو گئے۔ شام کو اُن کی چھوٹی سی کوٹھی میں چائے پی گئی۔ سامنے ایک باغیچہ اور میدان تھا۔ اس میں ہم نے جگہ منتخب کی اور دیر تک زمین ہموار کرتے رہے۔ میں نے اُن کا نام پوچھا۔ نام بتا کر کہا ―"یہ نام تو لمبا ہے اور مجھے پسند بھی نہیں ہے۔ میرے دوست مجھے فرینکی کہتے ہیں۔ تم بھی فرینکی کہا کرو۔"

میں سوچنے لگا کہ فرینکی تو کوئی ہم عمر دوست ہی کہہ سکتا ہے، یہ مجھ سے اتنے بڑے ہیں، مجھے ان کا ادب کرنا چاہیے۔ انہوں نے اصرار کیا۔ آخر ایک مختصر سی بحث کے بعد طے ہوا کہ میں انہیں انکل فرینکی کہا کروں۔

انہوں نے البم دکھائے۔ اس قدر پیاری تتلیاں، رنگ برنگے پر، اور شوخ پھول ― ایسے خوبصورت مجموعے میں نے پہلے کبھی نہیں دیکھے تھے۔ پھر انہوں نے طرح طرح کی سیپیاں، گھونگے اور منکے دکھائے۔ میرے لیے یہ سب کچھ کسی خزانے سے کم نہ تھا۔

ہم نے دو دن صرف کر کے کرکٹ کھیلنے کے لیے موزوں جگہ بنالی۔ جال لگایا، وکٹیں گاڑیں، سبق شروع ہوئے۔ میں نے گیند پکڑنے کا طریقہ بتایا۔ قدم گن کر دکھائے۔ ہاتھ گھما کر گیند پھینک کر دکھائی۔ جب وہ اچھی طرح سمجھ گئے تب اُن سے کہا کہ اب آپ پھینکیے۔ میں بلّا پکڑ کر وکٹوں کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ اُن کی پہلی گیندیں تو مشکل مجھ تک پہنچ سکیں۔ چند گیندیں جال سے باہر نکل گئیں، کئی میرے سر کے اوپر سے گذر گئیں۔ مجھے اُن کے اسٹائل پر بڑی ہنسی آئی۔ یہ تو شاید ہی سیکھ سکیں۔

کئی دن تک یہی ہوتا رہا حتیٰ کہ میں بالکل نا اُمید ہو گیا۔ لیکن اُن کا جوش و خروش

بدستور تھا۔ وہ الٹی سیدھی گیندیں پھینک کر خوب ہنستے۔ ہنستے ہنستے ان کا چہرہ گلابی ہو جاتا ــــــــ وہ بے حد زندہ دل تھے۔ حالانکہ اُن کی عمر ایسی تھی کہ انھیں خاموش اور قنوطی ہونا چاہیے تھا لیکن نہ جانے کیوں اُن کی ایک ایک حرکت میں بچپنا تھا۔ بات بات میں شوخی تھی زندگی تھی۔

ہر روز ہم اکٹھے باہر جاتے درختوں پر چڑھتے۔ پرندوں کے گھونسلوں سے رنگین انڈے اور پر چرا تے تتلیوں کا تعاقب کرتے۔ خودرو پھول توڑتے۔ بھاگ بھاگ کر بے حال ہو جاتے۔ شام کو کرکٹ شروع ہوتی۔ میں گیند پھینکنے کی قسمیں بتاتا کہ کس موقعہ پر کیسی گیند پھینکنی چاہیے۔ اس کے بعد وہ عجیب اوٹ پٹانگ گیندیں پھینکنی شروع کرتے اور میں ہنس ہنس کے دُہرا ہو جاتا۔

ایک شام کو وہ بولے کہ آج کلب میں رقص ہے وہاں چلیں گے۔ میں نے معذرت کی کہ اوّل تو مجھے رقص کا کچھ اتنا شوق نہیں، دوسرے یہ کہ میں نے آج تک ڈانس نہیں کیا۔ تیسرے میں اس لباس میں کچھ عجیب سا معلوم ہوتا ہوں۔ وہ بولے۔ ڈانس تو میں ابھی سکھائے دیتا ہوں، رہ گیا لباس سو دیکھ لینا تم اس لباس میں ایسے جچو گے کہ ساری نگاہیں تم پر ہوں گی انہوں نے مجھے آسان سے سٹیپ بتائے۔ ایک ــ دو ــ تین ــ میں نے نقل اُتاری ـــــ ایک دو، تین۔

گراموفون پر ریکارڈ لگایا گیا اور وہ میرے ساتھ رقص کرنے لگے۔ مجھے ہنسی ضبط کرنا مشکل ہو گئی۔ ریکارڈ بج رہا ہے۔ ہم دونوں رقص کر رہے ہیں، ساتھ ساتھ ہدایتیں مل رہی ہیں ــــ تم مجھے اپنی پارٹنر سمجھو، میرا ہاتھ مت جھٹکو، میرے پاؤں مت کچلو، یوں منہ مت بناؤ، گھبراؤ مت۔

ذرا سی دیر میں میں سٹیپ سیکھ گیا۔ چلتے وقت میں پھر ہچکچانے لگا۔ وہ بولے ــ بھتیجے، زندگی میں یہ شام پھر کبھی نہیں آئے گی۔ زندگی بے حد مختصر ہے اور رنگین شامیں گنی گنائی ہیں۔

سمجھ لو کہ جو لمحہ گذر گیا پھر کبھی نہیں آئے گا۔ لو اب مسکرانے لگو۔"

انہوں نے میرے سر پر ہاتھ پھیر کر میرے بال اور بھی پریشان کر دیے۔ "یوں اچھے لگتے ہو۔"

کلب کے برآمدے میں پہنچکر وہ بولے ــــ "تم اس کھڑکی سے سب لڑکیوں کو دیکھ لو اور مجھے بتاؤ کہ کس کے ساتھ ناچوگے ــــ"

میں نے ایک سرے سے لڑکیوں کو دیکھنا شروع کیا ــــ یہ سیاہ گاؤن ــــ نہیں یہ شوخ بہت معلوم ہوتی ہے۔ یہ سنہری نیک لیس ــــ اس کی ناک بہت لمبی ہے، نزدیک جانے پر کہیں چبھ نہ جائے یہ سُرخ بالوں والی ــــ اس کی صحت ضرورت سے زیادہ اچھی ہے۔ یہ سبز ربن ــــ یہ بھی یونہی ہے اور پھر دفعتہً نگاہیں ایک چہرے پر جم کر رہ گئیں۔ یوں محسوس ہوا جیسے اُسے پہلے کہیں دیکھا ہے ــــــــ اس سنگ مرمر کے مجسمے کو پہلے کہیں دیکھا ہے۔

میرے کندھے پر ایک ہاتھ آ گیا ــــ "کون سی ہے؟" وہ پوچھ رہے تھے۔ میں نے اشارے سے بتایا۔ بولے ــــ "انتخاب کی داد دیتا ہوں، سچ پوچھو تو میری نگاہ بھی اسی پر تھی۔ اگر میں تمھاری عمر کا ہوتا تو اسی کو چنتا۔ اب تمھارے لیے مجھے اس کی بوڑھی استانیوں کے ساتھ ناچنا پڑے گا ــــ چلو اندر چلیں ــــ"

ہم اندر گئے اور سچ مچ بہت سی نگاہیں مجھ پر جم کر رہ گئیں۔ میرا تعارف کرایا گیا۔ پہلے دو معمر خواتین سے ــــ جو اس کی استانیاں تھیں۔ پھر اس سے ــــ اس کا نام روبی تھا ــــ ــــــ یہ چہرہ میں نے بارہا دیکھا ہے ان گلابی رسیلے ہونٹوں، ان شگفتہ رخساروں ان ساحر آنکھوں کو بار بار دیکھا ہے۔ لیکن یہ نام پہلی مرتبہ سنا ہے۔ ویسے میں اسے جانتا ضرور ہوں یہ موہنی صورت میں نے کئی مرتبہ خوابوں میں دیکھی ہے، تصوّر میں بسائی ہے۔

"اسے رقص کے لیے کہو۔" فرینکی میرے کان میں بولے۔
میں جھجکتا ہوا بڑھا۔ موسیقی شروع ہوگئی اور میں نے اُسے بازوؤں میں لے لیا۔
چاروں طرف ہلکی ہلکی روشنی تھی۔ مدھم سُروں میں بلیو ڈینیوب بج رہا تھا۔
ایک جھلمل جھلمل کرتی ہوئی ندی بہہ رہی تھی۔ شفاف نیلگوں پانی میں لہریں مچل رہی تھیں۔ بڑے بڑے کنول پھول ہکولے لے رہے تھے ہوا کے تیز جھونکے آئے اور پانی کی سطح پر ننھے منے رنگین پھول نکل آئے۔ یہ پھول بڑھتے گئے۔ پھر ان پر سُرخ تتلیاں آگئیں۔ اتنی ساری تتلیاں کہ سب کچھ سُرخ ہوگیا۔ پھر تتلیاں شعلے بن گئیں۔ چاروں طرف شعلے ہی شعلے لپکنے لگے۔ بادل گرجا، بجلی کوندی، ننھی ننھی بوندیں برسنے لگیں۔ شعلے غائب ہوگئے۔ چاند نکل آیا چاروں طرف چاندنی پھیل گئی۔ بادلوں کے ٹکڑے چاند کے سامنے سے گذر گئے۔ سفید سفید پرندوں کی قطاریں اڑتی ہوئی چلی گئیں۔ چاند آسمان کو عبور کرتا ہوا نیلے نیلے گنبدوں کے پیچھے چلا گیا۔ ٹمٹماتے ہوئے تارے طلوع ہوئے۔ اُن کی چمک بڑھنے لگی۔ اُن میں حرکت پیدا ہوئی۔ دیکھتے دیکھتے وہ ایک۔ دوسرے سے ٹکرا کر ٹوٹ گئے۔ تاریکی پھیل گئی، پھر کہیں سے جگنو آگئے۔۔ ایک جھنجھناہٹ کے ساتھ سارا طلسم ٹوٹ گیا — موسیقی تمام ہوئی — والز ختم ہوگیا۔ دفعتہً مجھے محسوس ہوا کہ میں ایک نیلے چاند کو بازوؤں میں لے کر فضاؤں میں پرواز کرتا رہا ہوں۔

"یہ میرا پہلا والز ہے۔" میں نے کہا۔
"یہ میرا بھی پہلا والز ہے۔" وہ بولی۔
میں کچھ کہنے کے لیے الفاظ تلاش کرنے لگا — "باہر بڑا اندھیرا ہے، نہ جانے چاند کب نکلے گا —"
"مجھے بھی چاند کا بڑا انتظار رہتا ہے — مجھے چاندنی بہت پسند ہے۔"
"بلیو ڈینیوب میری محبوب گت ہے۔"

"میری بلی۔"

موسیقی شروع ہو گئی۔ ہم رقص کرنے لگے۔ بدستور ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔

"معاف کیجیے، مجھے کچھ بھی نہیں آتا۔ نہ رقص کرنا آتا ہے۔ نہ باتیں کرنا آتی ہیں۔ نہ لباس پہننے کی تمیز ہے۔"

"جی، میں نے بھی رقص ابھی ابھی سیکھا ہے ـــــ یہ بھڑکیلا لباس مجھے بالکل پسند نہیں۔ میری سہیلیوں کا اصرار تھا کہ آج میں اپنے نام کے مطابق روبی رنگ کا لباس پہنوں ـــــ لیکن مجھے شوخ کپڑے ذرا نہیں بھاتے۔"

"آپ کو تو ہر لباس سج جائے گا۔"

اُس کی آنکھیں جھک گئیں۔

"آپ کے خدوخال مشرقی ہیں، یہ سیاہ آنکھیں، سیاہ بال اور محجوب نگاہیں ـــــ یوں معلوم ہوتا ہے جیسے کسی مشرقی محلسرائے سے کوئی شہزادی نکل آئی ہو۔"

"جی، یہ آنکھیں اور یہ بال میری امی کے ہیں، وہ ہسپانیہ کی ہیں۔ میرے ابا انگریز ہیں۔ میرے ساتھ کئی ہندوستانی لڑکیاں بھی آئی ہوئی ہیں۔ وہ اکثر مجھے ہندوستانی لباس پہنا دیا کرتی ہیں۔"

موسیقی شروع ہو گئی۔ لیکن ہم دونوں باہر برآمدے میں چلے گئے اور سیڑھیوں پر بیٹھ گئے۔ آسمان میں تارے بڑی تیزی سے چمک رہے تھے۔ ہلکی ہلکی روشنی ہو رہی تھی۔

اس نے مجھے بتایا کہ اُسے ہندوستان میں آئے تھوڑا سا عرصہ ہوا ہے۔ بمبئی میں اُس کے چچا ایک بہت بڑی فرم میں ہیں۔ وہ وہاں لڑکیوں کے کالج میں پڑھتی ہے۔ لڑکیوں کا ایک گروپ اُستانیوں کے ساتھ کشمیر آ رہا تھا۔ اُس کے چچا نے اُسے ساتھ بھیج دیا۔ اِن دنوں اُس کی امی اور ابا دوسرے ملکوں میں گئے ہوئے ہیں۔ بمبئی سے

گذرتے ہوئے اُسے چچا کے پاس چھوڑ گئے۔ بہت جلد وہ اُسے واپس آئرلینڈ بلائیں گے۔ اُسے ہندوستان بہت پسند آیا ہے۔ اُس کا جی چاہتا ہے کہ یہاں کچھ اور عرصہ رہے۔

ہم واپس ہال میں آئے تو بلیو ڈینیوب بج رہا تھا۔ میں نے کچھ دیر کے لیے جیسے کنول کے پھولوں کو ہاتھوں میں تھام لیا اور بلندیوں میں رقص کرنے لگا ——

جب روبی اپنی اُستانیوں اور سہیلیوں کے ساتھ چلی گئی تو ہال سنسان ہو گیا۔ فرینکی کی دیکھا دیکھی میں نے بھی شوخ کپڑے پہننے شروع کر دیئے۔ صبح صبح میں نے ایک نہایت شوخ چیک کی قمیض پہنی جس میں بے شمار رنگ تھے۔ رنگین پھولدار اسکارف گلے میں لپیٹا۔

فرینکی بولے —— "تمہارا قد، رنگ اور لباس —— تم بالکل کاؤبوائے معلوم ہوتے ہو۔ صرف ایک کاؤبوائے ہیٹ کی کسر ہے۔ وہ میں تمہیں دیئے دیتا ہوں۔"

انہوں نے ایک پھندے دار ہیٹ مجھے دیا۔ ہم گھوڑوں پر باہر نکلے۔ فرینکی بولے —— "بالکل کاؤبوائے —— ہو بہو کاؤبوائے —— یاہو ڈوڈو۔"

میں نے کاؤبوائے کی طرح چلا کر کہا —— "یپی یایی یی ——"

آبادی سے نکل کر انہوں نے پوچھا —— "تمہیں کاؤبوائز کے گانے آتے ہیں —— ؟"

"ہاں آتے ہیں ——" میں نے گانا شروع کیا۔ انھوں نے ساتھ دیا۔ گانے میں یہ بار بار آتا تھا۔

"یپی یایا یا یپی یا

پی پے پے پے پی پے ——"

——————— ایک جگہ ہم نے گھوڑوں کو باندھا اور خود تتلیوں کی تلاش میں نکل گئے۔ ایک جھنڈ میں دیکھتے ہیں کہ کئی لڑکیاں بیٹھی ہیں —— ارے یہ تو وہی ہیں یہاں رُوبی بھی ہوگی۔ روبی بھی تھی۔

اُستانیوں کے سامنے پتھروں کا چھوٹا سا ڈھیر تھا۔ غالباً معدنیات یا جمادات پر لیکچر ہو رہا تھا۔ ہم بھی اُسی جھرمٹ میں جا پہنچے۔ لیکچر ختم ہوا تو لنچ شروع ہوا۔ مجھے کہا گیا۔ میں نے معذرت کی۔

"لنچ نہیں کھاتے؟" اُستانیاں حیران ہو کر بولیں —"آخر کیوں؟"

"دیکھئے تو یہی کاؤ بوائے ہو کر لنچ نہیں کھاتا" —— فرینکی کہنے لگے۔ یہ کاؤ بوائے والا نام بہت پسند کیا گیا۔ جب رُوبی نے مجھے کیک کا ٹکڑا دیا تو میں انکار نہ کر سکا کیونکہ ہماری انگلیاں چھو گئیں۔

طے ہوا کہ اور آگے چلیں۔ اُستانیوں کو جغرافیے کے سلسلے میں کسی خاص قسم کے پتھروں کی تلاش تھی۔ بہت ڈھونڈا لیکن نہ مل سکے۔ ایک جھیل آئی۔ وہ کہنے لگیں شاید اس کی تہہ میں ہوں۔ اب سوال پیدا ہوا کہ تہہ سے نکالے کیونکر جائیں۔ فرینکی نے تھیلے سے تیرنے کا لباس نکالا اور مجھے دیا۔ میں جھیل میں کود گیا۔ تہہ میں پتھر تھے تو سہی۔ لیکن عجیب بے ڈھنگے اور بھاری۔ بڑی مصیبتوں سے ایک پتھر ہلایا۔ اس مرتبہ پانی میں اتنی دیر ٹھہرنا پڑا کہ دم ٹوٹنے لگا تھا۔ پتھر باہر لایا۔ معائنے کے بعد بتایا گیا کہ یہ کسی اور قسم کا پتھر ہے۔ میں نے پھر غوطہ لگایا۔ کئی مرتبہ کوشش کی۔ جب سردی لگنے لگی تو میں باہر نکل آیا۔ شام ہو چکی تھی۔ ہم واپس لوٹے۔ میں اور رُوبی پیچھے رہ گئے۔ میں نے اسے جی بھر کے دیکھا۔ جب کہیں مشکل سا راستہ آتا تو میں اُسے اپنے بازو سے سہارا دیتا۔ میں نے اسے پھول اِدھر توڑ کر دیئے۔ تھوڑی سی باتیں بھی ہوئیں۔

جب میں اور فرینکی گھوڑوں پر واپس جا رہے تھے تو وہ بولے — "یہ لڑکی تمہیں پسند کرتی ہے۔"

"کون سی لڑکی ؟"

"روبی۔"

"سچ مچ ؟"

"ہاں — اور شاید اور زیادہ پسند کرنے لگے۔"

"آپ کو کس نے بتایا ؟"

"اس کی نگاہوں نے — آج وہ تمھیں ایسی نگاہوں سے دیکھ رہی تھی کہ مجھے یقین ہو گیا جب تم نے غوطہ لگایا اور دیر تک اندر رہے تو وہ اتنی بے چین ہوئی کہ اگر تم کچھ دیر اور اندر رہتے تو وہ پانی میں کود جاتی۔"

"لیکن —"

"میں بڑا شریر بوڑھا ہوں بھتیجے — میں نے ایسے کھیل کئی مرتبہ کھیلے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ میں نے عمر کے یہ تیس بتیس سال یوں جھاڑ دیئے ہیں جیسے کوٹ کے کالر سے گرد جھاڑ دیتے ہیں — یوں چٹکی بجا کر — " "اس نے کچھ کہا ؟"

"ابھی تک تو نہیں کہا۔ عنقریب کہہ دے گی۔ لیکن یہ مت بھولنا کہ تم اتفاق سے ملے ہو، تھوڑے عرصے کے لیے، اس کی اور تمھاری راہیں مختلف ہیں۔ سفر میں کتنے مسافر ملتے ہیں اور بچھڑ جاتے ہیں۔ اسے سنجیدگی سے مت سوچنا۔ یہ یاد رکھنا کہ ہزاروں روبی آئیں، ہزاروں جائیں۔ لیکن تمھیں اتنی سی پروا نہ ہو۔ خوب ہنسو کھیلو، ایسے لمحوں کا پورا فائدہ اٹھاؤ۔ لیکن اپنی جان کو کبھی روگ نہ لگانا۔ جس دن تم نے کسی لڑکی کے فراق میں آہیں بھرنی شروع کر دیں۔ اس دن تمھارے انکل فرینکی تم سے خفا ہو جائیں گے۔"

اگلے روز ہم نے استانیوں اور لڑکیوں کو چائے پر بلایا۔ ہم نے کوٹھی سجائی، گلدانوں میں پھول لگائے روبی بھی آئی۔ اس نے ساری پہن رکھی تھی۔ ساری میں وہ ایسی پیاری معلوم ہو رہی تھی کہ بس۔ اُس نے سب کی نظر بچا کر انگلیاں ماتھے سے چھوا کر مجھے سلام کیا۔ میں نے اسی طرح جواب دیا۔ بولی ——" یہ ساری میری ایک سہیلی کی ہے، یہ سلام کرنا بھی اُسی نے سکھایا ہے۔ اگر میرے بال لمبے ہوتے تو میں دو چوٹیاں کرتی، جیسے میری سہیلی نے کی ہوئی ہیں۔ آپ نے دیکھا اُسے ؟"

"نہیں تو ——"

" وہ سامنے بیٹھی ہے ——"

" ہوگی ۔ جب تم سامنے ہو تو نگاہیں کسی اور جانب جاتی ہی نہیں ۔

میں نے اسے پھولوں کے گجرے دیئے کہ ہاتھوں میں پہن لو، بولی۔" ابھی تو بیڈمنٹن ہوگی پہنے تو پھول بکھر جائیں گے، جاتے وقت پہنوں گی۔"

چائے پر ہم آمنے سامنے بیٹھے۔ شاید بیڈمنٹن بھی ہوئی، تاش بھی ہوئی، کھیل بھی کھیلے گئے، مجھے بقیہ لڑکیوں سے بھی ملایا گیا —— مجھے اچھی طرح پتہ نہیں بس میں روبی کو دیکھ رہا تھا اور وہ مجھے، نظریں بچا کر، دزدیدہ نگاہوں سے، ترچھی نگاہوں سے۔

جاتے وقت اُس نے سر پر پلّو لے کر اسی طرح مجھے سلام کیا۔

فرنگی نے بتایا کہ استانیوں نے ہمیں چائے پر بلایا ہے ——" بھئی ان چھوکریوں نے تو ہمارا کرکٹ کا پروگرام خراب کر دیا۔ آج کہہ رہی تھیں کہ تماشہ دیکھنے سری نگر چلیں۔"

" پھر آپ نے کیا کہا ۔ ؟" میں نے بیتاب ہو کر پوچھا۔

" کیا کہنا تھا —— اپنے بھتیجے کے لیے جانا پڑے گا۔ وہاں ملنے کے موقع زیادہ مل سکیں گے۔ جانتے ہو محبت کی پہلی نشانی کیا ہے ؟" —— " کیا ہے ؟"

"دن میں دو مرتبہ شیو کرنا۔ اور آج تم نے دو مرتبہ شیو کیا ہے۔"

ہم دونوں سری نگر گئے۔ ڈل میں دو ہاؤس بوٹ لیے۔ ایک اُن سب کے لیے اور دوسرا اپنے لیے، میرے لیے ایک چھوٹی سی کشتی بھی لی گئی۔

سب سری نگر گئے۔ مصیبت یہ تھی کہ ساری لڑکیوں سے تعارف ہو چکا تھا۔ ہر ایک سے باتیں کرنی پڑتی تھیں۔ اُن کے ساتھ جانا پڑتا تھا۔

شام کو نمائش جانے سے پہلے فرنگی بولے ۔۔۔ "ان سب کو میں اپنے ساتھ رکھوں گا ۔۔۔ تم روبی کو ساتھ رکھنا اور ہم سے دور دور رہنا۔"

روبی نے شلوار قمیض پہن رکھی تھی۔ اُس کے مشرقی خدوخال پر یہ لباس ایسا سج رہا تھا کہ وہ آنکھوں میں کھبی جاتی تھی۔ جی چاہتا تھا۔ اس کے ماتھے پر سیاہ ٹیکا لگا دوں، اسے کسی کی نظر نہ لگ جائے۔ کہیں اسے میری ہی نظر نہ لگ جائے۔

ایک اسٹال پر قدِ آدم آئینہ تھا۔ میں نے اُسے آئینے کے سامنے کھڑا کر دیا "تمہیں کچھ اندازہ بھی ہے کہ تم کتنی پیاری معلوم ہو رہی ہو، ذرا اپنا عکس تو دیکھو۔"

"آج پہلی مرتبہ میں نے یہ لباس پہنا ہے۔"

"تم ایک خوبصورت سی چینی کی گڑیا معلوم ہو رہی ہو۔"

ایک جگہ میں نے اس کے لیے ہلکی ہلکی نازک چوڑیاں لیں جو اُس نے پہن لیں۔ پھولوں کے ہار لیے۔ پھر ایک تنہا گوشے میں ایک دوسرے کو دیر تک دیکھتے رہے۔ پتلا سا نوکدار چاند درختوں سے طلوع ہو رہا تھا۔

"روبی۔"

"جی!"

"اس لباس کے ساتھ تو تمہارا نام بھی ہندوستانی ہونا چاہیے۔"

"آپ رکھ دیجیے ۔۔۔ نیا نام ۔۔۔"

"رابعہ ___ روبی اور رابعہ سے یکساں بھی ہیں۔"

"رابعہ ___ میں اپنی سہیلیوں کو یہ نام بتاؤں گی۔"

اُس کے منہ سے رابعہ بڑا پیارا لگا۔

"میں نے بھی آپ کا نام رکھا ہے۔"

"کیا ___؟"

"ابھی نہیں، پھر کبھی بتاؤں گی۔"

میں نے ہار اسے دے دیئے ___ "تمہیں ہندوستانی پھولوں کی خوشبو ناپسند تو نہیں؟"

"جی نہیں، مجھے تو یہ خوشبوئیں بے حد پسند ہیں۔ ان میں ایک نامعلوم سا افسوں ہے، ایسا افسوں جو بھلائے نہیں بھولتا، جو بیان نہیں کیا جا سکتا۔"

"جو تمھاری آنکھوں میں ہے۔"

اُس نے شرما کر دونوں ہاتھوں سے چہرہ چھپا لیا۔ میں نے اس کے لیے آویزے لیے۔ وہ بولی ___ "ایسا قیمتی تحفہ میں نہیں لوں گی۔" میں نے اصرار کیا کہ یہ قیمتی ہرگز نہیں۔ بالکل معمولی سے ہیں۔ بولی۔ استانیاں پوچھیں گی۔ کہا ___ کہہ دینا کہ خود خریدے ہیں۔"

"لاؤ تمھیں آویزے پہناؤں ___" اس نے بہتیرا کہا کہ نہیں، پھر کبھی پہن لوں گی، میں نے چھوٹے ٹاپس پہن رکھے ہیں۔ لیکن میں نے کیل اتار کر آویزے پہنا دیئے۔

"اب تم سچ مچ رابعہ بن گئی ہو۔"

"بس میرے بال تراشیدہ ہیں۔ اگر یہ بڑے ہوتے تو میں ضرور دو چوٹیاں

کرتی ــــ تب میں بالکل ہندوستانی لڑکی دکھائی دیتی۔"

"تم اب بھی ہندوستانی معلوم ہوتی ہو۔ یہ تمھیں سر پہ پلّو رکھنا کس نے سکھایا ہے؟"

"کسی نے بھی نہیں، یونہی میرا جی چاہتا ہے کہ سر پہ پلّو رہے، کیوں اچھا نہیں لگتا کیا ــــ"

"بہت اچھا لگتا ہے۔"

جب نرینگی نے اشارہ کیا تو مجھے گروہ میں شامل ہونا پڑا۔

سہ پہر کو نرینگی بولے ــــ "آج شام کو کلب میں بوڑھوں اور بڑھیوں کا رقص ہے۔ سب پچاس سے اوپر ہوں گے۔ میں بھی مدعو ہوں۔ وقت گزارنا مشکل ہو جائے گا۔ میں بوڑھوں کی صحبت سے بہت گھبراتا ہوں۔ دونوں استانیاں میرے ساتھ جا رہی ہیں۔ ہم کافی دیر میں لوٹیں گے۔ لڑکیوں کو اِدھر اُدھر کر دو گے چاندنی رات ہو گی تم روبی کو کشتی میں لے جانا۔"

شام کو انہوں نے سب کو اس خوبی سے تتر بتر کر دیا کہ کسی کو پتہ نہیں رہا کہ کون کہاں ہے۔ میں کشتی لے کر نکلا، روبی کو ساتھ لیا۔ اُس نے رنگین لباس پہن رکھا تھا۔ رنگین دوپٹے میں گوٹے کا پلّو جگمگ جگمگ کر رہا تھا۔ کانوں میں وہی آویزے تھے اور ہاتھوں میں چوڑیاں۔

میں کشتی چلا رہا تھا اور وہ سامنے بیٹھی مجھے دیکھ رہی تھی۔ ذرا سی دیر میں ہاؤس بوٹ اور روشنیاں پیچھے رہ گئیں۔ سفیدے کے درخت آئے پھر سرو کے درختوں کی قطاریں۔

"میں بھی کشتی چلاؤں گی ــــ ایک چپو مجھے دے دیجیے ــــ" وہ میرے ساتھ آکر بیٹھ گئی۔

کچھ دیر ہم دونوں کشتی چلاتے رہے۔

"تم تھک گئی ہو گی ـــــ" میں نے اس کے گرد بازو حمائل کر کے چپو تھام لیا۔

"لائیے میں بھی آپ کی مدد کروں ـــــ" اُس نے میرا دوسرا ہاتھ تھام لیا۔ ہوا کے جھونکوں سے اس کے بال لہرا رہے تھے۔ بار بار اُس کی چوڑیاں بجتی تھیں۔

ہم دور نکل آئے۔

"کشتی کہاں ٹھہرائیں؟"

"اُس کنج میں جہاں چاند ٹہنیوں کے پیچھے چھپا ہوا ہے۔"

کشتی کنارے تک نہ پہنچ سکتی تھی۔ کنارے پر پانی تھوڑا تھا۔ میں پانی میں اتر گیا۔

"آؤ ـــ" میں نے بازو پھیلا کر کہا ـــ "کچھ دور تک پانی ہے۔"

اس نے دوپٹہ درست کیا اور شرماتی لجاتی میرے بازوؤں میں آ گئی۔ میں اسے کنارے پرلے آیا۔ ہم دونوں ہاتھ ڈال کر چلنے لگے۔ وہ ایک خوشنما کنج تھا۔ خوشبودار پھولوں نے سب کچھ مہکا رکھا تھا۔ سرو کے درخت چپ چاپ کھڑے تھے۔ چاروں طرف ایسی خاموشی تھی جیسے سب کچھ سو رہا ہو۔ کبھی کبھار کوئی جھینگر بول پڑتا۔ یا جھاڑیوں سے کوئی پرندہ نکل کر اڑ جاتا۔ ہم دونوں سبزے پر بیٹھ گئے۔ چاندنی میں پہلی مرتبہ میں نے اس کا چہرہ اتنے قریب سے دیکھا۔ میں نے اسے بتایا کہ اُس رات میں نے اُسے دیکھتے ہی پہچان لیا تھا۔ مجھے اس کا چہرہ بے حد مانوس معلوم ہوا۔ وہ کہنے لگی کہ اُسے بھی یونہی سا محسوس ہوا تھا جیسے وہ مجھے برسوں سے جانتی ہو۔ میں اسے کہیں بھی ملتا وہ پہچان لیتی ـــ

میں اس کے آویزوں سے کھیلتا رہا۔ چوڑیوں سے کھیلتا رہا۔ بالوں سے کھیلتا رہا۔

"اچھا۔ بھلا تم نے میرا نام کیا رکھا ہے؟"۔

اُس نے ہتھیلی اٹھائی اور میں نے آنکھیں میچ لیں۔

"بے بی ۔۔ بالکل بے بی۔"

"نہیں۔" میں نے مچل کر کہا۔

"میں نے پہلی ملاقات پر ہی تمھارا یہ نام رکھ دیا تھا۔ بے بی۔"

اس نے آہستہ سے میرے گال کو چھوا ۔۔۔ "کبھی پہلے بھی کسی نے بے بی نام رکھا۔؟"

نہیں تو۔"

اور یہ گردن کا تل ہے۔ اسے کسی نے چھوا؟"

نہ جانے ایسے کتنے سوال اُس نے پوچھ ڈالے۔ دیر تک ہم یونہی بیٹھے باتیں کرتے رہے۔ چاند درختوں کے پیچھے چلا گیا۔ سائے لمبے ہو گئے۔ جب چاندنی پھیکی پڑنے لگی تو ہم واپس لوٹے کشتی پانی کے بہاؤ کے ساتھ ہولے ہولے چل رہی تھی اور ہم ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔

میں نے نرینکی کو اپنا نام بتایا۔ وہ اچھل پڑے ۔۔۔ "بہت اچھے! یہ نام تو کاؤ بوائے والے نام کو بھی مات کر گیا۔ کیسا موزوں نام رکھا ہے اس لڑکی نے ۔۔۔ ویسے تم ہو بالکل بے بی۔"

انھوں نے ناشتے پر سب سے کہہ دیا۔ میرے سامنے دودھ کا مگ رکھ دیا گیا۔

"بے بی چائے نہیں پیا کرتے، دودھ پیتے ہیں۔"

"آج بے بی بھوکا رہ گیا۔ اس کے لیے گلیکو کا دودھ اور بے بی بسکٹ منگائے

جائیں۔"یہ دونوں چیزیں شام کو آگئیں اور دو تین کھلونے بھی!

فرینکی موٹر لے کر آئے۔ بولے "چلو باغ میں پھول توڑیں گے۔ رو بی کو ساتھ لے چلتے ہیں۔"

کلب آیا تو خود اتر گئے اور بولے۔ "مجھے واپسی میں ساتھ لے لینا ــــ یہ کیمرہ ہے، اس میں سلف ٹائمر لگا ہوا ہے ــــ واپس آنے کی کوئی خاص جلدی نہیں ہے۔"

روبی کہنے لگی۔ میں کار چلاؤں گی۔ میں اُس کے برابر بیٹھ گیا۔ باتیں کرتے کرتے ہم ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگتے اور کار کسی چیز سے ٹکراتی ٹکراتی بچتی۔

ہم باغ میں پہنچے تو رنگ و بو کا طوفان آیا تھا۔ شاید پھول ابھی ابھی کھلے تھے۔ دُور دُور تک رنگ برنگے تختے چلے گئے تھے۔ جیسے قالین بچھا ہوا ہو۔ ننھے ننھے خوش رنگ پرندے سیٹیاں بجا رہے تھے تتلیاں اور بھونرے پھولوں پر رقص کر رہے تھے۔

کتنی دیر تک ہم پھولوں اور کلیوں سے کھیلتے رہے۔ ہم نے آنکھ مچولی کھیلی تصویریں اتاریں۔ درختوں پر نام کھود دے۔ معلوم ہوتا تھا جیسے پریوں کے ملک میں دو بچے راستہ بھول کر چلے گئے ہوں۔

جب ہم واپس لوٹے تو دن ڈھل چکا تھا۔ ساری وادی پر پیلی سی خوشگوار دھوپ پھیلی ہوئی تھی۔ ہماری گود میں پھولوں کا ڈھیر تھا۔ کلب میں آئے فرینکی منتظر ملے۔ روبی کو چھوڑ کر انہوں نے دو داڑھیاں نکالیں۔ ایک خود پہنی۔ دوسری مجھے دی۔ کافی بڑھیا داڑھی تھی، مہنگی خریدی ہو گی۔ ہم داڑھیاں پہن کر سڑکوں پر نکل گئے۔ کئی واقف نزدیک سے گزرے لیکن کسی نے نہ پہچانا۔

"یہ داڑھی جچتی ہے انکل فرینکی ـ۔

"لاؤ میں ٹھیک کر دوں:" انہوں نے میری داڑھی ٹھیک کی۔

"اب بھی چبھتی ہے۔"

"تو یہ مونچھیں لگا لو۔" انہوں نے جیب سے مونچھیں نکال کر دیں۔

سامنے گلی ڈنڈا ہو رہا تھا۔۔۔ "یہ کون سا کھیل ہے؟"

میں نے بتایا۔ بولے۔۔ "نہایت دلچسپ کھیل معلوم ہوتا ہے۔ چلو کھیلیں۔

لڑکوں نے جو ہماری داڑھی مونچھیں دیکھیں تو اِدھر اُدھر بھاگ گئے۔ جلدی سے فرینکی نے داڑھی اتاری اور میں نے مونچھیں۔ بڑی مشکل سے لڑکوں کو واپس بلایا۔ انہوں نے ہمیں کھیل میں شریک کر لیا شام تک گلی ڈنڈا کھیلا گیا۔ فرینکی بڑے اچھے کھلاڑی ثابت ہوئے اُن کا خیال تھا کہ یہ کرکٹ سے بہت کچھ ملتا ہے۔

رات کو ہم داڑھی مونچھیں لگا کر نمائش میں گئے۔ اُن کی فرمائش پر کھانے کے لیے ایک سستے سے ہوٹل میں۔۔۔ چارپائی پر بیٹھ کر تنور کی روٹیاں اور کوفتے کھائے گئے۔ انہوں نے حقہ بھی پیا۔

فرینکی اور ہیڈل ہیڈ بیٹر کر دھوپ سینک رہے تھے۔ "وہ دیکھیے:" میں نے اشارہ کیا۔ چند شکارے آ رہے تھے۔ جن میں لڑکیاں تھیں۔

"بلاؤں؟"

"خود آ جائیں گی۔ وہ بولے۔

ذرا سی دیر میں شکارے ہاتھ سے آ گئے۔ انہوں نے بتایا کہ ابھی خبر ملی ہے کہ آج نشاط اور شالامار میں پانی آئے گا اور سارے فوارے چلیں گے۔ چند لڑکیاں تصویریں اتارنا چاہتی تھیں اگر کوئی انھیں اپنے ساتھ باغوں میں لے جائے۔

"میرا بھتیجا اپنی کشتی میں گن گن ائی لڑکیوں کو لے جائے گا۔ بشرطیکہ آج شام کو تم ایں کوئی مزیدار سی چیز کھلاؤ۔"

اُنھوں نے لڑکیوں کا انتخاب کیا۔ اُن میں روبی بھی تھی۔ میں انہیں کشتی میں لے کر نکلا۔ ان کی فرمائش پر سیدھا راستہ چھوڑ کر بیلوں سے گھرے ہوئے کنجوں اور سرسبز ٹاپوؤں سے گزرا۔ باغوں میں فوارے چل رہے تھے، جھرنے رواں تھے چھوٹی چھوٹی آبشاروں اور نہروں میں پانی آیا ہوا تھا۔ دہکتے ہوئے سُرخ پھولوں نے گویا آگ لگا رکھی تھی۔

روبی اور میں بیلوں کے پیچھے چلے گئے۔ ہم پھولوں اور کلیوں میں گھر کر بیٹھ گئے۔ آج وہ مغموم تھی۔

"میں جلدی واپس چلی جاؤں گی، پھر کیا ہوگا ——— تم مجھے بھول تو نہ جاؤ گے۔ ہم بہت جلد ملیں گے نا؟"

میں نے اُسے بتایا کہ میری تعلیم میں ابھی چند سال باقی ہیں۔ جب میں ڈگری لوں گا تو ابّا مجھے ضرور یورپ بھیجیں گے، تب ہم ملیں گے۔ بس اب تم مسکرانے لگو۔"

"اچھا۔" اس نے آنسو پونچھ ڈالے۔ "تم جس طرح کہو گے اسی طرح کروں گی۔"

میں نے فرینکی کو سب کچھ بتا دیا۔ وہ بولے۔ "جب لڑکیاں رونے لگیں تو سمجھ لو کہ وہ سنجیدہ ہو چکی ہیں۔ کھیلتے کھیلتے تم بہت دُور چلے گئے ہو لیکن میں یہی کہوں گا کہ جب تک ایک دوسرے کے سامنے ہوں چاروں طرف محبت ہی محبت برستی نظر آتی ہے۔ یوں منٹوں میں عمر بھر کے پیمان باندھے جاتے ہیں اور جہاں نظروں سے اوجھل ہوئے، تھوڑے سے رونے دھونے کے بعد کچھ یاد نہیں رہتا۔ ذرا سے عرصے کے بعد ساری باتیں خواب بن جاتی ہیں۔"

"مگر ———"

"مگر وگر کچھ نہیں۔ میں سب کچھ جانتا ہوں۔ بھتیجے تم مجھے اپنا ہم عمر سمجھو۔"

واپسی کا پروگرام بنا۔ فرینکی نے ہمیں پھر ملنے کا موقع دیا۔ شام ہوتے ہی میں نے روبی کو ساتھ لیا اور کشتی میں ہم اُسی کنج کی طرف چلدیئے جہاں اس رات گئے تھے۔

اُس نے ملگجا لباس پہن رکھا تھا۔ اُس کے دوپٹے کا رو پہلی پلّو رہ رہ کر جگمگا اٹھتا۔ پہاڑوں سے چودھویں کا چاند ابھی طلوع ہوا تھا۔ کہیں سے رات کی رانی کی مہک آ رہی تھی۔

"یہ مہک کہاں سے آرہی ہے؟" میں نے پوچھا۔

"میرے بالوں سے۔ یہ دیکھئے ــــ ہے نا؟"

"تمھیں یہ خوشبو پسند ہے؟"

"بہت ــــ!"

اس نے ایک چھوٹا سا رومال مجھے دیا۔ اس پر میں نے بیل بوٹے خود نکالے ہیں۔ اس پر تمھارا نام بھی لکھا ہے۔"

وہ کنج آ گیا۔ ہم سرو کی قطاروں میں چلے گئے، چاروں طرف وہی جانی پہچانی خاموشی تھی۔ وہی مہک تھی۔ چاندنی ــــ ابھی پھیکی پھیکی تھی۔ جب چاندنی تیز ہوئی تو طرح طرح کے ننھے جاگ اٹھے۔ رات کی رانی کی مہک بڑھتی گئی۔ دیر تک تارے درختوں سے جھانکتے رہے ہوا کے جھونکے سائیں سائیں کرتے رہے۔ سائے گھٹتے بڑھتے رہے۔

جب ہم واپس لوٹے تو جھیل خاموش تھی، فضا خاموش تھی۔ دنیا خاموش تھی۔

گلمرگ پہنچ کر فرینکی نے ایسے زور و شور سے کرکٹ شروع کیا کہ ساری کسر نکل گئی۔ وہ بڑی محنت سے سبق سیکھتے۔ بڑی کوشش سے سبق یاد کرتے۔ دوپہر سے شام تک بولنگ کرتے۔ اُن کا کھیل پہلے سے کچھ بہتر ہوتا جا رہا تھا۔

ایک روز روبی بڑی غمگین ملی۔ بولی ــــ عنقریب ہم جانے والے ہیں۔ آج استانیاں واپسی کا پروگرام بنا رہی ہیں۔ وہ تو پہلے ہی سے چلی جائیں مگر فرینکی نے روک رکھا۔ ہم رات کو ملے اُس نے بتایا کہ پرسوں منہ اندھیرے وہ سب چلے جائیں گے۔ اُس نے ایک نامکمل سویٹر دکھایا جسے وہ میرے لیے بُن رہی تھی ــــ "بننا میں نے ابھی ابھی سیکھا ہے۔ پہلی جو چیز میں نے بُنی ہے وہ آپ کا سویٹر ہے میں اسے بمبئی سے مکمل کر کے بھیجوں گی۔ وہاں میری ایک بڑی ساری تصویر ہے جو مجھے بہت پسند ہے۔ وہ بھی بھیجوں گی۔"

اُس نے مجھے ایک تصویر دی۔ اندھیرے میں اچھی طرح نظر نہ آتی تھی۔

"اس پر لکھنا بھول گئی ــــ" آنکھوں کے سامنے تصویر رکھ کر اندھیرے میں اس نے کچھ لکھا۔ میں نے پڑھنے کی کوشش کی۔

"نہیں ابھی نہیں میں چلی جاؤں تب پڑھنا!"

اگلے روز فرینکی نے الوداعی پارٹی دی۔ رات کو رقص تھا۔ اسی ہال میں جہاں میں نے روبی کو پہلی مرتبہ دیکھا تھا۔ اس نے وہی لباس پہن رکھا تھا۔ ہلکا ہلکا نیلا لباس۔ جب بلیو ڈینیوب بجا تو میں نے اُسے بازوؤں میں لے لیا۔ وہ دھیمی دھیمی سریں ہمیں ایک ایسی دنیا میں لے گئیں جہاں فراق کی گھٹائیں تلی کھڑی تھیں۔ آسمان سے غم برس رہا تھا۔ آنسوؤں کے دریا بہہ رہے تھے، آہوں کے طوفان بپا تھے۔

رات کو وہ باغیچے میں ملی۔ اُس نے مجھے لاکٹ دیا ــــ "یہ میری امی نے مجھے دیا تھا۔ میرے پاس اور کوئی ایسی نشانی نہیں ہے جو میں تمہیں دے سکوں۔ اسے ہر وقت اپنے پاس رکھنا۔ خدا تمہاری حفاظت کرے گا۔"

ہم نے پروگرام بنائے۔ اگر وہ بمبئی رہی تو میں ملنے آیا کروں گا، اگر وہ واپس چلی گئی تو میں تعلیم مکمل کر کے جتنی جلدی ہو سکا وہاں پہنچوں گا۔

"اور جب تم ملنے آؤ گے تو میں اسٹیشن پر تمھیں لینے آؤں گی۔ ہندوستانی لباس پہن کر ہندوستانی خوشبو لگا کر، ہاتھوں میں چوڑیاں اور کانوں میں آویزے پہن کر ——"

چاروں طرف تاریکی تھی، اداسی تھی۔ جوں جوں رات گزرتی جاتی تھی تاریکی گہری ہوتی جا رہی تھی۔ اداسی بڑھتی جا رہی تھی۔ تاروں کی چمک مدھم پڑتی جا رہی تھی۔

وہ بھولی بھالی حسین گڑیا بڑی پیاری پیاری باتیں کرتی رہی، جب رات ختم ہونے کو آئی اور آسمان پر ہلکی ہلکی سفیدی پھیلنے لگی تو ہم رخصت ہوئے۔

علی الصبح وہ چلی گئی۔

اس دن میں اکیلا باہر نکل گیا۔ اداس و مغموم جنگلوں میں پھرتا۔ روح پر افسردگی چھائی ہوئی تھی۔ دنیا تاریک معلوم ہو رہی تھی۔ میں ایک چبوترے پر بیٹھ گیا دیر تک بیٹھا رہا۔

"بے بی ——" میں نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ فرینکی کھڑے مسکرا رہے تھے۔ وہ میرے پاس بیٹھ گئے۔ انھوں نے بڑی میٹھی میٹھی باتیں کیں۔ اُن کے مسکراتے ہوئے چہرے پر ایسی شفقت تھی جیسے میں اُن کا برسوں پرانا رفیق ہوں ہماری عمروں میں کوئی فرق نہیں ہے ہم دونوں ہم عمر لڑکے ہیں۔

میں نے انھیں سب کچھ بتا دیا۔ وہ بولے —— "تمھیں تو آج مسرور ہونا چاہیے۔ جب خدا کسی پر خوش ہوتا ہے تو اُسے محبت عطا کرتا ہے۔ تمھیں وہ عطیہ ملا ہے جو بہت کم انسانوں کو ملتا ہے۔ ایسے حالات میں جبکہ تمھیں اس کا ذرا بھی خیال نہیں تھا۔ تمھیں محبت ملی۔ اور پھر کیسی پیاری لڑکی کی،

معصوم محبت۔ حالات پر تمھارا قابو نہیں۔ وقت کے سیل کو تم نہیں روک سکتے، تم دونوں کو جدا ہونا تھا۔ ایسے دلآویز لمحے فانی ہوتے ہیں اور مٹ جاتے ہیں لیکن ان کی یاد رہ جاتی ہے اور یہ یاد زندگی کے اداس لمحوں کو جگمگاتی رہتی ہے۔ کیسا کیف آور خیال ہے کہ کبھی تمھیں ایک بھولی بھالی مخلص لڑکی نے چاہا تھا اور شاید اب بھی دنیا کے کسی گوشے میں وہ تمھیں یاد کر لیتی ہے ــــ کتنی حسین یاد ہے ــــ سب کچھ فنا ہو جاتا ہے۔ لیکن یادیں فنا نہیں ہوتیں۔ یادیں زندگی بنتی ہیں ــــ"

انھوں نے ایسی اچھی اچھی باتیں کیں کہ میں مسکرانے لگا۔ ہم مسکراتے ہوئے واپس لوٹے۔ شام کو خوب بولنگ ہوئی۔ اب وہ سیدھی گیندیں پھینکنے لگے تھے۔ کبھی کبھار بریک بھی کرا لیتے تھے۔ ایک دفعہ تو انھوں نے مجھے آؤٹ بھی کر دیا۔

رات کو روشنی کے سامنے انھوں نے ہاتھوں کے سائے سے جانور اور پرندے بنائے۔ تتلی، خرگوش، کتا، بطخ۔ میں نے بھی سیکھے۔ سایوں سایوں کی آپس میں جھوٹ موٹ کی لڑائیاں بھی ہوئیں۔

کلب میں رقص تھا۔ وہ مجھے ساتھ لے گئے۔ میرے لیے ہال کی سب سے حسین لڑکی چن کر لائے۔ جب ہم بلیو ڈینیوب پر رقص کر رہے تھے تو میں کیسا اداس ہو گیا جیسے میرے بازوؤں میں روحی آگئی۔ میں اتنا غمگین ہوا کہ کونے میں اکیلا جا بیٹھا فرینکی مسکراتے ہوئے آئے۔ میرے کندھے کو تھپتھپایا ــــ بھتیجے! تم بھول جاتے ہو کہ زندگی بے حد مختصر ہے۔ یہ لمحے دوبارہ کبھی لوٹ کر نہیں آئیں گے۔ نہ جانے کتنی مرتبہ ڈبلیو ڈینیوب بجے گا۔ ہر دفعہ رقص کے لیے نیا ساتھی ملے گا۔ لیکن تمھیں ہر بار مسکراتے ہوئے رقص کرنا ہوگا۔ اپنے ساتھی کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر ــــ یہ تمھارا فرض ہے ــــ ورنہ زندگی تم سے بیزار ہو کر تمھیں پیچھے

چھوڑ جائے گی۔ جاؤ اس لڑکی سے پھر رقص کے لیے کہو۔"

ایک روز پارسل ملا۔ روبی نے بھیجا تھا۔ میرا سویٹر جس پر میرے نام کا پہلا حرف لکھا تھا۔ روبی کی ایک نہایت اچھی تصویر، چند کڑھے ہوئے رومال اور کچھ کھلونے ۔۔۔۔ بے بی کے لیے ۔۔۔۔ ساتھ ہی ایک خط جس میں لکھا تھا کہ وہ اپنے چچا کے ساتھ یورپ جا رہی ہے۔ خط کی عبارت میں اتنا خلوص اور پیار تھا کہ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے وہ معصوم سی حسین روح میرے کندھے سے سر لگائے باتیں کر رہی ہے۔

فرینکی نے ایک اور پروگرام بنایا، ہم گلمرگ سے پہلگام گئے۔ دلر گئے۔ چشموں پر گئے۔ پہاڑی چوٹیوں پر چڑھے۔ جنگلوں میں خیمے لگتے الاؤ کے گرد بیٹھ کر درختوں کے تنوں پر سایوں سے تصویریں بناتے، ماؤتھ آرگن کے ساتھ گانے گائے جاتے ۔۔۔۔ ۔۔۔۔ پرندوں کے رنگین پر، پتھروں کے گول چمکیلے ٹکڑے، خودرو پھول ۔۔۔۔ ہمارے پرول اور پھولوں کے البم بھر گئے۔ فرینکی نے مچھلیاں اور پرندے پکڑنے کی بہت سی ترکیبیں بتائیں۔ جانوروں کو بے وقوف بنانے کے طریقے بتائے تاش کے کھیل سکھائے۔ دوسرے ملکوں کی باتیں سنائیں۔ دنیا بجید دلچسپ معلوم ہونے لگی۔

جب واپس گلمرگ پہنچے تو مجھے خیال آیا کہ میری چھٹیاں ختم ہو چکی ہیں اور کالج کبھی کا کھل چکا ہے۔ فرینکی کچھ عرصے کے بعد وہاں سے جا رہے تھے۔ افغانستان کی طرف، اپنے کسی دوست سے ملنے، جہاں شکار کا پروگرام تھا۔

جب میں وہاں سے چلا تو وہ مجھے چھوڑنے سری نگر تک آئے۔ انہوں نے مجھے اپنی تصویر دی جس پر لکھا تھا۔۔۔"بے بی کے لیے، انکل فرینکی کی طرف سے۔"

علی الصبح مجھے روانہ ہونا تھا۔ وہ رات ہم نے ڈل کے کنارے ٹہل کر گذار دی ہم نے

خوب باتیں کیں۔ انہوں نے مجھے اپنی زندگی کے قصے سنائے۔ کہنے کو میری عمر کافی ہے اور میں زندگی کا بیشتر حصّہ گذار چکا ہوں لیکن مجھے یوں محسوس ہوتا ہے جیسے میں نے زندگی ابھی ابھی شروع کی ہے۔ مجھے دنیا کی نفیس ترین چیزوں سے محبت ہے۔ مجھے طرح طرح کے رنگوں سے محبت ہے چاند تاروں سے محبت ہے۔ طلوعِ آفتاب، اور غروبِ آفتاب سے محبت ہے۔ اندھیری رات کے چمکتے ہوئے تاروں سے محبت ہے۔ وہ قوس قزح بڑی پیاری لگتی ہے۔ جو کمان کی طرح، کسی وادی پر محیط کر جائے۔ سچائی، خلوص اور محبت پر اب تک میرا اعتقاد ہے۔ ایک مخلص دوست میرے لیے سب سے بڑی نعمت ہے۔ میں صرف خلوص پر زندہ ہوں۔ یہی میری زندگی کا سرمایہ ہے۔ یہی میرا ماضی ہے یہی مستقبل۔ میں نے زندگی سے اور کچھ نہیں مانگا۔ زندگی کا ہر سال گذر کر میری عمر میں جمع نہیں ہوتا بلکہ کم ہو جاتا ہے۔ اب بھی میں تتلیوں اور پھولوں کو کسی اور دنیا کی مخلوق سمجھتا ہوں مجھے یقین ہے کہ ہر رات ایک نئی کائنات تخلیق ہوتی ہے۔ جب انسان سو جاتے ہیں تو چاندنی میں پریاں اترتی ہیں۔ دنیا کا گوشہ گوشہ نقشے میں موجود ہے لیکن مجھے پورا یقین ہے کہ کہیں نہ کہیں ایک ایسا جزیرہ ضرور ہے جس میں انسان نے آج تک قدم نہیں رکھا۔ اس جزیرے میں ایسے ایسے رنگ ہیں جو انسانی آنکھ نے کبھی نہیں دیکھے طرح طرح کے خوشنما پرندے ہیں جن کے چہچہوں میں ایسی موسیقی ہے جس سے انسان ناآشنا ہے، اُس کا کونہ کونہ پراسرار اور مسحور ہے ــــ وہ جزیرہ اس سیّاح کا منتظر ہے جو کسی دن کشتی لے کر چپکے سے آجائے گا ــــ"

چلتے وقت میں نے وعدہ کیا کہ میں کبھی غمگین نہیں ہوں گا، ہمیشہ مسکراتا رہوں گا۔

کالج پہنچ کر میں نے اُن کی باتیں دوستوں کو سنائیں۔ اُن کے خط آتے رہے افغانستان سے وہ کہیں اور چلے گئے۔

ایک روز کرکٹ کا میچ تھا۔ بلیزر کی جیب میں اُن کی تصویر تھی۔ میں نے کھلاڑیوں کو

دکھائی ان میں سے چند تو چونک پڑے ۔

"یہ تمہارے دوست کیسے بنے ؟"

میں نے بتایا کہ میں انہیں بولنگ سکھایا کرتا تھا۔ بڑی محنت کے بعد وہ اس قابل ہو گئے تھے کہ سیدھی گیند پھینک سکیں۔

"بولنگ سکھایا کرتے تھے ؟ ـــ ان کو ؟"

"ہاں !"

"جانتے ہو یہ کون ہیں ، آسٹریلیا کے مشہور بولر، جو اپنے وقت میں دنیا کے بہترین بولر رہ چکے ہیں ۔"

لیکن مجھے یقین نہ آیا ۔ انہوں نے ایک کتاب میں فرینکی کی تصویر دکھائی ۔

"لیکن میں نے سچ سچ انہیں بولنگ سکھائی تھی ۔"

میرا خوب مذاق اڑا ۔

اُس وقت میری سمجھ میں کچھ نہ آیا۔ لیکن بعد میں سمجھا۔ اس پُر رونق جگہ میں جس طرح میں تنہا اور اداس تھا۔ اُسی طرح شاید فرینکی بھی تنہا اور اداس تھے ۔

شروع شروع میں کرکٹ ہی انہیں ایسا موضوع مل سکا جو ہم دونوں میں یکساں تھا بعد میں پتہ چلا کہ ہمارے نظریئے ، ہمارے خیالات ، ہمارے مشاغل یکساں تھے ۔

تعویذ

چار بجے شیطان چاء پینے آئے، جب ہم پی کر باہر نکلے تو دفعتہً انہیں احساس ہوا کہ چاء ٹھنڈی تھی۔ چنانچہ ہم ان کے ہوسٹل گئے۔ وہاں کھولتی ہوئی چاء پی گئی۔ لیکن وہ مطمئن نہ ہوئے۔ منہ بنا کر بولے یہ چائے کبھی نامکمل رہی کیونکہ اس کے ساتھ لوازمات نہیں تھے۔ طے ہوا کہ کسی کیفے میں جا کر باقاعدہ چاء پی جائے۔

مصیبت یہ ہے کہ شیطان کو ہر وقت چہاس لگی رہتی ہے اور وہ اُن لوگوں میں سے ہیں جنھیں دن میں دو مرتبہ قیامت کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ ایک تو جب علی الصبح دس بجے صبح ہیں تو ان کے سامنے دنیا اندھیر ہوتی ہے اور وہ سوچتے ہیں کہ منحصر مرنے پہ ہو جس کی اُمید۔ لیکن چائے کی چند پیالیوں کے بعد انہیں یکایک پتہ چلتا ہے کہ ابھی عشق کے امتحاں اور بھی ہیں۔ یہی تماشہ چار بجے چائے کے وقت ہوتا ہے۔ ساڑھے تین بجے زندگی سے بیزار ہوتے ہیں اور ساڑھے چار بجے اُن جیسا مسخرہ ملنا محال ہے۔ اگر وہ چاء کی دریافت سے پہلے اس دنیا میں ہوتے تو خدا جانے اُن کا کیا حال ہوتا۔

ہم سائیکلوں پر ٹہلتے ٹہلتے کیفے میں پہونچے جہاں ہمیں اکثر ہڈی ملا کرتا تھا۔ اندر جا کر دیکھا تو سب کچھ سنسان پڑا تھا۔ فقط ایک کونے میں ایک نحیف و نزار نوجوان بیٹھا چائے پی رہا تھا۔ ہم اُسکے قریب جا بیٹھے ہماری طرف اُس کی پشت تھی۔ سسکیوں کی آواز نے ہمیں چونکا دیا۔ وہ بسُور بسُور رو رہا تھا۔ چہرے سے پھسلتے ہوئے آنسو، سینڈوچز کیک کے ٹکڑوں اور چائے کی پیالی میں ٹپ ٹپ گر رہے تھے۔ غور سے دیکھتے ہیں تو یہ امجد تھا ۔۔۔ امجد ہمارا پرانا دوست تھا جو مدت سے لاپتہ تھا۔ ہم اس کی میز پر جا بیٹھے۔ بسُور بسُور کر اُس نے علیک سلیک کی اور پھر رونے میں مشغول ہو گیا۔ شیطان بولے ۔۔۔ دیکھئے مولانا، اگر آپ سینڈوچز یا چائے کے سلسلے میں رو رہے ہیں تو بہتر یہی ہوگا کہ کم از کم یہاں سب کے سامنے نہ روئیں۔ جس شخص نے یہ چیزیں تیار کی ہیں وہ سامنے کھڑا دیکھ رہا ہے اور وہ بجد حساس واقع ہوا ہے۔ اُسے شدید اذیت پہنچے گی۔ لیکن امجد بدستور مصروف رہا۔

شیطان بولے۔ "خان بہادر صاحب کا کیا حال ہے؟"

"کون سے خان بہادر صاحب کا؟" امجد نے پوچھا۔

"کوئی سے خان بہادر صاحب کا۔"

"اوہ!"

ہم نے بہتیری کوشش کی کہ اُس نالائق کو ہنسائیں لیکن کچھ نہ بنا۔ اتنے میں ہڈی آ گیا۔ ہم نے ہلکے رو دیتے ہوئے امجد کا تعارف ہلکے ہنستے ہوئے ہڈی سے کرایا۔ اب بڑی سنجیدگی سے وجہ پوچھی گئی۔ اور امجد نے بتایا کہ اسکی صحت روز بروز گرتی جا رہی ہے بلکہ بالکل ہی گر گئی ہے اس کی آنکھوں کے سامنے رات کو تارے ناچتے ہیں اور دن بھر اندھیرا چھایا رہتا ہے۔ وہ اپنے آخری امتحان میں مدت سے فیل ہو رہا ہے لگاتار فیل ہو رہا ہے اگر محنت کرے اور پرچے اچھے ہو جائیں، تب بھی فیل ہو جاتا ہے اور اگر پرچے خراب ہو جائیں تب بھی۔ اس کی قسمت ہمیشہ اُسے دھوکہ دیتی ہے۔ وہ کسی پر عاشق بھی ہے محبوب نے پہلے تو سب کچھ

کہہ سن لیا اور لبد میں بڑے مزے سے اُسے ڈبل کراس کر دیا ـــــ آج کل محبوب بالکل خاموش ہے۔ اُن کی ہاں آنا جانا بھی تڑت سے بند ہے۔ کیونکہ اُن کے ہاں ایک بھیجد بھاری بھرکم اور خونخوار کتا کہیں سے منگایا ہے جو امجد کو بالکل پسند نہیں کرتا بلکہ اُس سے خفا رہتا ہے۔ محبوب کے ہاں ایک اور صاحب کی آمد و رفت بھی شروع ہو گئی ہے جو شاید رقیب روسیاہ بننے والے ہیں۔ محبوب کے ابا امجد کو یونہی سا بیکار لڑکا سمجھتے ہیں اور انہوں نے شادی سے انکار کر دیا ہے۔ کیونکہ امجد کچھ نہیں کماتا۔ شیطان اور میری طرح شہزادہ ہے۔ سب سے بڑی مصیبت یہ ہے کہ اس کا کسی چیز کو دل ہی نہیں کرتا۔ بالکل جی نہیں چاہتا۔ یہاں تک کہ چائے سامنے رکھی ہے اور پینے کو جی نہیں چاہتا۔

گفتگو کے موضوع بدلتے رہے اور ہم نے امجد سے لے کر امجد تک گفتگو کی۔

شیطان بولے "بھئی تمہاری مصیبتیں تو اتنی ہیں کہ ایک آدھ فرشتہ تمہارا کام نہیں کر سکتا تمہارے لیے تو فرشتوں کا سنڈیکیٹ بیٹھے گا۔"

بڈی بولا۔ "تم آج سے ورزش شروع کر دو۔ ہلکی پھلکی اور مقوی غذا کھاؤ۔ صبح اٹھ کر لمبے لمبے سانس لیا کرو۔ قوت ارادی پیدا کرو۔ خوب محنت کر کے امتحان پاس کرو ملازمت ضرور مل جائے گی اور سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔" ادھر امجد نے اور زیادہ رونا شروع کر دیا۔ اب تو وہ باقاعدہ بھوں بھوں رو رہا تھا۔ آخر طے ہوا کہ امجد کی سچ مچ مدد کی جائے اور کل پھر یہیں ملاقات ہو۔

اگلے روز ہم سب وہیں ملے۔ اتفاق سے ہمارے کالج کی چند لڑکیاں بھی وہاں بیٹھی تھیں۔ ایسے موقعوں پر میں ہمیشہ یوں ظاہر کیا کرتا ہوں جیسے میں شیطان کے ساتھ نہیں ہوں کیونکہ ہمارے کالج کی لڑکیاں شیطان کو پسند نہیں کرتیں۔ جتنی دیر وہ ہماری طرف دیکھتی رہیں۔ میں کسی اور طرف دیکھتا رہا۔ اُن کے جانے پر گفتگو شروع ہوئی ـــــ

"امجد تم موسیقی پر فدا ہو جاؤ۔" شیطان بولے۔ "یہ پیازی ساری والی لڑکی بڑا اچھا ستار بجاتی ہے تمھیں کوئی ساز بجانا آتا ہے؟"

"ہاں!"

"کونسا؟"

"گراموفون۔"

"تب تم موسیقی کو پسند نہیں کروگے۔ اچھا یہ بتاؤ جب تم آخری مرتبہ اُس لڑکی سے ملے تو کیا باتیں ہوئی تھیں؟"

"میں نے اُسے شادی کے لیے کہا تھا ——— کہ میں کچھ بھی نہیں ہوں نہ کچھ کما سکتا ہوں، نہ کسی قابل ہوں نہ کچھ کر سکتا ہوں اور نہ کچھ کر سکوں گا۔!"

"پھر ———؟"

"پھر اُس نے کچھ بھی نہیں کہا اور آج تک خاموش ہے۔"

"تمھارے ہونے والے خسر اچھے خاصے قبر رسیدہ بزرگ ہیں میں انھیں بالکل پسند نہیں کرتا لیکن لڑکی بہت اچھی ہے جتنے تم شکل و صورت میں بخشے ہوئے ہو ——— اتنی ہی وہ حسین ہے۔ تمھیں احساس کمتری ہو جائے گا ——— بھلا کبھی تمھاری خط و کتابت بھی ہوئی؟"

"ہوئی تھی ———!" اور امجد نے خطوط کا پلندہ میز پر رکھ دیا۔ شیطان نے جلدی سے خطوط کو سونگھا اور بولے ——— "جلدی ہے اس لیے سارا مضمون تو کبھی فرصت میں پڑھیں گے۔ البتہ میں خطوط کو ترتیب وار رکھ کر صرف القاب پڑھ کر سناتا ہوں ———!"

ترتیب وار القاب یہ تھے ——— "جناب امجد صاحب۔" "امجد صاحب"۔ "امجد"۔ "پیارے امجد"۔ "میرے امجد"۔ "امجد ڈارلنگ"۔ "امجد ڈارلنگ"۔ "میرے امجد"۔ "پیارے امجد"۔ "امجد"

"امجد صاحب"۔ "جنابِ امجد صاحب۔"

اُدھر امجد نے پھر رونا شروع کر دیا۔ شیطان بولے "میں رات بھر سوچتا رہا ہوں کہ تمہارے لیے کیا کیا جائے۔ یہاں سے بہت دُور جنگلوں میں ایک پہنچے ہوئے بزرگ رہتے ہیں۔ اُن تک میری رسائی ہو سکتی ہے۔ اچھا تعویذ گنڈوں پر کس کس کا اعتقاد ہے؟"

سوائے بڈی کے ہم سب معتقد تھے۔ بڈی بولا ــ "تعویذ گنڈے کیا ہوتے ہیں؟"

"کیا امریکہ میں تعویذ نہیں ہوتے۔؟"

"نہیں تو۔"

جب بڈی کو سب کچھ بتایا گیا تو وہ بولا "ہمارے ہاں گڈ لک کے لیے شگون ہوتے ہیں۔ مثلاً سیاہ بلّی کا دیکھنا، یا سڑک پر گھوڑے کی نعل مل جانا ــ یہ تعویذ وغیرہ نہیں ہوتے۔ لیکن مجھے شگونوں پر اعتقاد نہیں۔ کیونکہ ایک مرتبہ میں ایک لڑکی سے شادی کرنا چاہتا تھا۔ نجومی نے مجھے بتایا کہ مجھے اگلے اتوار کو غروبِ آفتاب سے پہلے اگر سڑک پر گھوڑے کی نعل مل گئی تو بہت اچھا شگون ہوگا اور غالباً اس لڑکی سے میری شادی ہو جائے گی۔ اگلے اتوار کو میں نے منہ اندھیرے اٹھ کر سڑکیں ناپنا شروع کر دیں، دوپہر ہوئی سہ پہر آیا۔ گھوڑے کی نعل تو کیا کسی گدھے کی نعل بھی نہ ملی۔ آخر میں نے اصطبلوں کا رخ کیا۔ وہاں بھی ناکامی ہوئی۔ شام ہونے پر میں بہت گھبرایا۔ ہمارے پڑوس میں ایک گھوڑا رہتا تھا۔ میں نے چند اوزار اٹھائے اپنے بھائی کو ساتھ لیا۔ چپکے سے اُس گھوڑے کو باندھ بوندھ کر رکھ دیا۔ گھوڑا ہرگز رضامند نہ تھا لیکن ہم نے زبردستی اس کی نعل اتار لی۔ باہر نکل کر جو دیکھا تو سُورج غروب ہو رہا تھا۔ اگلے روز میں نے اس لڑکی سے شادی کے لیے کہہ دیا اور اُس نے کسی اور سے شادی کر لی۔ تب سے گھوڑے کی نعل سے میرا اعتقاد اٹھ گیا۔ کیا لغویت ہے اگر گھوڑے کی نعل اتنی مبارک چیز ہے تو گھوڑوں کو بے حد خوش نصیب ہونا چاہیے۔۔۔۔۔"

"لیکن تمہارا واسطہ ہندوستانی عاملوں سے نہیں پڑا۔ یہاں تو ایسے ایسے عمل کیے جاتے ہیں کہ سن کر یقین نہیں آتا۔ شکلیں بدل جاتی ہیں۔ تقدیریں بدل جاتی ہیں۔ یہاں تک کہ دنیا بدل جاتی ہے!"

"اچھا؟"

"ہاں تم نے ہندوستانی فقیروں اور سنیاسیوں کے متعلق نہیں پڑھا؟"

"میں نے لیکچرز میں دیکھا ہے کہ ہندوستان میں بڑی بڑی پُراسرار باتیں ہوتی ہیں۔ یہاں کے فقیر کچھ پڑھ کر ایک رسّے پر پھونک دیتے ہیں رسّہ سیدھا کھڑا ہو جاتا ہے اور وہ رسّے پر چڑھ جاتے ہیں۔ رات کو وہ میخوں پر سوتے ہیں ——!"

"یقیناً! تم خود دیکھ لوگے، میں کوشش کر رہا ہوں کہ امجد کے لیے اُن بزرگ سے تعویذ حاصل کروں گا۔ اگرچہ یہ بہت مشکل کام ہے۔ اول تو وہ بزرگ کسی کو تعویذ دیتے ہی نہیں۔ اگر کبھی خوش ہو کر دیتے ہیں تو صرف سال میں ایک آدھ مرتبہ لیکن میں اپنی ساری کوششیں صرف کر دوں گا۔ اُن کا تعویذ جادو سے کم اثر نہیں رکھتا۔ ناممکن سے ناممکن باتیں ممکن ہو جاتی ہیں۔ اگر مل گیا تو امجد کی تقدیر بدل جائے گی اور امجد! تمھیں میری ہدایات پر عمل کرنا ہوگا۔ اب تمھارے لیے صرف دو باتیں رہ گئی ہیں یا تو میری ہدایات پر عمل کرو اور یا —— پھر ان پر عمل کرو۔"

شیطان نے ایک لمبی چوڑی فہرست بتا دی۔ امجد دو دن بھوکا رہے گا صرف اُسے بکری کا دودھ اور چھوہارے ملیں گے۔ وہ کسی سے بات نہیں کرے گا۔ دوسرے روز شام کو حجامت کرائے گا پھر سفید لباس پہن کر عطر لگا کر رات بھر ایک وظیفہ پڑھے گا۔ اگلے روز تالاب میں کھڑا ہو کر دعا مانگے گا۔ اور سورج کی پہلی شعاع کے ساتھ اسکے بازو پر تعویذ باندھ دیا جائے گا۔ وغیرہ وغیرہ

امجد نے فقط ایک اعتراض کیا وہ یہ کہ وہ سر پر استرا ہرگز نہیں پھروائے گا۔ البتہ قینچی سے حجامت کرالے گا۔

شیطان ایک ہفتے تک غائب رہے پھر یکایک تعویذ لے کر نازل ہوئے۔ پہلے تو ان بزرگ کے متعلق باتیں سنائیں۔ انھوں نے اپنی ساری عمر جنگلوں میں گذاری ہے۔ بہت کم کھاتے ہیں بولتے تو بالکل نہیں۔ کوئی شخص ان کے پاس تک نہیں پھٹک سکتا۔ ان کے کمالات معجزوں سے کم نہیں۔ اُن سے تعویذ حاصل کرنا بالکل ناممکن ہے لیکن شیطان اپنی خوش قسمتی اور محض اتفاق سے کامیاب ہوئے ہیں۔ ہم ان باتوں سے بہت متاثر ہوئے۔

شیطان نے رومال کھول کر ہمیں تعویذ کی زیارت کرائی۔ تعویذ موم جامے میں لپٹا ہوا تھا اور اس سے عنبر کی ہلکی ہلکی مہک آرہی تھی۔ میں نے اور امجد نے اسے بوسہ دیا اور آنکھوں سے لگایا۔ ڈپی نے بھی ہماری تقلید کی۔

امجد دو روز شیطان کے ساتھ رہا۔ تیسرے روز اس کے داہنے بازو پر تعویذ باندھ دیا گیا۔ شیطان ایک فاتحانہ انداز میں بولے ــــ "لو بھیا امجد! سمجھ لو کہ آج تمہاری قسمت جاگ اٹھی۔ اب اس مقدس طاقت کے کرشمے دیکھنا"۔

ہم نے چند روز بعد امجد کو دیکھا۔ نورتے ہوئے چہرے پر اب مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔ لباس بھی پہلے سے بہتر تھا۔ آہستہ آہستہ تعویذ کی برکت سے تبدیلیاں آنی شروع ہو گئیں۔ اب ہر کام کے لیے امجد کا جی کرنے لگا۔ وہ چست ہو گیا تھا۔ اب یا تو وہ نہایت شوخ ٹائی لگاتا اور یا رنگین اسکارف پہنتا۔ ہمیشہ اس کے کوٹ کے کاج میں ایک مسکراتا ہوا پھول اٹکا ہوتا۔

امجد کے امتحان میں ایک ہفتہ رہ گیا تھا۔ میں اور شیطان اس کے ہاں گئے۔ اس کی دو تین من بختہ کتابوں کو دیکھا۔ شیطان بولے۔ کتابیں بہت زیادہ ہیں اور وقت بہت تھوڑا ہے۔ میرے خیال میں کچھ ہم پڑھتے ہیں۔ کچھ تم پڑھو۔ باقی کتابیں بڑی پڑھے گا۔ امجد نے کہا۔ مذاق مت کرو، کوئی اور تدبیر بتاؤ۔

شیطان نے مشورہ دیا کہ کتابوں کے خلاصے نوٹ اور ایسی ویسی چیزیں امتحان میں ساتھ

لے جاؤ اور خوب دل کھول کر نقل کرو۔ امجد نہ مانا۔ شیطان بولے — ارے میاں ایسا تعویذ بازو پر بندھا ہے کہ نقل تو نقل اگر کوئی سنگین ترین جرم کر آؤ تب بھی پتہ نہ چلے۔ اس کا سایہ ہمیشہ تمہارے سر پر رہے گا۔ غرضیکہ امجد کی خوب ہمت بندھائی گئی اور اس نے امتحان میں خوب نقل کی پرچے نہایت اچھے ہوئے۔ نتیجہ نکلا۔ امجد اول آیا۔ اب تعویذ پر ریشمی غلاف چڑھا گیا۔ بڑی نے تعویذ کو کئی مرتبہ چوما۔ میرا جی بُری طرح چاہ رہا تھا کہ ایک ایسا ہی تعویذ مجھے بھی مل جائے۔

اب سوال ملازمت کا تھا۔ ایک جگہ درخواست تو دے دی گئی۔ لیکن امید کسی کو بھی نہ تھی۔ کچھ دنوں بعد بورڈ کے سامنے انٹرویو تھا۔ بورڈ کے صدر نزدیک ہی رہتے تھے۔ شیطان نے امجد کو شورہ دیا کہ اگر تم صدر صاحب کے سامنے کئی مرتبہ جاؤ تو تعویذ کی برکت سے وہ اس قدر متاثر ہوں گے کہ فوراً منتخب کرلیں گے۔ امجد نے اگلے روز سے ان کا تعاقب شروع کر دیا۔ اُن کے گھر گیا — انھوں نے صاف صاف کہہ دیا کہ وہ ملازمت کے سلسلے میں کوئی گفتگو نہیں کرنا چاہتے جو کچھ ہوگا انٹرویو کے وقت سنا دیا جائے گا۔ امجد منہ لٹکائے واپس آیا۔ شیطان نے ڈانٹا کہ پھر یہ تعویذ کس واسطے باندھے پھر رہے ہو۔ پیچھا مت چھوڑو ان کا۔ اگلے روز امجد پھر اُن کی کوٹھی پر جا کر کھڑا ہوا۔ دس بجے وہ دفتر گئے۔ یہ ساتھ ساتھ گیا۔ چار بجے واپس آئے، یہ ساتھ واپس آیا۔ کلب گئے۔ شام کو پکچر گئے۔ امجد سائے کی طرح ساتھ رہا۔ اگلے روز وہ شاپنگ کے لیے گئے۔ امجد بھی شاپنگ کے لیے گیا۔ وہ اسٹیشن پر کسی سے ملنے گئے۔ امجد بھی گیا، غرضیکہ بازار، ڈاک خانہ، سینما، باغ جہاں بھی وہ جاتے یہ ساتھ رہتا۔ یہاں تک کہ وہ پچاس ساٹھ میل دور ایک جگہ گئے امجد بھی پچاس ساٹھ میل دور اسی جگہ گیا۔ انھوں نے بہتیرا کہا کہ میں وعدہ کرتا ہوں کہ انٹرویو میں تمھیں ضرور لے لوں گا۔ لیکن شیطان کی ہدایت کے مطابق امجد بولا کہ وعدہ نہیں ابھی لے لیجیے۔ انہوں نے اسے دھمکایا بھی لیکن اس پر کوئی اثر نہ ہوا بولا کہ میں ساری

عمر اسی طرح آپ کے ساتھ رہوں گا۔ آخر انہوں نے امجد کو منتخب کر لیا۔ اس کامیابی پر ایک زبردست دعوت ہوئی۔ تعویذ پر اب بیتیں کا خول چڑھایا گیا اور ہر وقت اسے معطر رکھا جاتا تھا شیطان کی معرفت۔ اُن بزرگ کے لیے کچھ نذرانہ بھی بھیجا گیا۔ جسے انھوں نے بمشکل قبول کیا۔ میں نے مصمم ارادہ کر لیا کہ میں بھی ایک تعویذ اپنے لیے منواؤں گا۔ بڑی نے بھی شیطان سے یہی خواہش ظاہر کی۔

اب اس لڑکی کی باری آئی۔ سب سے پہلے تو وہاں رسائی کا سوال تھا۔ ان کا نیا کتا نہایت ہی ہیبت ناک اور آدم خور قسم کا تھا۔ اُسے دیکھ کر ہی امجد کی روح قفس عنصری سے پرواز کر جاتی تھی۔ بڑی نے مشورہ دیا کہ کچھ پلا دیا جائے جس سے وہ انا للہ ہو جائے۔ لیکن وہ کتا کچھ ایسا بورژوا ذہنیت کا واقع ہوا تھا کہ ایسی ایسی چیزوں کو سونگھتا تک نہیں تھا۔ شیطان نے ایک موٹا سا ڈنڈا امجد کو دیا اور کہا کہ اسے ہاتھ میں لے کر جاؤ اور مار مار کر کتے کا بھرتہ بنا دو۔ امجد کانپ اٹھا۔ گڑگڑا کر بولا خدا کا واسطہ میں یہ ہرگز نہیں کر سکتا۔ شیطان نے تعویذ چھو کر کہا — جانتے بھی ہو یہ کیا چیز ہے تمہارے بازو پر، یہ ہمیشہ تمھاری حفاظت کرے گی۔ خواہ تم شیروں سے دل لگی کرتے پھرو۔ بال تک بیکا نہ ہوگا۔ کافی لمبی بحث کے بعد امجد مانا۔ اگلے روز علی الصبح امجد ہاتھ میں ڈنڈا لے کر اُن کے ہاں گیا۔ کتا باغ میں چہل قدمی کر رہا تھا۔ امجد نے کتے کی ایسی مرمت کی کہ طبیعت صاف کر دی۔ اُسی دن سے امجد اور کتا بڑے گہرے دوست بن گئے۔ امجد کو دیکھ کر وہ صرف دُم ہلاتا بلکہ باقاعدہ مزاج پرسی کر کے ساتھ ساتھ چلتا۔

وہ صاحب جو گھر آیا کرتے تھے۔ اُن کے لیے بھی یہی نسخہ پیش کیا گیا۔ لیکن بڑی نہ مانا، بولا کہ کتے اور انسان میں کچھ فرق ہونا چاہیے۔ بہتر ہوگا کہ پہلے انھیں دھمکایا جائے۔ وہ صاحب قد میں امجد سے دگنے تھے۔ امجد پہلے تو بہت ڈرا۔ لیکن جب شیطان نے ڈانٹ کر کہا کہ اس طرح وہ اپنی نہیں بلکہ تعویذ کی توہین کر رہا ہے اور اُسے کوئی چھو تک نہیں سکتا،

تو امجد اُن صاحب سے ملا اور انھیں صاف صاف کہہ دیا کہ خبردار جو آئندہ اس گھر میں قدم بھی رکھا۔ انہوں نے حیران ہو کر پوچھا کہ میاں تم ہو کون؟ یہ بولا۔ میں کوئی بھی ہوں لیکن یہ واضح رہے کہ میں نے آپ جیسے بہت سوں کو سیدھا کیا ہے۔ بس خیریت اسی میں ہے کہ آئندہ آپ اس گھر کا رخ نہ کریں۔ امجد نے کچھ اس طرح گفتگو کی وہ صاحب واقعی سہم گئے۔ امجد نے چلتے کہا کہ میرا ارادہ تو کچھ اور تھا۔ لیکن فی الحال صرف انتباہ کرنے پر اکتفا کرتا ہوں۔ آپ سمجھدار ہیں تو سمجھ جائیں گے۔ اس دن کے بعد وہ صاحب ایسے غائب ہوتے جیسے گدھے کے سر سے سینگ۔

امجد لڑکی سے ملا۔ خدا جانے کیا باتیں ہوئیں لیکن سنیچر کو اُن دونوں کو سیٹی پر دیکھا گیا۔ لڑکی واقعی نہایت پیاری تھی۔ امجد اُس کے سامنے بالکل حکم کا غلام معلوم ہو رہا تھا۔ لیکن خوب اکڑ اکڑ کر چل رہا تھا۔

بڑی تو اب تعویذ پر باقاعدہ ایمان لے آیا تھا۔ بولا کہ میں یہ سب کچھ لکھ کر امریکہ کے سب سے مشہور سائنس کے رسالہ میں بھیجوں گا۔ میں نے اس قدر زود اثر اور کارآمد عمل آج تک نہیں دیکھا۔ یہ کسی جادو سے کم نہیں۔ معجزے ابھی ختم نہیں ہوئے۔ ہندوستان واقعی نہایت پراسرار جگہ ہے۔

تعویذ پر چاندی کا خول چڑھایا گیا۔ ہر دوسرے تیسرے ہم سب اُسے چومتے اور آنکھوں سے لگاتے۔

اب امجد کی تمام مشکلیں حل ہو چکی تھیں۔ صرف اُس کی شادی باقی تھی۔ لیکن یہ مشکل سب سے کڑی تھی۔ کیونکہ اُس کے ہونے والے خسر واقعی نہایت گرم خشک انسان تھے۔ امجد نے کئی مرتبہ پیغام بھجوایا۔ لیکن ہر مرتبہ پیغام واپس لوٹا دیا گیا۔

شیطان بولے۔ اس تعویذ کے سامنے وہ بزرگ تو کیا اُن کے فرشتے بھی سر جھکائیں گے تم آج ہی اُن سے ملو اور بغیر کسی تمہید کے اُن سے سب کچھ کہہ ڈالو۔ امجد نے یہی کیا۔ بزرگ نے ملاقا

کی وجہ پوچھی۔ امجد نے صاف صاف کہہ دیا کہ قبلہ میں آپ کا آنریری فرزند بننا چاہتا ہوں اور آپ کی دختر نیک اختر سے عقد کا خواہشمند ہوں، اس مرتبہ آپ ہرگز انکار نہیں کر سکتے۔ اگر آپ بحث کرنا چاہتے ہیں تو بسم اللہ۔ پہلے آپ کو میرے شہزادے پن پر اعتراض تھا۔ سو اب یہ خاکسار باقاعدہ ملازم ہے۔ اگرچہ تنخواہ صرف ڈھائی سو روپے ماہوار ہے لیکن اوپر کی آمدنی کافی ہے۔ مانا کہ یہ بہت زیادہ نہیں لیکن گستاخی معاف جب آپ کی شادی ہوئی تھی۔ تب آپ کیا کماتے تھے اور تب آپ کے کیا خیالات تھے۔ حضور والا اپنے خسر صاحب کے متعلق۔ یقیناً آپ بالکل میری طرح ہوں گے اور پھر شروع شروع میں ڈھائی سو روپے اتنی بری تنخواہ نہیں جبکہ اوپر کی آمدنی بھی شامل ہو۔ شاید آپ یہ فرمائیں گے آپ اپنے رشتہ داروں سے اس سلسلے میں دریافت کرنا چاہتے ہیں۔ سو یہ بالکل غلط ہے میں نے اپنے کسی رشتہ دار سے نہیں پوچھا اور پھر رشتہ دار بالکل الٹے سیدھے مشورے دیں گے۔ یہ ایک ذاتی معاملہ ہے اس میں کسی اور کا دخل نہیں ہونا چاہیے۔ آج آپ کو ہاں کرنی ہوگی ــــ اسی طرح امجد نے وہ ہنے اور ہائیں ہاتھ دے، کہ اُن بزرگ کو ہتھیار ڈالنے پڑے اور ہاں کرنی ہی پڑی۔

اسی شام کو ایک بھاری جشن منعقد ہوا۔ تعویذ پہننے کا خول چڑھایا گیا۔ شیطان کی معرفت ان پہنچے ہوئے بزرگ کو نذرانہ بھیجا گیا۔ میں نے اور بڈی نے شیطان کی بڑی منتیں کیں کہ کسی طرح ایک ایک تعویذ ہمارے لیے بھی لا دو تاکہ ہمارے بھی دن پھر جائیں۔ شیطان نے وعدہ کیا کہ وہ کوشش کریں گے۔ ہم تقریباً ہر روز تعویذ کو آنکھوں سے اور دل سے لگاتے۔

میں اور بڈی کیفے میں بیٹھے امجد اور مسز امجد کا انتظار کر رہے تھے۔ ہم بڑے مسرور تھے۔ کیونکہ شام کو شیطان نے تعویذ لانے کا وعدہ کیا تھا۔ ہم دونوں دل ہی دل میں اپنے مستقبل کے متعلق پروگرام بنا ہی رہے تھے ــــ کہ امجد اور مسز امجد پہنچے۔ آج امجد ایک ایسا دلیر، نڈر اور بے پروا نوجوان نظر آ رہا تھا۔ جس کی آنکھوں میں چمک تھی جس کے دل میں اُمنگیں تھیں اور جس نے ایک بہت اچھا سوٹ پہن رکھا تھا۔ باتوں باتوں میں

اُس شام کا بھی ذکر ہوا۔ جب امجد کو ہم نے اسی جگہ روتے بیٹھے دیکھا تھا۔ مسز امجد کے فراق میں۔ صرف چند مہینوں میں کیا سے کیا ہو گیا ــــ صرف ایک مقدس عمل کی بدولت اُس تعویذ کی برکت سے جو امجد کے بازو پر بندھا ہوا تھا۔ شیطان نے بھی دوستی کا حق ادا کر دیا تھا۔ نہ جانے کن کن مصیبتوں کے بعد یہ تعویذ دستیاب ہوا ہو گا۔ اگر آج امجد کے پاس یہ تعویذ نہ ہوتا تو غالباً وہ پھر یہیں بیٹھا سینڈوچز اور کیک کے ٹکڑوں پر آنسو بکھیر رہا ہوتا ــــ اور اب ہمیں بھی ایسے تعویذ ملیں گے، ہمیں اپنے اوپر رشک آنے لگا بار بار ہم دروازے کی طرف دیکھ رہے تھے۔ شیطان کے انتظار میں۔

بڈی نے تعویذ کی زیارت کرنی چاہی۔ امجد نے نہایت حفاظت سے تعویذ اتارا۔ اور بڈی کی ہتھیلی پر رکھ دیا۔ بڈی نے اُسے چوما۔ آنکھوں سے لگایا اور بولا "بھلا تعویذوں میں لکھا کیا ہوتا ہے؟" ہم نے بتایا "آیتیں ہوتی ہیں۔" بڈی سمجھ نہ سکا۔ اُسے بتایا کہ مقدس الفاظ ہوتے ہیں اور ایک خاص ترتیب سے لکھے جاتے ہیں۔ اُس نے پوچھا کہ بھلا اس تعویذ میں کون سے الفاظ ہیں ہم نے لاعلمی ظاہر کی۔ بڈی کہنے لگا۔ کیوں نہ اُسے کھول کر دیکھیں۔

امجد بولا۔ ہرگز نہیں۔ اس طرح بے ادبی ہوتی ہے۔ میں نے بھی کہا کہ گناہ ہو گا لیکن اسے کھولوں گا۔ اور الفاظ دیکھ کر بالکل اسی طرح بند کر دوں گا۔ پھر تم اسے بازو پر باندھ لینا۔

میں بھی سوچنے لگا کہ بھلا دیکھیں تو سہی۔ وہ کون سے الفاظ ہیں۔ جنہوں نے جادو کی طرح اثر دکھایا۔ میں نے بھی بڈی کا ساتھ دیا۔ امجد بولا۔ کھولنے سے تعویذ کی تاثیر جاتی رہے گی۔ بڈی بولا ــــ بھئی سچ پوچھو۔ تو اب اس تعویذ نے اپنا کام کر دیا ہے۔ اب تمہیں کسی مزید تاثیر کی ضرورت نہیں ہے۔ ہم نے مسز امجد سے پوچھا۔ انہوں نے اجازت دے دی۔ آخر امجد بھی مان گیا۔ اس شرط پر کہ اگر کوئی گناہ ہوا تو بڈی کے سر پر ہو گا۔

بڈی نے بڑی حفاظت سے خول کھولا اور تعویذ نکالا، پھر آہستہ آہستہ موم جامہ کھولنے لگا میری آنکھوں کے سامنے بھیچے ہوئے بزرگوں کے نورانی چہرے، فقیروں کے مزار سبز غلاف،

پھولوں کے ہار، جلتے ہوئے چراغ، مزاروں کے گنبد اور خانقاہیں پھرنے لگیں۔ جیسے عنبر اور لوبان کی خوشبو سے سب کچھ مہک اٹھا۔ جیسے پاکیزہ روحیں ہمارے گرد منڈلانے لگیں۔ مجھے فرشتوں کی پھڑپھڑاہٹ سنائی دینے لگی۔ ماحول کچھ ایسا مقدس سا ہو گیا تھا کہ میرا دل دھڑکنے لگا۔ ہونٹ خشک ہو گئے۔

بڈھی نے تعویذ کا کاغذ کھولا اور پڑھنے لگا۔ میں رہ نہ سکا۔ بڑی بے صبری سے کاغذ چھین لیا۔ کاغذ پہ شیطان کی مخصوص طرزِ تحریر میں یہ لکھا تھا۔

"ارے آیا کرو ادھر بھی مری جاں کبھی کبھی۔"

ننانوے ناٹ آؤٹ

بڑی مشکلوں سے ہم نے وہ میچ جیتا، یا یوں کہئے کہ ہارتے ہارتے بچے۔ سب سے زیادہ اسکور مقصود گھوڑے کا تھا۔ اُس نے صبح سے کھیلنا شروع کیا۔ کوئی اسٹروک ایسا نہ تھا جو اُس نے نہ دکھایا ہو۔ بولرز کو خوب سزا دی اور دو گھنٹے کے بعد تین رنز بنائیں۔ اسکے بعد جو اچھل اچھل کر کھیلا ہے تو دوپہر تک تین سے دس تک اسکور پہنچا دیا۔ لنچ کے بعد وہ بجد تیز کھیلا، آگے بڑھ بڑھ کر وہ ہٹیں لگائیں کہ پانچ رنز کا اضافہ اور کر دیا۔ جب ہم شام کو رو پیٹ کر جیتے اور آخری کھلاڑی نے آخری ہٹ لگائی تو مقصود گھوڑا بیس رنز بنا چکا تھا۔

ہمارے مخالف بھی کافی گئے گزرے تھے وہ بھی اسی طرح کھیلے تھے۔ اُن کی بولنگ کا یہ حال تھا کہ گیارہ کھلاڑیوں میں سے دس نے بولنگ کی تھی۔ گیارھواں وکٹ کیپر تھا اور مجبور تھا۔ ورنہ وہ بھی حسب توفیق مدد کرتا۔ کھیل دیکھنے والوں کا متفقہ فیصلہ تھا کہ دونوں ٹیموں کو یہ ڈر نہیں ہے کہ کہیں ہار نہ جائیں بلکہ یہ خطرہ ہے کہ کہیں جیت نہ جائیں۔

میں مقصود گھوڑے کو لے کر شیطان کے ہوسٹل میں پہنچا۔ اُن کے کمرے میں مدھم روشنی میں ایک بڑے سے پلنگ پر چند حضرات رضائیاں اوڑھے کھانا کھا رہے تھے شیطان بولے۔ "سردی زیادہ ہے اور ہم تھکے ہوئے ہیں۔" انھوں نے ہمارے لیے رضائی منگائی اور ہم بھی کھانے میں شریک ہو گئے۔ مقصود گھوڑے نے پوچھا —— "رومی صاحب آپ کیسے ہیں ؟"

شیطان بولے۔ "میں بفضلِ خدا تعالیٰ بخیریت ہوں اور خیر و عافیت آپ کی خداوند کریم سے نیک مطلوب ہوں، دیگر احوال یہ ہے کہ میں تندرست ہوں۔"

میں نے سیکنڈ شو کے لیے کہا اور پوچھا۔ "اب کیا بجا ہو گا ؟"

شیطان گھڑی دیکھ کر بولے۔ "جمعرات ہے۔"

ویسے سینما میں ابھی ایک گھنٹہ باقی تھا۔ شیطان بولے۔ "ایک گھنٹے کا کیا ہے دس منٹ میں گذر جائے گا۔ آج سینما اسی طرح چلیں گے —— رضائیاں اوڑھ کر —— اور نوکر حقہ ساتھ لے کر چلے گا۔"

بڑی بحث ہوئی۔ مقصود گھوڑا بولا —— "میں تو یہی مشورہ دوں گا کہ رضائیاں اوڑھ کر نہ چلیں بلکہ ——"

شیطان جلدی سے بولے: "میں آپ کو یہی مشورہ دوں گا کہ آپ مجھے مشورہ نہ دیں۔ آج رضائیاں اوڑھ کر چلنا ہو گا۔ سردی بہت ہے۔"

"اوورکوٹ پہن لو ——" میں نے کہا۔

"یہ اوورکوٹ کم بخت ایسا ہے کہ اُسے پہن کر اور زیادہ سردی لگتی ہے۔"

"یہ وہی اوورکوٹ تو نہیں جسے الٹوایا گیا تھا ؟"

"ہاں! وہی ہے! پہلے اُسے الٹوایا گیا تھا پھر سیدھا کرایا گیا ہے۔ لیکن کوئی فرق نہیں پڑا۔"

"یہ روشنی بہت مدھم ہے" کسی نے کہا۔

شیطان نے نوکر سے پوچھا۔ "کیوں یہ بلب کتنے ہارس پاور کا لائے ہو؟"
اس غریب نے بلب کی ہارس پاور بتادی۔
شیطان بولے۔ "آج بجلی ہی کم آرہی ہے۔"
شیطان چلتے وقت اپنی عینک ڈھونڈنے لگے، کسی نے بتایا کہ ایک عینک تو ان کی ناک پر رکھی ہے۔
بولے۔ "آج کل میرے پاس تین عینکیں ہیں۔ ایک دُور کی چیزیں دیکھنے کے لیے، دوسری نزدیک کی چیزوں کے لیے ــــ اور تیسری ان دونوں کو ڈھونڈنے کے لیے۔"
میں یہی سوچ رہا تھا کہ اگر جج صاحب کے کنبے میں سے کسی نے مجھے دیکھ لیا تو کیا کہیں گے ــــ ذرا سی دیر میں ہم ٹھنڈی سڑک پر رضائیاں اوڑھے جا رہے تھے اور ہمارے پیچھے نوکر حقہ اٹھائے آرہا تھا۔
سینما پہنچے۔ وہاں اتفاق سے میری نگاہ جج صاحب کی موٹر پر جا پہنچی۔ میں نے اندر جاتے وقت اپنی رضائی تو مقصود گھوڑے کے اوپر پھینکی اور شیطان کی نظر بچا کر دور جا بیٹھا۔ پیچھے مڑ کر دیکھتا ہوں تو جج صاحب بیٹھے تھے۔ میں بالکل سیٹ میں دھنس گیا کہ کہیں نظر نہ آجاؤں مگر ذرا سی دیر میں ننھی میرے سامنے کھڑی تھی مجھے پیچھے جانا پڑا۔ مجھے ننھی کی سیٹ ملی۔ جج صاحب نے پہلے تو میرے نہ آنے کی شکایت کی۔ میں نے امتحان کا بہانہ بنا دیا۔
پھر بولے۔ "تمھارے ساتھ وہ خواتین کون تھیں؟"
"کون سی خواتین؟"
"ابھی ابھی جو تمھارے ساتھ تھیں ــــ وہ جو سامنے بیٹھی ہیں۔" انھوں نے شیطان وغیرہ کی طرف اشارہ کیا جو حقہ پی رہے تھے۔
"ارے! لاحول ولا قوۃ! ــــ یہ خواتین تو حقہ پی رہی ہیں۔" وہ چونک کر بولے۔

"جی نہیں ۔۔۔ یہ خواتین نہیں ہیں ۔۔ کچھ اور ہی ہیں ۔"

"میں کہہ رہا ہوں کہ خواتین ۔۔ غضب خدا کا، مستورات کو حقہ پیتے میں آج پہلی مرتبہ دیکھ رہا ہوں ۔"

میں نے کن انکھیوں سے رضیہ کو دیکھا جو کن انکھیوں سے مجھے دیکھ رہی تھی۔ ان دنوں رضیہ مجھ سے روٹھی ہوئی تھی اور میں کافی بیزار تھا۔ شیطان مجھ سے بیزار تھے، بار بار وہ یہی کہتے کہ میاں، اگر بس یا لڑکی ہاتھ سے نکل جائے تو ذرا فکر نہیں کرنا چاہیئے ۔۔۔ دوسری ابھی آتی ہو گی۔

اُن دنوں جتنا میں اُسے منانے کی کوشش کرتا۔ اتنا وہ اور روٹھ جاتی۔ روٹھنے کی وجہ تھی ایک لڑکی جو ٹینس میں پارٹنر تھی۔ اس کا نام تو کچھ اور تھا۔ لیکن سب اسے 'عینک' کہا کرتے۔ اس کے خدوخال میں سب سے نمایاں چیز اس کی عینک تھی، بڑی لمبی چوڑی اور وزنی عینک۔ اگر میں رضیہ کی جگہ ہوتا تو ہرگز بدگمان نہ ہوتا نتھی نے ہمیں چند مرتبہ اکٹھے دیکھا اور رضیہ سے کہہ دیا۔ پھر ایک شام کو عینک نے کہا کہ "میرے ڈیڈی شام کی ٹرین سے گذر رہے ہیں ۔ مجھے سائیکل پر اسٹیشن لے چلیئے۔ اس کے پاس سائیکل نہیں تھی اور ٹرین میں بہت تھوڑا وقت تھا۔ میں اسے لے کر نکلا ہی تھی کہ رضیہ اور حکومت آ پائل گئیں۔ ادھر اسٹیشن پر ہمیں ایک نہایت ہی کرخت قسم کے دور اندیش بزرگ ملے۔ جنھیں ہرگز ڈیڈی نہیں کہا جا سکتا تھا۔

میرا اور شیطان کا امتحان نزدیک تھا اس لیے ہم دونوں جج صاحب کے ہاں سے ہوسٹلوں میں چلے آئے تھے۔ ان دنوں جج صاحب بڑی سرعت سے کوٹھیاں بدل رہے تھے۔ شیطان جب کبھی اُن سے ملتے یہی پوچھتے کہ آج کل آپ کہاں رہتے ہیں ۔

اُن کی پہلی کوٹھی میں ہمارے رہتے ہوئے چوری ہوئی۔ جج کے ہاں چوری۔ صبح صبح

پتہ چلا کہ رات کو چوری ہوئی ہے لیکن سب چیزیں جوں کی توں موجود تھیں۔ پتہ ہی نہ چلتا تھا کہ چرایا کیا گیا ہے۔ یہی معلوم ہوتا تھا کہ چور محض تفریحاً آئے تھے۔ بعد میں پتہ چلا کہ میرے سارے کپ جو انگیٹھی پر اور الماریوں میں رکھے تھے، غائب ہیں۔ خوب چمکیلے اور بڑے بڑے کپ تھے۔ سخت نامعقول چور نکلے۔

وہ کوٹھی ویسے بھی بھی سنسان سی جگہ میں۔ ایک مرتبہ سارا کنبہ کسی دوسرے شہر میں گیا ہوا تھا۔ میں اور شیطان سیکنڈ شو دیکھ کر دیر سے لوٹے، کوٹھی میں بالکل اندھیرا تھا۔ ہم دیوار کود کر چھوٹے راستے سے اندر چلے آئے۔ اندھیرے میں آہٹ سنائی دی۔ دبے پاؤں جا کر دیکھتے ہیں تو ایک صاحب تالا کھولنے کی کوشش فرما رہے تھے۔ جب تالا کھل گیا تو شیطان نے ان کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر بڑے شکایت آمیز لہجے میں کہا ——" یار بڑے افسوس کی بات ہے۔"

انہوں نے بھاگنے کی کوشش کی لیکن ہم نے انھیں کہیں جانے نہ دیا۔ اندر لے آئے انھیں چائے پلائی گئی۔ چاکلیٹ کھلائے گئے۔ پھر کپوں کے متعلق پوچھا گیا۔ انھوں نے قسم کھائی کہ انھوں نے نہیں چرائے۔ اگر وہ چوری کرتے بھی تو کپ کبھی نہ چراتے —— اسپورٹسمین معلوم ہوتے تھے ہم نے ہاتھ ملا کر انھیں رخصت کیا۔

جج صاحب نے کوٹھی بدلی۔ نئی کوٹھی میں بجلی کی فٹنگ بالکل غلط تھی۔ پنکھا چلاؤ تو قمقمے جلتے تھے، ٹیلیفون کرو تو پنکھا چلتا تھا۔ ریڈیو بجد ٹھنڈا رہتا۔ ادھر سرو نعمت خانے میں موسیقی سنائی دیا کرتی۔ پھر جو کوٹھی بدلی تو پڑوس میں دن رات قوالیاں، بینڈ بجتے، جلسے ہوتے غرضیکہ اسی طرح ہوتا رہا۔ اب جو نیا مکان ملا ایسی جگہ کہ آس پاس بے شمار لڑکیاں رہتی تھیں شام کو لڑکیاں اسکولوں اور کالجوں سے واپس لوٹتیں، خوب رونق ہوتی۔ شیطان نے اس جگہ کا نام مینا بازار رکھا، پروگرام یہ تھا کہ امتحان ختم ہوتے ہی ہم ہوسٹل چھوڑ کر جج صاحب کے مکان آجائیں گے۔

جج صاحب بدستور اُن خواتین کو دیکھ رہے تھے جو حقہ پی رہی تھیں۔

رضیہ نے دوپٹہ اس انداز سے رکھا تھا کہ مجھے صرف اس کی ناک کا ذرا سا حصہ نظر آرہا تھا۔ میرے خیال میں وہ اُن تمام ناکوں کے ذرا سے حصّوں سے حسین تھا جو میں نے آج تک دیکھے تھے۔ حکومت آپا مجھے بڑی بری طرح گھور رہی تھیں ۔۔۔ شیطان کا خیال تھا کہ حکومت آپا کو مجھ سے ایک حسرت آمیز نفرت تھی۔

میں ننھی کو کہانیاں سنا رہا تھا ۔۔۔ سنو ننھی ۔۔۔ ایک شخص اندھیری رات میں شیر کا شکار کھیلنے ایک بہت ڈراؤنے اور تاریک جنگل میں گیا۔ شیر بولا۔ تشریف لائیے ۔۔۔ اچھا ایک اور کہانی سنو ۔۔۔ سنو ۔۔۔ دو چیتے کے شکاری اور ایک چیتا۔ اس کے بعد ۔۔۔ ایک چیتے کا شکاری اور وہی چیتا ۔۔۔ اس کے بعد وہی چیتا ۔۔۔ ننھی باقاعدہ ڈر گئی ۔۔۔

چلتے وقت جج صاحب نے وعدہ کیا کہ وہ ہمارا اگلا میچ دیکھنے ضرور آئیں گے۔

ہمارے کلب کے کپتان گیدی صاحب تھے، اُن کا اصلی نام زیدی، مہدی، یا کچھ اسی قسم کا تھا۔ اُن کا قد بہت چھوٹا تھا اور بقول شیطان کے وہ سطح سمندر سے ساڑھے چار فیٹ بلند تھے۔ اُن کے ساتھ ہر وقت اُن کے دو مشیر ہوتے جو اتفاق سے کافی دراز قد تھے۔ گیدی صاحب ان کے درمیان میں چلتے شیطان نے ان تینوں کا نام ایک سو ایک - ۱۰۱ - رکھا ہوا تھا۔ اُن کے قدوں کے مطابق۔

ٹیم کی انتخابی کمیٹی بھی تھی جو ایک ممبر پر مشتمل تھی ۔۔۔ گیدی صاحب پر۔ بڈی بھی ہمارے کلب کا ممبر تھا۔ امریکہ میں وہ بیس بال کھیلتا رہا تھا۔ کرکٹ بھی وہ بیس بال کی طرح کھیلتا تھا۔ ہمارے کلب کی تاریخ میں یہ پہلا موقعہ تھا کہ ہم لگاتار تین میچ جیت کر فائنل کھیلنے والے تھے۔ سہ پہر کو ٹیم پریکٹس کے لیے آئی۔ گیدی صاحب میچ کے لیے بیٹنگ کی ترتیب دینے لگے شروع میں وہ اور مقصود گھوڑا ساتویں وکٹ پر بڈی، آٹھویں پر میں اور نویں پر شیطان جسا۔

لگانے کے بعد جب شیطان کو معلوم ہوا کہ وہ گیارھویں کھلاڑی ہیں تو مچل گئے۔ گیدی صاحب سے بولے: "مجھے گیارھواں کیوں بھیجا جا رہا ہے؟"

"اس لیے کہ کوئی بارھواں نہیں ہوتا" جواب ملا۔ "کپتان ہمیشہ صحیح اندازہ لگا سکتا ہے اُس کا نظریہ ہمیشہ درست ہوتا ہے۔"

شیطان بولے۔ "ہر شخص کے دو نظریے ہوتے ہیں — اُس کا ذاتی نظریہ — اور غلط نظریہ۔"

مصیبت یہ تھی کہ شیطان نہ بولر تھے نہ بیٹسمین، نہ وکٹ کیپر۔ اور اُن کا دعوےٰ تھا کہ ایک اعلیٰ درجے کی ٹیم میں پانچ بہترین بیٹسمین ہونے چاہئیں چار بہترین بولر، ایک اچھا وکٹ کیپر اور ایک روفی۔

ویسے تقریباً ہر میچ میں شیطان کا اسکور صفر ہوتا۔

ہر روز جب مشرق سے سورج نکلتا ہے تو کلیاں کھل کر پھول بن جاتی ہیں تتلیاں جاگ اٹھتی ہیں۔ پرندے چہچہانے لگتے ہیں۔ ہر روز سورج ڈوبتے وقت آسمان گلابی ہو جاتا ہے — چاندنی رات میں ایک عجیب رومانس آسمان سے زمین تک چھا جاتا ہے — لیکن حکومت آپا کو ان باتوں کا علم تک نہ تھا۔

جب ہم جج صاحب کی کوٹھی میں پہونچے تو عجب سہانا سماں تھا۔ ڈھلتے ہوئے سورج کی آخری شعاعیں ٹہنیوں اور پتوں پر رقصاں تھیں۔ باغیچے میں ایک فوارہ چل رہا تھا۔ گلاب کے سرخ پھولوں نے جیسے آگ سی لگا رکھی تھی۔ لیکن یہ سب کچھ بیکار تھا۔ کیوں کہ نزدیک ہی حکومت آپا بیٹھی تھیں۔

حکومت آپا مجھ سے خفا اس لیے ہوئیں کہ جب وہ موٹی ہو گئی تھیں تو میں نے اُن کو دبلا ہونے کا مناسب نسخہ نہیں بتایا تھا۔ میں نے فاقہ کشی تجویز کی، وہ بولیں۔ "نہیں کھانے کی ایسی چیز بتاؤ۔ جس سے دبلی ہو جاؤں۔"

بڑی مصیبتوں کے بعد میں نے ان کا لنچ چھڑایا۔ ایک روز جا کر دیکھتا ہوں تو وہ چائے پر پلاؤ کھا رہی تھیں ـــــ اور میں نے اُن کا لنچ پھر شروع کرا دیا۔

شیطان کا خیال تھا کہ وہ صبح صبح شام کلیاں گایا کرتی ہیں اور باتیں کرتے وقت وہ کہتی کچھ ہیں اُن کی نگاہیں کہیں اور ہوتی ہیں۔ دھیان کسی اور طرف، اور باتوں کا مطلب کچھ اور ہوتا ہے۔

ہمیں دیکھ کر وہ مسکرائیں ـــ اور سورج غروب ہو گیا۔

کھانے کے بعد مجھے یونہی خیال آ گیا کہ شیطان اور حکومت آپا دیر سے غائب ہیں۔ تلاش کرنے پر دیکھتا ہوں کہ دونوں فوارے کے پاس بیٹھے ہیں، اور رومان انگیز گفتگو ہو رہی ہے۔ میں چھپ کر سننے لگا۔

شیطان بولے ـــ "سچ مچ تم بہت پیاری معلوم ہو رہی ہو۔"

حکومت آپا بولیں ـــ "سچ مچ میرے پاس اس وقت روپے نہیں ہیں۔ ورنہ ضرور قرض دے دیتی۔"

شیطان بولے۔ "یقیناً ان چند مہینوں میں تمہاری رنگت نکھر آئی ہے۔ جب تم جون میں آئیں تو تمھاری جون بدلی ہوئی تھی۔"

"یقیناً میرے پاس روپے نہیں ہیں۔"

"روپے کون مانگتا ہے تم سے ـــ بھلا ایسی رومان پرور فضا میں جہاں باغ کا ایک تنہا گوشہ ہو، فوارہ چل رہا ہو، چاندنی چھٹکی ہوئی ہو اور تم سامنے ہو، وہاں روپے کا کیسے خیال آ سکتا ہے ـــ وہاں تو ایک معصوم سی آرزو دل میں کروٹ لینے لگتی ہے۔"

"سچ مچ؟" حکومت آپا شرما گئیں۔

"ہاں سچ مچ"

" بھلا اس وقت آپ کو کس چیز کی آرزو ہے۔"

" کلوروفارم کی" شیطان بولے۔ " اور جانتی ہو حکومت، انسان کا سب سے بڑا دشمن کون ہے؟"

"کون ہے؟"

" آئینہ! —— اور کئی انسان آئینے کو بھی دھوکا دے جاتے ہیں، آئینہ کچھ کہے۔ وہ ایک نہیں سنتے۔ اُن میں سے ایک تم ہو۔"

اب حکومت آپا کچھ بگڑنے لگیں۔ شیطان جلدی سے بولے —— " نہیں یہ بات نہیں ہے۔ یونہی منہ سے نکل گیا تھا۔"

پھر رومانی باتیں ہونے لگیں۔ حکومت آپا بولیں —— " رومانی ادب میں تمہاری محبوب کتاب کون سی ہے؟"

" ڈکشنری!" شیطان نے جواب دیا۔

حکومت آپا شیطان کے چہرے کو غور سے دیکھتی رہیں پھر بولیں —— " تمہاری ناک اتنی لمبی کیوں ہے؟"

شیطان نے ایک آہ بھری اور بولے —— " کیا بتاؤں ناک لمبی کیوں ہے، یہ فطرت کے راز ہیں۔ تم ہی بتاؤ کہ تمہارا ماتھا باہر کو کیوں نکلا ہوا ہے، تمہارے کان مڑے ہوئے کیوں ہیں، تمہارے دانت خرگوش کے دانتوں کی طرح کیوں ہیں —— حکومت تم ان ہستیوں میں سے ہو۔ جن سے اگر وقت پوچھا جائے تو وہ گھڑی بنانے کا طریقہ بتا دیں۔ تم ان صحرا نوردوں کی طرح ہو جو آج یہاں ہیں —— اور کل —— کل بھی یہیں ہیں۔ آج سے پانچ سال پہلے سب کہتے تھے کہ اس لڑکی کا مستقبل نہایت شاندار ہے اور اب سب کہتے ہیں کہ اس لڑکی کا ماضی ہی لاجواب ہوگا ——"

اب تو باقاعدہ لڑائی شروع ہوگئی اور مجھے بھی شامل ہونا پڑا۔

واپسی پر میں نے رضیہ کی بے رخی کا ذکر کیا، روٹھنے کی وجہ بتائی اور یہ بھی بتایا کہ اسی لیے میں نے عینک سے ملنا جلنا چھوڑ دیا ہے۔

شیطان بولے ــــ اگر میں تمہاری جگہ ہوں تو عینک کو ہر وقت سائیکل پر بٹھائے پھروں اور رضیہ کے گھر کے سامنے سے ہر روز دو مرتبہ گذرا کروں تاکہ وہ اچھی طرح دیکھ لے، یہ روٹھنا روٹھنا سب درست ہوجائے۔ میری مانو تو آج سے تم بھی رضیہ سے روٹھ جاؤ اور عینک کے ساتھ خوب چہلیں کرو اور پھر قدرت کا تماشا دیکھو۔"

میں نے اُن کو اپنا خواب سنایا۔ "کل رات میں نے خواب میں دیکھا کہ رضیہ نے آسمانی دوپٹہ اوڑھ رکھا ہے۔ جس میں سنہرے تارے ہیں اور روپلی ہالو جگمگ جگمگ کر رہا ہے۔ اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ ہے اور ہاتھ میں رنگ برنگے پھولوں کا گلدستہ ہے۔"

"تو جناب آج کل خواب بھی ٹیکنی کلر میں دیکھتے ہیں ــــ سب سے اچھا خواب جانتے ہو کیا ہے؟"

"کیا؟"

"یہی کہ کوئی خواب نہ آئے۔"

میں نے ان کو بتایا کہ جب سے رضیہ روٹھی ہے میں تنہا سا رہتا ہوں اور میں محبت میں خوش نصیب ہرگز نہیں رہا۔"

وہ بولے۔ "محبت میں خوش نصیب صرف ایک قسم کے انسان رہتے ہیں ــــ وہ ہیں کنوارے ــــ اور میاں اگر تم اپنے آپ کو تنہا محسوس کرتے ہو یا تنہائی سے ڈرتے ہو تو ہرگز شادی مت کرنا۔"

میں نے ایک رومان شروع کیا، وہ بولے۔ محبت کی بہترین اور مختصر ترین کہانی میں تھیں

سناتا ہوں — سنو — وہ بولا — کیا تم مجھ سے شادی کروگی ؟ — وہ بولی — نہیں — اور اس کے بعد وہ دونوں ہنسی خوشی رہنے لگے۔

ہمارا میچ شروع ہوا، کچھ چھٹیاں تھیں اور کچھ مینابازار کا قرب۔ ویسے بھی وہاں چاروں طرف لاتعداد ریٹائرڈ بزرگ رہتے تھے۔ وہ سب آئے۔ ساتھ بے شمار لڑکیاں آئیں۔ ہمارے کپتان نے حسبِ معمول ٹاس ہارا اور ٹیم فیلڈ کرنے چلی۔ لڑکیوں کی تعداد کا اندازہ ہمیں میدان میں پہنچ کر ہوا، جدھر نظر جاتی تھی۔ رنگ برنگے ملبوس دکھائی دیتے تھے۔

بڈی بولا — "ہوائے او ہوائے آج مجھے امریکہ یاد آرہا ہے۔"

گیدی صاحب نے چمکتی ہوئی نئی گیند میرے ہاتھ میں دی، میں فیلڈ جمانے لگا۔ شیطان کا اصرار تھا کہ اُن کو شامیانے کی طرف بھیجدیا جائے غالباً اس لیے کہ وہاں لڑکیوں کی تعداد زیادہ تھی۔ تالیاں بجیں اور بیٹسمین شامیانے سے روانہ ہوئے۔ ایک صاحب بیحد موٹے تھے اور دوسرے بالکل ذرا سے تھے اور کم عمر بھی تھے۔ کسی نے بتایا کہ یہ کسی یار جنگ بہادر کے لڑکے ہیں۔ شیطان چونک کر بولے۔ "اچھا؟ اتنا کم عمر اور ابھی سے ایک یار جنگ بہادر کا لڑکا — کمال ہے۔"

ان موٹے تازے حضرت کا نام قلندر صاحب تھا — شاید قلندر بیگ ہوگا یا قلندر حسین۔ یہ نام ہمیں یوں معلوم ہوا کہ جب میری تیسری گیند اُن کی توند سے چھو کر وکٹ کیپر کے برابر سے گذری تو یار جنگ بہادر کے صاحبزادے اِدھر سے چلا کر بولے — قلندر صاحب وہیں ٹھہرئیے۔ دوسرے اوور میں ہمیں پتہ چلا کہ چھوٹے صاحب کا نام چنو میاں تھا۔ انھوں نے ایک چھوٹی سی ہٹ لگائی اُدھر سے قلندر صاحب چلائے — چنو میاں وہیں ٹھہرئیے۔

دیر تک یہی ہوتا رہا اور وہ دونوں ایک دوسرے کو وہیں ٹھہرنے کے لیے کہتے رہے۔ ایک گیند بڈی کے سامنے سے گذری۔ لیکن اُس نے ہاتھ تک نہیں ہلایا۔ معلوم ہوا کہ جناب

لڑکیوں کو دیکھ رہے تھے۔ سفت کی باؤنڈری ہوگئی۔ قلندر صاحب نے ایک گیند ہوا میں اٹھا دی۔ شیطان اُسے بخوبی کیچ کر سکتے تھے۔ لیکن انہوں نے گیند کی طرف دیکھا تک نہیں۔ کچھ دیر کے بعد معلوم ہوا کہ سوائے بولر اور بیٹسمین کے ہر ایک رنگین لباسوں اور حسین چہروں کو دیکھ رہا تھا۔ یہاں تک کہ جب قلندر صاحب نے وکٹ کے سامنے ٹانگ اڑا دی اور ہم نے چلا کر اپیل کی تو امپائر چونک پڑے جیسے جاگ کر بولے اِیں؟ پھر آہستہ سے کہنے لگے بھئی معاف کرنا، میرا دھیان کسی اور طرف تھا۔ یہ امپائر اچھے خاصے قبر رسیدہ بزرگ تھے۔ یوں معلوم ہو رہا تھا کہ ہم ساری عمر بولنگ کرتے رہیں گے اور قلندر صاحب اور جنوّ میاں ساری عمر کھیلتے رہیں گے۔

دفعتہً قلندر صاحب نے ایک گیند آسمان میں چڑھا دی۔ گیند اونچی ہوتی گئی حتیٰ کہ نگاہوں سے غائب ہوگئی۔ ہم سب آسمان کی طرف یوں تک رہے تھے جیسے چاند دیکھ رہے ہوں۔ پھر ایک چھوٹا سا نکتہ نظر آیا اور ہم سب کیچ کرنے کے لیے بھاگے، وکٹ کیپر اور مقصود گھوڑا اتنے زور سے ٹکرائے کہ دونوں عارضی طور پر بیہوش ہوگئے۔ ہم سب ایک دوسرے کو دھکیل رہے تھے، ایک دوسرے سے جھگڑ رہے تھے۔ پھر گیدی صاحب للکارے ۔۔۔ "سب ہٹ جاؤ یہ کیچ میں کروں گا۔" گیدی صاحب دونوں ہاتھ یوں پھیلائے کھڑے تھے جیسے بڑے خشوع سے دعا مانگ رہے ہوں۔ گیند بلند فضاؤں سے اترنی شروع ہوئی اور گیدی صاحب نے ہاتھ اور بھی اونچے پھیلا دیئے ۔۔۔ گیند نیچے آئی۔ لیکن اُن کے ہاتھوں میں نہیں۔ شاید یہ گیند کی غلطی تھی ۔۔۔ وہ سیدھی اُن کے سر پر لگی۔ ٹپ سے آواز آئی ۔۔۔ گیند اچھلی۔ پھر ٹپ سے گری۔ پھر اچھلی، گری اور آہستہ سے ان کی گردن پر لڑھکتی ہوئی زمین کی طرف چلی۔ پھر یکلخت وکٹ کیپر صاحب جو آنکھیں بند کئے بیہوش پڑے تھے۔ چونکے اور گرتی گیند کو دبوچ لیا۔ ادھر گیدی صاحب دھڑام سے گرے اور کچھ دیر کے لیے بیہوش ہوگئے۔ قلندر صاحب آؤٹ ہوگئے جب وہ واپس جا رہے تھے تو شیطان

بولے۔ قبلہ اب آپ کے بغیر یہ میدان خالی خالی سا معلوم ہوگا۔ واقعی قلندر صاحب نہایت موٹے تھے۔

اب جو نئے صاحب آئے۔ انھوں نے شیطان کو دیکھا اور اُن سے لپٹ گئے۔ شیطان نے اب تک کوئی اشتیاق ظاہر نہیں کیا تھا۔

وہ بولے ـــ "آپ مجھے پہچانتے ہیں، میں وہی بیزار اختر ہوں۔"

شیطان نے بغور دیکھا اور بولے ـــ "ممکن ہے کہ آپ وہی بیزار ہوں لیکن اختر وہ ہرگز نہیں ہیں جو پہلے تھے۔"

وہ بولے ـــ "میں سچ مچ وہی ہوں، فقط ذرا بدل گیا ہوں، پہلے سے میرا قد چھوٹا ہو گیا ہے۔"

اب دونوں ہیں کہ باتیں کر رہے ہیں اور ہم سب انتظار کر رہے ہیں۔ آخر امپائر نے ٹوکا تب بیزار اختر صاحب نے کھیلنا شروع کیا۔ میری پہلی ہی گیند انھوں نے ہوا میں اٹھا دی۔ ایک صاحب کے پاس سے گذری۔ انھوں نے کوئی توجہ نہ دی۔ ایک اور صاحب کے پاس سے گذری تو انھوں نے دیکھا تک نہیں۔ جب میں نے اُن کا نام پکارا۔ تب چونک کر انھوں نے گیند اٹھائی اور از راہ کرم میری طرف پھینک دی۔ اب یہاں تک نوبت پہونچ چکی تھی کہ جس کھلاڑی کی طرف گیند جاتی فوراً اس کا نام لے کر اسے مطلع کیا جاتا۔

چنوّ میاں نے گھوم کر ہٹ لگائی۔ آگے مقصود گھوڑا دنیا ما فیہا سے غافل مراقبے میں کھڑا تھا۔ دھم سے گیند اُس کے پیٹ میں لگی۔ اس نے نعرہ لگا کر وہیں دبالی۔ چنوّ میاں آؤٹ ہو گئے اور انھیں جاتے دیکھ کر سب نے اطمینان کا سانس لیا۔ شیطان دوڑ سے بھاگے، بھاگے آئے اور میرے کان میں بولے۔ "وہ جو دو لڑکیاں دیکھ رہے ہو ـــ وہ چنوّ میاں کی رشتہ دار معلوم ہوتی ہیں۔"

لنچ پر معلوم ہوا کہ شیطان درست کہتے تھے۔ چنوّ میاں ان دونوں لڑکیوں کو لیے ہوئے آئے تعارف ہوا۔ ایک بوڑھے پروفیسر اپنی لڑکیوں سمیت آئے ہوئے تھے ـــ ایک

ہم جماعت مل گئی۔ رضیہ منہ پھیرے بیٹھی تھی۔ میرا جی چاہتا تھا کہ کہیں سے سوڈیڑھ سو لڑکیاں اور بھی آجائیں۔ تاکہ آج اس کے سامنے خوب چہلیں کی جائیں۔

شیطان بولے۔ "یہ ہجوم کافی بدمذاق معلوم ہوتا ہے کسی نے ہمارا آٹو گراف نہیں لیا۔"

لنچ کے بعد مجھے اور شیطان کو باؤنڈری پر بھیج دیا گیا۔ وہاں ہم باتیں کرنے لگے۔ گیدی صاحب نے ناراض ہو کر ہمیں واپس بلا لیا۔ اور بیٹسمین کے بالکل قریب کھڑے ہو کر فیلڈ کرنے کو کہا۔ ایسی جگہ بہت سنجیدگی سے فیلڈ کرنا پڑتا ہے ہم بہت گھبرائے، یہی دعا مانگ رہے تھے کہ کہیں کوئی کیچ نہ آجائے تھوڑی دیر میں ہم نے باتیں شروع کر دیں۔

میں نے کچھ کہا۔ شیطان بولے۔ "ملاؤ ہاتھ اسی بات پر۔" انھوں نے میری طرف ہاتھ بڑھایا۔ سنوں سے ایک چیز آئی اور ٹپ سے شیطان کی ہتھیلی سے چپک گئی، لاحول ولاقوۃ یہ تو گیند تھی۔ شیطان نے ایک نہایت لاجواب کیچ کیا تھا۔ اب ہم کھیل کی طرف متوجہ ہوئے پانچ وکٹوں پر اسکور ایک کھانوے تھا اور وہ بیزار اختر صاحب بیاسی ناٹ آؤٹ تھے۔

ارے! یہ تو سنچری پر تلا ہوا ہے۔

چائے کے بعد گیدی صاحب نے نئی گیند لی، مجھے بلایا گیا۔ میں نے بڑی تیز گیندیں پھینکیں۔ لیکن اُن بیزار صاحب پر کوئی اثر نہ ہوا۔ نئی گیند پر وہ اور بھی محتاط ہو گئے۔ اُدھر وہ قبر رسیدہ امپائر صاحب جو دن بھر کھڑے رہ رہ کر تنگ آچکے تھے۔ اپنے پرانے قصے سنا رہے تھے۔ "جب میں چھوٹا تھا تو یہ کیا کرتا تھا۔ جب میں چھوٹا تھا تو یہ بات یوں تھی۔" شیطان بولے ——— "اچھا تو کیا آپ سچ مچ کبھی چھوٹے بھی تھے۔" اور وہ ناراض ہو گئے۔ اسی خفگی میں انہوں نے میری اپیل پر نفی میں سر ہلا دیا۔

شام کو سات وکٹوں پر اسکور دو سو چالیس تھا۔ اور بیزار صاحب ننانوے ناٹ آؤٹ تھے۔

ہم لوگ زندگی سے تنگ آئے ہوئے تھے۔ ایک بڑی غریب تھا جو سب کو ہنسانے کی

کوشش کررہا تھا۔ لیکن اس کے لطیفوں پر کوئی ہنس ہی نہ رہا تھا۔ سب یہی کہتے کہ کبھی یہ تو میں نے پہلے ہی سے سن رکھا ہے۔ حالانکہ بڈی کے لطیفے ہمیشہ نئے ہوا کرتے تھے۔

جب ہم بڈی کی موٹر میں واپس جارہے تھے تو شیطان بولے۔" یار بڈی ذرا آہستہ چلاؤ۔ تم موٹر ہمیشہ اس طرح چلاتے ہو جیسے کسی حادثے کا ریہرسل کررہے ہو۔"

اگلے روز صبح اخبار جو پڑھتے ہیں تو اس میں شیطان کی خوب تعریفیں تھیں شیطان کے ایک کیچ کا ذکر نصف کالم میں تھا، بیزار صاحب کی خوب برائیاں کی ہوئی تھیں میں نے پوچھا، شیطان بولے ــــ اخبار کا رپورٹر وہاں موجود تھا۔ یہ اُس کی بے لاگ رائے ہے۔

جج صاحب ملے، بولے ــــ" اور کچھ بھی ہوجائے لیکن اُس لڑکے کی سنچری نہیں ہونی چاہیئے، وہ بہت بُری طرح کھیلا ہے۔ اگر وہ ایک اور رن بنا گیا تو مجھے سخت افسوس ہوگا۔"

کھیل شروع ہوا۔ بیزار صاحب ہر ایک گیند روک رہے تھے۔ ہجوم خاموش تھا۔ سب اُن کی سنچری کے منتظر تھے۔

شیطان کو ہر اوور کے بعد باؤنڈری سے میدان عبور کرکے دوسری طرف جانا پڑتا تھا۔ ایک اوور میں انہیں دیر سے خیال آیا کہ انھیں دوسری طرف ہونا چاہیئے تھا اور وہ غلط جگہ کھڑے ہیں، وہ سرپٹ بھاگے، بھاگتے بھاگتے انھوں نے ایک گیند بھی جو اُن کے قریب سے گذرنے والی تھی۔ انھوں نے یونہی پکڑلی ـــــ کیچ ہوگیا۔ شیطان نے پھر ایک حیرت انگیز کیچ کیا تھا۔ سب نے یہی سمجھا کہ شیطان جان بوجھ کر بھاگے تھے۔

اسکور وہی تھا۔ لیکن بیزار صاحب ابھی تک ننانوے ناٹ آؤٹ تھے اور ہم سب کے سینوں پر مونگ دل رہے تھے۔

یکایک ہجوم میں سے کسی نے چلّا کر کہا کہ اُس سے بولنگ کراؤ جس نے ابھی کیچ کیا ہے۔

گیدی صاحب کو نہ جانے کیا سوجھی۔ شیطان کو بلا کر گیند ہاتھ میں دے دی۔ شیطان نے آج تک کبھی میچ میں بولنگ نہیں کی تھی۔

گیدی صاحب نے پوچھا۔ "تم تیز گیند پھینکتے ہو یا آہستہ؟"

شیطان بولے۔ "مجھے کیا پتہ؟ — ابھی پھینک کر دیکھوں گا۔"

انہوں نے کئی مرتبہ قدم گنے اور مختلف جگہوں پر نشان لگائے۔ اس کے بعد جو کچھ ہوا۔ وہ شیطان اور کرکٹ دونوں کے لیے معجزہ تھا اور بقول شیطان کرکٹ کی تاریخ میں سنہرے الفاظ سے لکھے جانے کے قابل تھا۔ شیطان نے رومال سے گیند خوب صاف کی۔ اِدھر اُدھر دیکھا اور عجب بے ڈھنگے طریق سے بھاگنا شروع کیا۔ وکٹوں کے پاس آکر اُن کے قدم غلط ہو گئے اور ایک نہایت ہی بیہودہ گیند انھوں نے پھینکی۔ بیزار صاحب نے آگے بڑھ کر بلّا گھمایا اور ایک عذر یہ گیا۔ لوگ چلّانے لگے۔ لوگ جنگھاڑنے لگے۔ لوگ پاگل ہو گئے — میدان تالیوں سے گونج اٹھا — بیزار صاحب کی سنچری پر نہیں بلکہ اُن کے آؤٹ ہونے پر۔ شیطان کی اس بیہودہ سی گیند نے اس بیہودگی سے اُن کی وکٹیں اڑائیں کہ وہ ننانوے پر آؤٹ ہو گئے۔

اس کے بعد تھوڑی ہی دیر میں ہم نے باقی کے کھلاڑیوں کو آؤٹ کر دیا۔ ساری ٹیم دو سو چالیس پر آؤٹ۔ شیطان کی خوب تعریفیں ہوئیں۔ شاباش دینے کے بہانے انھیں پیٹ پیٹ کر رکھ دیا۔

اب ہماری اننگز شروع ہوئی۔ میں اور عنایت رضیہ کے قریب بیٹھے تھے اور وہ دزدیدہ نگاہوں سے ہمیں دیکھ رہی تھی۔ بنی الف ٹیم فیلڈ کرنے چلی اور شیطان کیمرہ لے کر لپکے۔ اُن کی تصویریں اتاریں۔ پھر گیدی صاحب اور مقصود گھوڑا بلّے لے کر تماشا بنانے سے چلے۔ شیطان نے

باقاعدہ پوز کرا کر اُن کی تصویریں اتاریں۔ ہم دیر تک شامیانے میں نہ بیٹھ سکے۔ ہمارے کھلاڑی یکے بعد دیگرے آؤٹ ہوتے چلے گئے۔ ہمارے مخالف بولرز نہایت خطرناک ثابت ہوئے یا ہمارے بیٹسمین شامیانے کی طرف دیکھتے رہے ـــــ جو کوئی کھیلنے جاتا وکٹوں کو ہاتھ لگا کر واپس آجاتا۔ جب ساتویں وکٹ پر بڈّی گیا تو اسکور چھتیس تھا۔ بڈّی کے منہ پر چیونگ گم تھا اور ہاتھوں میں بلّا جسے اُس نے ہیں بال کے اسٹائل پر پکڑ رکھا تھا۔ جاتے ہی اس نے ترچھے بلّے سے ایک چوکا لگا دیا۔ اگلی گیند پر پھر چوکا، پھر چھکّا، پھر چوکا۔ غرضیکہ بولرز کے چھکّے چھڑا دیئے۔ تیز اور آہستہ، ہر قسم کی بولنگ کو وہ ایک ہی لاٹھی سے ہانک رہا تھا۔ ادھر بولر چلتا، ادھر بڈّی چلتا جہاں گیند زمین پر پڑتی۔ وہیں ہٹ لگتی۔ لیکن بڈّی زیادہ دیر نہ ٹھہر سکا۔ اس کے آؤٹ ہوتے ہی بقیہ کھلاڑی بھی نکل گئے ـــــ ساری ٹیم ننانوے پر آؤٹ۔ اسی ننانوے پر جو بیزار اختر اکیلے کا اسکور تھا۔

جج صاحب نے فیصلہ صادر فرما دیا کہ ہم ضرور ہاریں گے۔

لنچ پر گیدی صاحب بجد بیزار تھے۔ میں اور عینک باہر گھاس پر بیٹھے سلیقہ سے کھا رہے تھے۔ وہ اپنی کسی سہیلی کا ذکر کر رہی تھی۔ اتنے میں شیطان آگئے۔ بولے۔ "کیا آپ اسی لڑکی کا ذکر تو نہیں کر رہی ہیں جو لباس بہت اچھا پہنتی ہے؟"

"ہاں!"

"اور جسے لباس لگتا بھی خوب ہے۔"

"ہاں۔"

"اور جو گاتی بھی خوب ہے۔"

"اور جو بلا کی حسین ہے۔"

"ہاں ـــ کیا آپ اس سے ملے ہیں؟"

"نہیں، اب تک تو نہیں ملا۔ لیکن ایسی لڑکی سے کون ملنا نہ چاہے گا۔ کیا آپ کبھی اس سے تعارف کرا دیں گی؟"

"ضرور!"

شیطان اس لڑکی کو بالکل نہیں جانتے تھے، ہم دونوں نے اُسے کبھی نہیں دیکھا تھا شیطان بڑا اشتیاق ظاہر کر رہے تھے۔ دفعتہً ہمیں ایک ایسی ہستی نظر آئی کہ شیطان کے دیوتا کوچ کر گئے۔ یہ مس ریچھ تھیں۔ ان پر شیطان چند ماہ پہلے بُری طرح عاشق تھے۔ عاشق کیا بالکل دیوانے بنے ہوئے تھے۔ اُدھر مس موصوفہ میں کوئی ایسی بات نہیں تھی۔ جس پر کوئی عاشق ہوتا ہوا اچھا لگے۔ یہ نام اُن کو خوب زیب دیتا تھا۔ وہ بے حد طویل و عریض تھیں۔ اُن کی والدہ شیطان کو کبھی تو بہت پسند کرتی تھیں اور کبھی بہت ناپسند۔ ویسے وہ بھی اسی سانچے کی بنی ہوئی تھیں، بس ذرا سا پرانا ماڈل تھیں۔ وہ میک اپ خوب کرتی تھیں۔ بعض اوقات تو وہ اپنی بیٹی سے قدرے حسین معلوم ہوتیں۔

شیطان کا خوب مذاق اڑتا — ریچھوں کے سائے میں ہم پل کر جوان ہوئے ہیں — سو نعمتیں کھا کھا کے پلا ریچھ کا بچہ — تو ہی ناداں چند ریچھوں پر قناعت کر گیا — مانا کہ ترے ریچھ کے قابل نہیں ہوں میں، تو اپنا ریچھ دیکھ مرا انتظار دیکھ — لیکن شیطان باز نہ آئے اور اس وقت تک عاشق رہے جب تک ان کا موڈ عاشقانہ رہا۔ پھر خود بخود راہِ راست پر آ گئے۔ مس ریچھ سے تعارف نہایت پر لطف رہا ہوا یوں کہ میں اور شیطان چھٹیوں سے واپس آ رہے تھے۔ ایک جنکشن پر گاڑی بدلی، دوسری گاڑی چلنے والی تھی۔ بھاگا دوڑی میں سامان رکھوا رہے تھے کہ ہجوم میں ایک سفید ریش اور ضعیف شخص دکھائی دیا جو ایک منے بچے کی انگلی پکڑے جا رہا تھا۔ شیطان کو ایسے موقعوں پر فوراً ترس آ جاتا ہے۔ اپنی جیبیں ٹٹول کر بولے — "میرے پاس نوٹ ہیں تمہارے پاس کچھ ٹوٹا ہو تو اس بیچارے فقیر کو دو۔" جلدی تھی، گھبراہٹ میں کچھ ملتا ہی نہ تھا، بڑی مشکل سے دو آنے ملے۔

جلدی سے اس فقیر کو دیئے اور قلیوں کے پیچھے بھاگے۔ ڈبے میں کافی جگہ تھی گاڑی چلنے سے ذرا دیر پہلے کسی کا بہت سا سامان آ گیا۔ اس کے بعد ایک سالم کنبہ۔ اور اس کے بعد وہی فقیر اس بچے کے ساتھ آیا اور بیٹھ گیا۔ سارا کنبہ اسے اباجان اباجان کہہ رہا تھا۔ لاحول ولا قوۃ ـــــ ہم بڑے شرمندہ ہوئے وہ بزرگ جو ہمیں اس وقت فقیر معلوم ہوئے تھے۔ نہایت معزز قسم کے مالدار حضرات نکلے۔ کچھ تو ان کا لباس ضرورت سے زیادہ سادہ تھا۔ کچھ ہم ضرورت سے زیادہ گھبرائے ہوئے تھے اور کچھ شیطان کو ضرورت سے زیادہ ترس آ گیا۔ انہوں نے ہمارے دو آنے واپس کیے اور بڑے مزے کی باتیں ہوئیں۔ اسی کنبے میں مس ریچھ بھی تھیں۔ بس شیطان نے آؤ دیکھا نہ تاؤ فوراً عاشق ہو گئے۔ واپسی پر بڈی کو بتایا گیا، وہ بولا۔ "شاید یہ پانچویں لڑکی ہے جس پر تم اس سال عاشق ہوئے ہو۔"

شیطان بولے۔ "نہیں چوتھی ہے ـــــ ایک لڑکی پر میں دو مرتبہ عاشق ہوا تھا۔"

وہ تو شیطان کی خوش قسمتی سے مس ریچھ نے ہمیں دیکھا نہیں۔ ورنہ وہ سیدھی ہماری طرف آتیں۔

ہم فیلڈ کرنے جا رہے تھے تو ننھی آئی۔ بولی۔ "آپ اس طرح گیند کیوں نہیں پھینکتے۔؟"

پوچھا۔ "کس طرح؟"

بولی۔ "اسی طرح جیسے اس روز پھینکی تھیں۔"

پوچھا۔ "کس روز؟"

بولی۔ "میں بھول گئی۔ ٹھہریئے ابھی پوچھ کر بتاتی ہوں۔"

اور سیدھی رضیہ کے پاس گئی ـــــ اچھا تو یہ سلطانہ رضیہ صاحبہ ہمیں ہدایات دے رہی تھیں۔ ننھی نے مجھے ایک کاغذ کا پرزہ لا کر دیا۔ میں نے سر ہلا کر کہا ـــ "اچھا۔"

گیدی صاحب غلطی پر غلطی کر رہے تھے۔ انہوں نے شیطان سے بولنگ کرائی شیطان کی خوب پٹائی ہوئی۔ پھر گیدی صاحب کو جو جوش آیا تو انہوں نے خود بولنگ شروع کی اور وہ گیندیں پھینکیں جن کے متعلق اُن کا ذاتی خیال یہ تھا کہ گگلی ہیں۔ لیکن تھیں وہ کچھ بھی نہیں ـــــ اسکور خوب بڑھتا جارہا تھا۔ شیطان بار بار شرط بدتے ـــــ "لگاتے ہو دس روپے چھوٹے میاں پچاس سے اوپر اسکور کریں گے"۔ میں برابر انکار کرتا رہا۔ اس وقت میں بالکل کنگال تھا۔

چار رن کے چار کھلاڑی آؤٹ ہوئے تھے اسکور ڈیڑھ سو تھا۔ نغمی نے پھر ایک کاغذ کا پرزہ لاکر دیا اور پھر میں نے سر ہلا کر کہا۔ "اچھا"۔

وہ پھر آئی ـــــ بولی۔ "آپا کہہ رہی ہیں کہ آپ نے ہمارا کہا نہیں مانا"۔

میں نے کہا۔ "ابھی مانتا ہوں"۔

میں نے گیدی صاحب کو بڑی مشکل سے منایا نئے سرے سے فیلڈ جمائی۔ دن بھر کے کھیل سے وکٹ کافی خراب ہو چکی تھی پہلی گیند ایسی تیز بریک ہوئی کہ میں حیران رہ گیا۔ خود بخود اتنی تیز گیندوں پر اتنے بریک ہو رہے تھے۔ گیدی صاحب بولے ـــــ "یہ اتنے تیز بریک تم نے کب سے شروع کیے۔؟"

میں نے کہا۔ "آج سے ـــــ بلکہ ابھی سے۔"

ایک ہٹ کو بڈی نے یوں دبوچ لیا جیسے کوئی اڑتے ہوئے بٹیر کو دبوچ لے ـــــ یہ بزار صاحب آؤٹ ہوئے تھے۔ جب بزار صاحب شامیانے کی طرف جارہے تھے تو ان کے آؤٹ ہونے پر سب خوش تھے سوائے بزار صاحب کے۔

اگلی گیند کو کھلاڑی نے گلانس کیا اور بڈی نے زمین پر لیٹ کر گیند پکڑ لی۔ اب تو شور مچ گیا۔ دو گیندوں پر دو کھلاڑی آؤٹ۔ آوازیں آرہی تھیں کہ ہیٹ ٹرک کر دو ہیٹ ٹرک کر دو۔ لوگ طرح طرح کے مشورے دے رہے تھے۔ ہیٹ ٹرک کا

خیال ہی ایسا ہے کہ ماتھے پر پسینہ آجاتا ہے۔ میں نے سوچا دوچار کچھ نہیں دوڑ سے بھاگا بھاگا آیا اور گیند پھینک دی۔ بالکل معمولی سی گیند تھی، کھلاڑی نے گھوم کر ہٹ لگائی۔ گیدی صاحب نے اچھل کر ہوا میں کیچ کرنے کی کوشش کی۔ ان کا ہاتھ پہنچا بھی، گیند ہاتھ سے چھوئی بھی، لیکن کچھ نہ بنا۔ گیند کا رخ بدل گیا۔ وکٹ کیپر نے بائیں ہاتھ ہوا میں لہرایا۔ لیکن کیچ پھر بھی نہ ہوا، گیند پھر چھوئی اور رخ بدل گیا، اتنے میں بڈی بجلی کی طرح تڑپا اور گرتی گیند دبوچ لی۔ ہیٹ ٹرک ہو گیا۔ سچ مچ کا ہیٹ ٹرک۔

گیدی صاحب نے اپنا چھوٹا سا ہیٹ ٹرک سر پر رکھ دیا۔ میں نے وہی ہیٹ بڈی کے سر پر رکھ دیا۔ میرے اگلے اوور میں بڈی نے لیگ کی طرف ایک اور بہت اچھا کیچ کیا۔ ایک کیچ معقود گھوڑے نے بہت دور باونڈری لائن پر کیا۔ ایک سو اٹھائیس پر ساری ٹیم آؤٹ۔ چھ وکٹیں میری تھیں — محض لیگ تھیوری کی بدولت — اور یہ مشورہ رضیہ کا تھا۔ ہماری ٹیم اب جیت ہو گئی تھی۔ سب کے چہروں پر امید کی جھلک رہی تھی۔

عینک نے دوڑ کر میرا استقبال کیا۔ شیطان دوڑے دوڑے آئے اور میرے کان میں بولے — "اگر تم مجھے کسی طرح ریچھ سے محفوظ رکھ سکو تو کل کے اخبار میں تمہاری تعریفیں ہی تعریفیں ہوں گی۔"

پوچھا۔ "کیوں کر؟"

بولے۔ "رپورٹر میرا دوست ہے، اور سب کچھ میرے کمرے میں بیٹھ کر لکھتا ہے۔"

میں انھیں سیدھا حکومت آپا کے پاس چھوڑ آیا۔ جہاں ریچھ تو کیا، بھوت جن بھی نہیں پھٹک سکتے۔ ننھی نے مجھے ایک چاکلیٹ دیا۔ پوچھا۔ "کس نے دیا ہے؟"

بولی۔ "آپا نے۔"

پوچھا۔ "کون سی آپا نے؟"

بولی۔ "نہیں بتاتے۔"

میں نے سر ہلا کر کہا۔ "ہم نہیں لیتے۔"

بولی۔ "ان آپا نے۔"

میں نے ایک پرزے پر شکریہ لکھ کر اُسے دیا اور کہا۔ "یہ رضو کو دینا۔"

بولی۔ "آپ ہماری آپا کا ادب نہیں کرتے۔ صرف رضو کہتے ہیں۔"

میں نے کہا۔ "آپا ہوں گی تمہاری، ہماری تو وہ صرف رضو ہیں۔"

بولی۔ "میں ابھی جا کر کہتی ہوں۔"

اب ہمیں جیتنے کے لیے تین سو رنز درکار تھیں۔ برابر ہونے کے لیے دو سو ننانوے، اور ہارنے کے لیے دو سو اٹھانوے یا اس سے کم۔ شام ہو چکی تھی۔ کل تیس پینتیس منٹ باقی تھے۔ روشنی کم تھی۔ گیدی صاحب اور اُن کے لمبے لمبے مشیروں نے کچھ کانفرنس ہی کی اور بولے — "اگر شروع کے اچھے کھلاڑی اس وقت گئے تو کہیں آؤٹ نہ ہو جائیں، بہتر یہی ہوگا کہ اناڑیوں میں سے دو کو بھیج دیں۔ اگر وہ آؤٹ بھی ہو گئے تو کوئی نقصان نہ ہوگا۔ ممکن ہے کہ وقت نکال جائیں۔"

بڈھی کو اور مجھے چنا گیا۔ ہمیں بے شمار ہدایتیں دی گئیں۔ ہم دونوں میں سے آج تک کوئی شروع میں نہیں گیا تھا۔ بڈھی کی خاص طور پر منتیں کی گئیں کہ بس گیند روک لینا، ہٹ وغیرہ ابھی مت لگانا۔

جب ہم دونوں بلّے لے کر میدان میں گئے، تو چاروں طرف تالیاں بج رہی تھیں اور مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے میں کوئی بہت مشہور کھلاڑی ہوں اور ابھی کچھ کا کچھ کر کے رکھ دوں گا۔

کھیل شروع ہوا۔ چمکتی ہوئی نئی گیند بجلی کی طرح آتی اور جھلک دکھا کر نہ جانے کہاں غائب ہو جاتی، میں دیکھتا رہ جاتا، اُدھر بڈھی بھی حیران کھڑا تھا کہ یہ کیا ہو رہا

ہے۔ وہ بھی گیند نہ چھو سکا۔ تیسرے اوور میں گیند بلّے کی ملاقات ہوئی۔ گیند بولر کے ہاتھ سے نکلی، خیال آیا کہ کٹ کروں۔ ابھی پاؤں اٹھایا ہی تھا کہ گیند کا رخ بدل گیا۔ سوچا کہ ڈرائیو کروں گا، رخ پھر بدل گیا۔ میں بک کی تیاری کر رہا تھا کہ پھر ایک دم روکنے میں مصلحت سمجھی اور گلانس خواہ مخواہ ہو گیا، گیند نہایت تیز تھی۔ باؤنڈری ہو گئی۔ اب کچھ ہمت بندھی۔ جہاں گیند زمین سے چھوئی اچھل کر وہیں اسے روک لیتا۔ میں بالکل کتاب کی نقل کر رہا تھا۔ سیدھے بلے سے جب گیند کو آئینہ دکھاتا تو نعرے لگتے ۔۔۔ "اسٹائلش۔ بہت اچھے"

بڈی کو گیند روکنا مصیبت ہو گئی، ہر گیند پر وہ ہٹ لگانے کے لیے بلّا اٹھاتا لیکن پھر کچھ سوچ کر صرف روکنے پر اکتفا کی۔ لیکن ایسے عجیب طریقے سے روکتا جیسے بلّے سے گیند کو زمین میں ٹھونک رہا ہو، اس نے تھوڑی ہی دیر میں گیند کی چمک دمک سب اتار کے رکھ دی۔

خدا خدا کر کے وقت ختم ہوا۔ جب ہم تالیوں کے شور میں واپس لوٹے تو میں گیارہ ناٹ آؤٹ تھا اور بڈی پندرہ ناٹ آؤٹ۔

رات کو میں نے شیطان سے تصویروں کے متعلق پوچھا کہ "فلم کب دھلواؤ گے۔"

بولے ۔۔۔ "کون سی فلم؟"

کہا۔ "آج جو تصویریں اتاری ہیں، وہ فلم۔"

بولے ۔۔۔ "کیمرہ تو خالی تھا۔ آج کل فلمیں ملتی کہاں ہیں؟"

پوچھا ۔۔۔ "تو پھر تصویریں اتارنے میں کیا مسخرا پن تھا؟"

بولے ۔۔۔ "ویسے ہی ذرا لطف رہتا ہے۔ ہاتھ میں کیمرہ ہو تو انسان ذرا اسمارٹ معلوم ہوتا ہے۔"

اگلے روز اخبارات میں میری بہت تعریفیں تھیں۔ لطف یہ ہے کہ بولنگ کا اتنا ذکر

نہیں تھا نا بیٹنگ کا ـــــ یہ سب شیطان کی کرامات تھی۔

اگلی صبح جج صاحب نے مجھے مشورہ دیا کہ بس گیندیں روکتے رہو، باہر جاتی ہوئی گیند کو مت چھوؤ اور زبردستی ہٹ مت لگاؤ، اسکور خود بخود ہوتا رہے گا۔

کھیل شروع ہوا۔ ہم گیندیں روک رہے تھے، گیند سیدھی آتی۔ اُسے روک لیتے جو باہر جاتی اسے چھوڑ دیتے۔ تھوڑی دیر میں ہمیں پتہ چلا کہ رنز خود بخود ہو رہی ہیں۔ ہم دونوں نے اسکور کو ٹک پہنچا دیا۔ بڈی آہستہ آہستہ اپنی اصلیت پر آ رہا تھا اور پھر جب تیسے تحسی نے اس کا کیچ کر لیا ـــــ بیالیس رنز کر کے وہ آؤٹ ہو گیا۔ گیڈی صاحب آئے۔ لیکن بہت ڈرے ہوئے تھے۔ ایک معمولی سی گیند پر وہ آؤٹ ہو گئے۔ آؤٹ ہوتے ہی انہوں نے نعرہ لگایا ـــــ "بہت اچھی گیند تھی ـــــ گگلی تھی!" ـــــ بولر کی تعریفیں کرتے ہوئے واپس چلے گئے۔ مقصود گھوڑا آیا ـــــ اس نے ذرا کھیل جما دیا۔ مجھے اب گیند نٹ بال جتنی دکھائی دے رہی تھی ـــــ

ہم لنچ کے لیے گئے تو سورج بھی لنچ کے لیے چلا گیا۔ بادلوں میں جا چھپا۔ لنچ کے بعد ایک ہی اوور میں ہمارے دو کھلاڑی نکل گئے۔ دو سو پر نئی گیند آئی اور مجھے ایک مرتبہ پھر قیامت کا سامنا کرنا پڑا۔

میں آہستہ آہستہ تھکتا جا رہا تھا۔ اب مجھے پتہ چلا کہ بیٹنگ بہت مشکل چیز ہے۔ آج تک کبھی اتنی دیر وکٹوں پر ٹھہرنے کا اتفاق نہیں ہوا تھا میری ٹانگیں شل ہو چکی تھیں، کمر بری طرح دکھ رہی تھی، میرا اسکور ستر ناٹ آؤٹ تھا۔ میں نے آج تک اتنا اسکور کبھی نہیں کیا تھا۔ سب کہہ رہے تھے کہ سنچری کرو اور میرا کھانے کو بالکل جی نہ چاہتا تھا۔ چائے پر ہمارا اسکور ڈھائی سو تھا۔ شیطان اور عینک کی سہیلی باتیں کر رہے تھے۔ وہ بولی: "مجھے لیفٹ ہینڈر زیادہ پسند ہیں، وہ کھیلتے ہوئے بہت اچھے لگتے ہیں۔"

شیطان بولے: "میں آج بائیں ہاتھ سے کھیلوں گا۔ اگرچہ میں نے بولنگ دہنے ہاتھ سے کی ہے

اور پھر یہ کرکٹ تو ہے بھی میرے بائیں ہاتھ کا کھیل۔"

مجھے ایک طرف لے جا کر بولے۔ "اس لڑکی نے مجھے ایک نئی روح پھونک دی ہے۔ تم دیکھنا آج میں کیسا کھیلتا ہوں۔ اور ہاں آج رضیہ دن بھر اداس رہی ہے، روٹھا سب ختم ہو چکا ہو تو جب بلائے بیٹک چلے جانا اور ——— مہرباں ہو کے بلا لو مجھے چاہو جس وقت ——— والا برباد کرنا۔"

چائے کے بعد پہلی گیند پر ایک وکٹ نکل گئی۔ اب ایک ایک گیند پر تالی بجتی تھی۔ اسکور کرو نہ کرو ہٹ لگاؤ نہ لگاؤ چاہے رکتے رہو یا صاف چھوڑ دو شور ضرور مچتا تھا۔

یکلخت ہجوم خاموش ہو گیا۔ چاروں طرف ناامیدی چھا گئی۔ اب آخری کھلاڑی آرہا تھا۔ شیطان اپنی عینک سنبھالتے، بلا گھماتے، ایک عجب شان سے تشریف لا رہے تھے آتے ہی انہوں نے لیفٹ ہینڈ کا اسٹائل بنایا میں نے بڑی منتیں کیں، کہ "آج داہنے ہاتھ ہی سے کھیلو یہ بائیں ہاتھ کا شوق پھر پورا کر لینا۔"

بولے۔ "ہرگز نہیں ——— تم دیکھنا تو سہی، اگر زندگی نے وفا کی تو اسکور پورا کر کے دکھاؤں گا ——— جب میں جیتنے کی ہٹ لگاؤں گا تو عینک کی سہیلی کا چہرہ فخر سے اونچا ہو جائے گا۔"

شیطان کے محبوب سٹروک، وہ ہیں ——— لیگ، بائی اور آف بائی۔ کبھی گیند بیٹ دوں سے بچ کر بلے میں بھی لگ جاتی ہے اور جب بلے سے نکل جائے تو لازمی طور پر وکٹوں میں جاتی ہے۔ آؤٹ ہونے کے بعد شیطان ہمیشہ بلے کو اس انداز سے دیکھتے ہیں۔ جیسے اس میں کہیں سوراخ تھا جس میں سے گیند نکل گئی۔

پہلی گیند شیطان کی ٹھوڑی کے نیچے سے نکل گئی۔ دوسری گھٹنوں میں سے، تیسری ناک کو چھوتی ہوئی گئی۔ چوتھی کمر میں لگی ——— لیکن شیطان لیفٹ ہینڈ کا اسٹائل بنائے کھڑے رہے۔

پہلے اوور کے بعد شیطان مجھ سے سنہ آ سے کیونکہ انہوں نے سمجھا کہ کھیل کے سلسلے میں مشورہ لینے آئے ہوں گے۔ خوب تالیاں بجیں۔ شیطان بولے۔ "وہ دیکھو شامیانے کے اس کونے میں علینک کی سہیلی بیٹھی ہے۔"

میں نے بتایا کہ یہ تو کوئی اور ہے۔ اور ساتھ ہی انہیں عینک کے شیشے صاف کرنے کو کہا۔ انہوں نے شیشے صاف کئے اور بولے ——"تو ہجوم میں کہیں ہو گی۔ کاش کہ اس وقت ایک دوربین ہوتی —— اور یہ پوائنٹ پر جو کھلاڑی کھڑا ہے۔ اس کی مونچھیں مجھے اندر تک ڈرائیں گی۔

اگلے اوور کے بعد پھر مجھے ملے اور بولے۔ "جانتے ہو یہ وکٹ کیپر علینک کی سہیلی کا کوئی عزیز ہے بیچارے نے آج ایک بھی کیچ نہیں لیا۔ جی چاہتا ہے، اسے ایک کیچ کرا دوں"——

میں نے پھر ان کی منتیں کیں اور وہ بمشکل باز آئے۔

شیطان اتنی بری طرح کھیل رہے تھے کہ لوگوں نے ہنسنا شروع کر دیا۔ شیطان اس وقت کرکٹ نہیں کھیل رہے تھے، بلکہ گتکا، کبڈی، ہاکی، جمپ اور بہت سی چیزیں ملا کر تماشے کر رہے تھے۔

مخالف بولر بولا۔ "یہ بیٹنگ کیسی ہو رہی ہے۔"؟

"اور یہ بولنگ کیسی ہو رہی ہے؟" شیطان نے جواب دیا۔ اس کے ساتھ ہی اچھل کر ایک آف بائی اسکور کی، اب وہ وکٹوں کے چاروں طرف کھیل رہے تھے اور بائی پر بائی اسکور ہو رہی تھی۔ اسکور دو سو اسی ہو گیا۔ میں بچانوے ناٹ آوٹ تھا اور شیطان نے دس بائی اسکور کی تھیں۔ میں اس قدر تھک چکا تھا کہ مجھے نہ کسی اسکور کا چاؤ تھا۔ نہ کسی میچ کا۔ بس یہی جی چاہتا تھا کہ پیڈ وغیرہ اتار کر یہیں گھاس پر لیٹ جاؤں۔

ایک گیند پر بائی لگا کر شیطان نے مجھے بلایا، میں چلا، اتنے میں گیند واپس آ گئی۔ وہ چلائے واپس جاؤ۔ میں بری طرح بھاگا، گیند تیز تھی۔ اس لیے دوسری طرف نکل گئی، انہوں نے پھر بلایا

میں پھر گیا۔ گیند واپس آگئی۔ پھر واپس بھاگا۔ ہم دونوں خوب بھاگے دوڑے لیکن اسکور کچھ نہ ہوا۔ اگلی گیند پر شیطان نے پھر وہی حرکت کی۔ اس دفعہ تو میں رن آؤٹ ہوتا ہوتا بچا۔

شیطان اور وکٹ کیپر خوب مسکرا مسکرا کر باتیں کر رہے تھے۔ شیطان نے اسے کھانے پر مدعو کیا۔ آخری اوور آیا اور میں نے دل کڑا کر کے ایک چوکا لگا دیا۔ اب میں ننانوے ناٹ آؤٹ تھا۔ اگلی گیند کو میں نے گلانس کیا اور شیطان کو بلایا۔ وہ نہیں آئے۔ چوتھی گیند پر پھر بلایا۔ وہ پھر — وہیں کھڑے رہے۔ وقت ختم ہو گیا۔ اسکور دو سو بچاسی تھا اور میں وہی ننانوے ناٹ آؤٹ۔

شیطان بولے: "میاں یہ ننانوے کا پھیر بہت برا ہوتا ہے۔ یہ ہندسہ ہمارے لیے بہت منحوس ہے۔ کہیں کل تمہارے ساتھ اُن کا بولر وہی سلوک نہ کرے جو میں نے بیزار صاحب کے ساتھ کیا تھا جب وہ ننانوے ناٹ آؤٹ تھے۔"

میں نے ان سے پوچھا۔ "یہ آخری اوور میں کیا حرکت کی تھی، میرے بلانے پر کیوں نہیں آئے۔"

بولے: "اس لیے کہ اب اس خاکسار کی دو آرزوئیں ہیں۔ پہلی یہ کہ تمہاری سنچری ہرگز نہ ہو، ورنہ تم ہم اناڑیوں کے زمرے سے نکل کر اپنے آپ کو بیٹسمین سمجھنے لگو گے۔ دوسری یہ کہ جیتنے کی ہٹ میں لگانا چاہتا ہوں میں نے سلیمہ کی آپی سے وعدہ کیا ہے۔"

رضیہ ملی۔ بولی۔ "ذرا سنیئے۔"

میں چلا گیا۔ ہم دونوں باہر گھاس پر بیٹھ گئے۔ وہ بولی — "اتنے دنوں سے میں پڑھائی میں مصروف رہی اور کچھ میرا جی اچھا نہیں تھا۔"

میں نے کہا۔ "میں بھی اتنے دنوں بہت مصروف رہا۔ کچھ امتحان کی تیاری اور کچھ یہ ٹورنامنٹ کا سلسلہ۔"

میں نے لیگ تھیوری کا ذکر کیا کہ اسے یہ خیال کیونکر آیا۔ بولی ــــ "مجھے آپ کا ایک پہلا میچ یاد تھا جس میں آپ نے اسی طرح وکٹیں لی تھیں۔"

میں نے پوچھا ــــ "کل کیا پروگرام ہے؟"

بولی ــــ "کل چھٹی ہے۔"

پوچھا "کل میرے ساتھ چلو گی۔ ایک جگہ پک نک ہے۔"

بولی ــــ "اجازت لینی ہو گی، امی سے اور عکوست آیا سے۔"

کہا ــــ "عینک کی سہیلی کا بہانہ کر دینا ــــ آج تم دونوں کافی دیر اکٹھی رہی ہو۔"

بولی "کوشش کروں گی ــــ"

بولا ــــ "کوشش وشش نہیں ــــ وعدہ کرو۔"

شرما شرما کر بولی ــــ "اچھا۔"

میں شیطان کے ہوسٹل گیا۔ وہاں وہ وکٹ کیپر صاحب موجود تھے، کئی مرتبہ ننانوے ناٹ آؤٹ کا ذکر آیا۔ جب میں واپس آیا تھا تو مجھے ہر دیوار پر جلی الفاظ میں ننانوے ناٹ آؤٹ لکھا ہوا دکھائی دے رہا تھا۔ اپنے ہوسٹل پہنچا تو بہت سے لڑکے ملے۔ سب نے یہی بار بار دہرایا۔ رات کو ٹائم پیس کی ٹک ٹک میں مجھے ننانوے ناٹ آؤٹ، ننانوے ناٹ آؤٹ سنائی دیتا رہا۔ رات بھر میرے کانوں میں کوئی چیخ چیخ کر کہتا رہا کہ ننانوے ناٹ آؤٹ، ننانوے ناٹ آؤٹ۔

اگلے روز بہت زیادہ ہجوم تھا۔ میچ بےحد دلچسپ ہو گیا تھا۔ مینا بازار سالم کا سالم وہاں موجود تھا۔ تالیوں اور نعروں کے شور میں جب ہم بلّے لے کر نکلے تو میرا دل بری طرح دھڑک رہا تھا۔

شیطان کی باری تھی۔ مخالف کپتان نے اپنے ایک فاسٹ بولر کو بلا لیا۔ اسکی پہلی گیند شیطان اور وکٹ کیپر دونوں کے اوپر سے گزر گئی ــــ باقی کی چار رنز

ہو گئیں۔ اگلی گیند پر بھی یہی ہوا۔ چار رنز ہو گئیں۔ انہوں نے فالتو فیلڈ لے لی۔ بقیہ گیندیں بھی شیطان اور وکٹ کیپر کے اوپر سے گزر گئیں۔ لیکن مزید اسکور نہ ہوا۔

دوسری طرف سے انہوں نے ایک نیا بولر لگایا۔ جس کو میں اب تک نہیں کھیلا تھا۔ وہ اوور یونہی گذر گیا۔ اگلے اوور میں شیطان نے قلابازی سی لگائی اور ایک نہایت اعلیٰ درجہ کا کٹ لگایا۔ اسکور دو سو ننانوے ہو گیا اور وہیں اٹک کر رہ گیا چند اوور پھر ویسے ہی خشک گذر گئے۔ ہجوم کا اشتیاق بڑھتا جا رہا تھا۔ ہر گیند کے ساتھ وہ شور و غل مچتا تھا کہ خدا کی پناہ۔

ایک گیند پر شیطان نے جھٹکے کا ہاتھ دکھایا اور گیند لیگ کی طرف نکل گئی۔ ہم نے دوڑ کر دو رنز بنا لیں ۔۔۔ اسکور دو سو ننانوے ہو گیا۔ ہم نے اسکور برابر کر دیا تھا۔ اب ہمیں جیتنے کے لیے صرف ایک رن کی ضرورت تھی اور مجھے سنچری کرنے کے لیے ایک رن کی ضرورت تھی۔

اوور کی تین گیندیں ابھی باقی تھیں۔ ہر گیند پر شیطان نے بے تحاشہ بلا گھمایا لیکن کچھ نہ ہوا ادھر مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے میں عمر بھر سنچری نہیں کر سکتا۔ صدیاں گذر جائیں سنچری نہیں ہو گی اور یہ ننانوے ناٹ آؤٹ ایک تہمت ہے جو مجھ پر لگی ہوئی ہے۔ یہ ایک طوق ہے جو میرے گلے میں لٹک رہا ہے، یہ ایک سینگ ہے جو میرے سر میں اگا ہوا ہے ۔۔۔ اور میں اس کم بخت ننانوے ناٹ آؤٹ سے کبھی پیچھا نہیں چھڑا سکوں گا۔

اب میری باری آئی، وہی نیا بولر گیند پھینک رہا تھا۔ گز گز بھر کی بریک کراتا تھا۔ پہلی گیند روکی، دوسری روکی، تیسری، چوتھی ۔۔۔ میں کسی پر اسکور نہ کر سکا۔ اب آخری گیند تھی۔ اُدھر گیند آئی، اِدھر میں نے آنکھیں بند کر کے بلّا گھمایا۔ خدا جانے

گیند بلّے سے لگی، پیڈوں سے لگی، جوتوں سے لگی، لگی بھی یا نہیں ـــــــ بس گیند نکل گئی ـــــ دو کھلاڑی پیچھے بھاگے، اُدھر میں بھاگا دوسری طرف پہنچا تو شیطان وہیں کھڑے رہے تھے۔ میں نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ کھلاڑی گیند کے پیچھے بھاگے جا رہے تھے۔ میں نے شیطان کو دوسری طرف جانے کو کہا۔ وہ وہیں کھڑے رہے۔ میں نے اُن کو بازو سے پکڑ کر بلایا لیکن وہ نہیں ہے۔ آخر میں اُن کو زبردستی گھسیٹتا ہوا اپنی وکٹ تک لایا اور وہاں پہنچ کر تاڑ توڑ واپس بھاگا۔ بس ران آؤٹ ہوتے ہوتے بچا۔

اور پھر غدر مچ گیا۔ زلزلہ آ گیا، زمین کی جگہ آسمان نے لے لی اور آسمان زمین کی جگہ آگیا۔ بڑی بھاگا بھاگا آیا اور مجھے کندھے پر اٹھا کر شامیانے کی طرف بھاگا۔ بار بار وہ یہی کہہ رہا تھا۔ ہوائے اوہوائے ـــ میں جمپین ہوں۔ میں نے ایک کپ جیتا ہے۔ اب میں کرکٹ کا کھلاڑی ہوں۔"

شامیانے میں پہنچ کر پتہ چلا کہ ہم جیت گئے تھے اور ایک رن اسکور بھی ہو گئی تھی لیکن یہ امر بحث طلب تھا کہ اسے میں نے اسکور کیا تھا یا یہ محض بائی تھی۔ ایک امپائر کچھ کہتا تھا دوسرا کچھ کوئی کہتا تھا میں نے سینچری کی ہے، کوئی کہتا تھا کہ محض ننانوے ناٹ آؤٹ ہوں۔

اُدھر شیطان اُس وکٹ کیپر اور عینک کی اُس سہیلی کے ساتھ ایسے غائب ہوئے جیسے کبھی یہاں تھے ہی نہیں۔

جب میں اور رضیہ اکٹھے چل رہے تھے تو اس نے نہایت خوشنما کوٹ پہن رکھا تھا اور گلے میں وہ سادہ سا ہار تھا جو میں نے اسے دیا تھا۔ وہ بولی۔ "یہ کوٹ ابا نے سالگرہ پر دیا تھا۔ میں آج اسے پہلی مرتبہ پہن رہی ہوں۔"

میں نے پوچھا۔ "اب تک کیوں نہیں پہنا؟"

بولی۔ "میں نے سوچا کہ کسی خاص دن پہنوں گی۔"

میں نے اُسے سائیکل پر بیٹھنے کو کہا۔ بولی۔ "کیریر پر تو ٹوکری بندھی ہوئی ہے۔"

میں نے کہا۔ "آگے بیٹھ جاؤ۔"

بولی۔ "اور جو کسی نے دیکھ لیا تو۔؟"

کہا۔ "کسی نے دیکھ لیا تو میری خوش نصیبی پر رشک کرے گا۔"

وہ شرما کر آگے بیٹھ گئی۔ میرا چہرہ اس کے بالوں سے چھو رہا تھا۔"

"یہ تم نے حکومت آپا کی خوشبو آج پھر چرائی ہے؟" میں نے پوچھا۔

"آپ نے بھی تو ان کا تیل لگا رکھا ہے۔" وہ بولی۔

ہم دونوں درست تھے۔

جب ہم دو تین میل نکل آئے تو وہ پوچھنے لگی کہ پک نک کہاں ہو رہی ہے۔ میں نے بتایا کہ یہاں سے کچھ دور ایک پرانے باغ میں۔

اس نے پوچھا کہ پک نک میں اور کون کون ہوں گے۔

میں نے کہا۔ "کہ صرف دو ہوں گے — میں اور تم۔"

— ہم دونوں ہاتھ میں ہاتھ ڈالے گھاس کے قطعوں اور پھولوں کے تختوں میں کھیلتے رہے درختوں میں ہم نے آنکھ مچولی کھیلی۔ حوض کے کنارے بیٹھ کر چھینٹے اڑائے سیڑھیوں پر شڑا لگا لگا کر چڑھے جب دھوپ پیلی پڑ گئی اور درختوں کے سائے لمبے ہو گئے تو ہم نے سب سے اونچی برجی پر چڑھ کر غروب آفتاب دیکھا۔

جب ہم دونوں چاندنی میں سائیکل پر واپس آ رہے تھے تو رضیہ بولی: "یہ پیچ تو صرف آپ کا تھا۔ وہ ہیٹ ٹرک خوب تھا۔ گیند جھنکتے ہوئے آپ بہت اچھے لگ رہے تھے۔

"وہ ہیٹ ٹرک تو تمہارا تھا۔"

"اور وہ ننانوے ناٹ آؤٹ ؟"

"نہیں ــــ سوناٹے آؤٹ!" میں نے مچل کر کہا۔

"ہم تو ننانوے ناٹ آؤٹ ہی کہیں گے۔ بھلا کرکٹ میں کبھی ساتھیوں کو گھسیٹ گھسیٹ کر بھی اسکور کیا جاتا ہے۔ یہ سب علینک ... کی اس سہیلی کی برکت ہے۔"

"ذرا مسکراؤ" وہ مسکرانے لگی۔

"اب ذرا منہ بنا کر بھی دکھاؤ"۔ اُس نے منہ بنا کر دکھایا۔ "تم مسکراتی ہوئی کہیں اچھی معلوم ہوتی ہو۔ تمھارے لیے بھی بہتر یہی ہوگا کہ ہر وقت مسکراتی رہا کرو۔ آج آئینے میں دیکھنا۔"
"آپ آگے دیکھیے ... بالکل سیدھ میں اور سائیکل سیدھی چلائیے۔ کہیں ٹکر نہ ہو جائے۔"

رضیہ کو چھوڑ کر میں نے شیطان کے ہوسٹل کا رخ کیا۔ راستے میں وہی رپورٹر مل گیا۔
بولا۔ "مجھے بہت افسوس ہے کہ آپ سنچری نہ کر سکے۔ میں نے اخبار میں آپ کے ننانوے ناٹ آؤٹ کی بڑی تعریف کی ہے۔"

"آپ کو یہ کس نے کہا۔"؟

"روفی صاحب نے"

"ابھی چھپا تو نہیں؟"

"نہیں۔"

تو میں نے اسے ساتھ لیا۔ راستے میں بڈی کو پکڑا۔ شیطان کے کمرے میں جا کر دیکھتے ہیں۔ ایک بڑے سے پلنگ پر کچھ حضرات رضائیاں اوڑھے کھانا کھا رہے تھے۔ رضائیاں منگائی گئیں اور ہمیں بھی ساتھ بٹھا لیا گیا۔ میں بار بار شیطان کو اس آخری رن کے متعلق کہہ رہا تھا۔ میرا اصرار تھا کہ اسے میں نے اسکور کیا ہے۔

شیطان بولے۔ "یار عجب اسپورٹسمین ہو تم بھی، صرف ایک رن کے لیے اتنے پریشان ہو رہے ہو۔ اچھا تمھاری سنچری لکھوا دیں گے بس۔ چلو بھئی لکھ دو ان کی سنچری۔"

رپورٹر نے ہمارے سامنے بیٹھ کر سب کچھ درست کیا۔

ٹڈی کی سفارش پر میری تھوڑی سی تعریف بھی شامل کی گئی۔

اب سیکنڈ شو کا پروگرام بنا۔ شیطان نے وہ اوورکوٹ اتار دیا جس کو پہن کر سردی زیادہ لگتی تھی جو پہلے الٹوایا گیا تھا۔ پھر سیدھا کرایا گیا۔ سب نے رضائیاں اوڑھ لیں چند حضرات ایک ایک رضائی میں دو دو ہو گئے۔ نوکر حقّہ لے کر ساتھ ہو لیا۔

ذرا سی دیر میں ہم رنگ برنگی رضائیاں اوڑھے اتنی ٹھنڈ میں ٹھنڈی سڑک پر جا رہے تھے۔ تقسیم انعامات کا ذکر ہو رہا تھا۔ ٹڈی بار بار کہتا تھا۔ "ہائے او ہو ہائے، آج میں اپنے آپ کو ہیرو محسوس کر رہا ہوں۔ میں چیمپین ہوں، میں نے کرکٹ کا ایک کپ جیتا ہے — یاہو ووووو —!"

اور جب ہم شہر کے بہترین سینما میں رضائیاں اوڑھے پکچر دیکھ رہے تھے اور حقّے کے کش لگا رہے تھے تو ہمارے آس پاس بیٹھے ہوئے لوگ نہ ہمیں چیمپین سمجھ رہے تھے۔ نہ ہیرو بلکہ غالباً ایسی خواتین سمجھ رہے تھے جو حقّہ پی رہی تھیں۔

Blood Pressure

By

Shafiqur Rahman

بلڈ پریشر

"میرا بلڈ پریشر ——" شیطان پھر بولے۔

"درست ہے ——" مقصود گھوڑے نے پھر بات کاٹ دی۔ "بات یہ ہے روفی کہ آج صبح جو میں اٹھ کر دیکھتا ہوں تو کائنات میرے لیے سنوری ہوئی تھی۔ سورج میرے لیے ضرورت سے زیادہ چمک رہا تھا اور اپنی چمکیلی سنہری شعاعیں براہِ راست میرے لیے بھیج رہا تھا۔ باغیچے میں لاتعداد پھول محض میرے لیے کھلے تھے اور پرندے صرف اس امید پر سُریلے گیت گا رہے تھے کہ میں سنوں گا، پھر ناشتے پر مجھے دنیا کی بہترین چائے ملی جو صرف میرے لیے دار جیلنگ کی خوشنما پہاڑیوں سے چنی گئی تھی اور دنیا کی تندرست ترین گائے نے اپنے لختِ جگر، منظورِ نظر بچھڑے کو نظر انداز کرتے ہوئے میرے لیے ایک دودھ کا گلاس بھیجا۔ لاکھوں شہد کی مکھیاں مدتوں فقط میرے لیے محنت و مشقت کرتی رہی تھیں۔ چنانچہ انہوں نے اپنی کاوشوں کا نتیجہ شہد کی صورت میں میری خدمت میں پیش کیا۔ جسے میں نے بڑی فراخدلی اور خندہ پیشانی سے قبول فرمایا ——۔

ہم مصور گھوڑے کے ہاں رات کے کھانے پر مدعو تھے۔ اس کا گھر ہمارے ہوسٹل سے سات میل تھا وہاں سے رات کے دس بجے آخری بس چلتی تھی۔ ابھی ساڑھے نو تھے کھانے کے بعد باتیں ہو رہی تھیں۔ قنوطیت اور رجائیت پر بحث ہو رہی تھی۔

"لیکن اس میں ایسی خاص بات کیا ہے۔ ہر شخص صبح اٹھ کر سورج کو دیکھتا ہے اور حسب توفیق ناشتہ کرتا ہے۔ تم خواہ مخواہ مسخرے بنے رہتے ہو۔ بھلا آج تمہیں کون سی خوشخبری ملی ہے جو اتنے مسرور ہو۔"

"آج تو مجھ سا خوش قسمت تمہیں آس پاس نہیں ملے گا۔ آج میں نے تیرہ ہزار مرتبہ سانس لیا ہے۔ آج میرا دل ستر ہزار مرتبہ دھڑکا ہے۔ آج میں طرح طرح کے حادثوں سے محفوظ رہا ہوں۔ آج میں کسی موٹر کے نیچے نہیں آیا۔ آج مجھ پر کوئی درخت نہیں آن گرا آج مجھے کسی شبہ میں گرفتار نہیں کیا گیا۔ آج کسی نے میری جیب نہیں کتری۔ آج کسی لفنگے نے مجھے تفریحاً پیٹا نہیں۔ آج میں کسی پر عاشق نہیں ہوا۔

"وہ اور بات ہے"۔۔۔ سیدی صاحب بولے، "لیکن حساس شخص کبھی مسرور نہیں رہ سکتا۔ میں نے ایک جگہ پڑھا تھا کہ رجائیت پسند وہ ہے جو شیر سے ڈر کر درخت پر چڑھ جائے اور جبکہ شیر نیچے کھڑا ہو۔ وہ آس پاس کے نظاروں سے لطف اندوز ہوتا رہے۔"

وہ دیکھیے میں آپ کو ایک مثال دوں۔ اگر ہمارے سامنے پانی کا آدھا گلاس رکھا ہو، تو میں اس بات پر خوش ہوں گا کہ شکر ہے کہ اس میں پانی تو ہے اور آپ یہ سوچ سوچ کر غمگین ہوں گے کہ یہ صرف نصف کیوں بھرا ہوا ہے ۔۔۔ دراصل پریشان اس لیے ہوتے ہیں کہ آئی ہوئی مصیبت کو جلد از جلد رخصت کرنے کے بجائے اس کا استقبال کرتے ہیں اور اسے بیٹھنے کو کرسی پیش کرتے ہیں اور پھر ہماری توقعات بے شمار ہیں اور ہم بے حد خود غرض ہیں۔ چند سال پہلے میں نے باغیچہ لگا رکھا تھا تو ہر رات کو میں کچھ اس قسم کی دعا مانگا کرتا کہ اے خدا آج رات بالکل ہوا نہ چلے، اور اگر

پڑے تو صرف گلاب کے تختوں پر پڑے۔ جس کونے میں خشک بیج ہیں۔ اُس طرف کچھ نہ ہو کل گیندے کے پھولوں کو خوب خوب لگے۔ لیکن وفیرے پر دھوپ قدرے ہلکی ہو۔ اس کے بعد سہ پہر کو معمولی سی بارش ہو تاکہ جلدی پودوں کو پانی مل جائے۔ لیکن ذخیرے پر بارش نہ ہو اور۔

"حضرات میرا بلڈ پریشر۔" شیطان بولے۔

"درست ہے روفی۔" مقصود گھوڑے نے پھر بات کاٹی۔ "بات دراصل یہ ہے کہ۔۔۔"

"حضرات سنیئے۔" شیطان زور سے بولے۔ "بات دراصل یہ ہے کہ یہ کوئی نہیں جانتا کہ کب ایک اچھا بھلا مسخرا قنوطی بن جائے گا اور کب ایک روتا پیٹتا قنوطی کھیلا نگیں مارنے لگے گا۔۔۔ اس لیے یہ بحث ہی فضول ہے۔ اسی قسم کا ایک قصہ میں سنانا چاہتا ہوں۔ جس کا تعلق نہ صرف اس موضوع سے ہے بلکہ میرے بلڈ پریشر سے بھی ہے۔ شاید آپ نہیں جانتے کہ میں تقریباً سال بھر سے قنوطی رہا ہوں۔ بالکل گیا گزرا قنوطی، اور میرا بلڈ پریشر دن بدن بڑھتا جا رہا تھا۔ میں صبح سے شام تک فکر کرتا رہتا اور شام سے صبح تک۔ اگر کوئی فکر کرنے کی بات ہوتی تب بھی فکر کرتا اور جب کوئی ایسی بات نہیں ہوتی تب اور بھی فکر کرتا کہ ایسی بات کیوں نہیں ہے۔ پچھلے اتوار کو ڈاکٹر صاحب نے میرا بلڈ پریشر دیکھا تھا اور وہ بہت گھبرائے تھے۔ کیونکہ بلڈ پریشر کا گراف اونچا ہوتا جا رہا تھا۔ اس عمر میں بلڈ پریشر کا بڑھنا نہایت خطرناک ہوتا ہے۔ یہ ایک فکر تھا جس نے میری زندگی تلخ کر رکھی تھی۔ نہ مجھے دنیا کی کسی چیز سے دلچسپی تھی نہ جینے کی کوئی تمنا تھی۔ میرا یہی خیال تھا کہ یہ بیزاری بڑھتی جائے گی۔ اور میرا بلڈ پریشر بھی بڑھتا جائے گا۔ لیکن دفعتہً سب کچھ بدل گیا، حالات بدل گئے، دنیا بدل گئی۔ کل صبح سے میری زندگی میں حیرت انگیز تبدیلیاں آ گئیں۔ مجھے اتنی امیدیں اور مسرتیں مل گئیں کہ اب یہی جی چاہتا ہے کہ ناچنے لگوں، قلابازیاں کھاؤں۔۔۔"

"بھئی خیال رکھنا، کہیں لبِ نہ نکل جائے۔" میں نے آہستہ سے کہا۔

"ابھی دیر ہے، میں صرف چند منٹ لوں گا"۔ شیطان بولے ۔۔۔ "ہاں تو ہوا یوں کہ کل صبح یونہی مسکراہٹ کی ایک لہر میرے چہرے پر دوڑ گئی۔ میں کپڑے پہننے میں ہمیشہ لاپروائی سے کام لیا کرتا تھا۔ پتلون کسی سوٹ کی ہوتی تو کوٹ کسی سوٹ کا، اور ٹائی کسی رنگ کی ہوتی لیکن کل صبح میں نے نہایت اچھا لباس پہنا تمام کپڑے ایک دوسرے کے مطابق تھے۔ کالج جاتے وقت میں نے ایک عجیب چیز محسوس کی، یوں معلوم ہوا جیسے میں اس سڑک کو پہلی مرتبہ دیکھ رہا ہوں۔ میں نے کئی نئی عمارتیں دیکھیں۔ بہت سی نئی دکانیں اور نئے اشتہار نظر آئے۔ کئی نئے چہرے دکھائی دئیے۔ شاید تمہیں یاد ہوگا کہ میں نے ہمیشہ سائنس کی برائی کی ہے اور کئی مرتبہ یہ بھی کہا ہے کہ شاید میں سائنس پڑھنا چھوڑ دوں گا کیونکہ یہ مضمون مجھے بیحد خشک اور مشکل معلوم ہوتا تھا۔ لیکن کل مجھے معلوم ہوا کہ لیکچر روم میں جو بڑے بڑے چارٹ آویزاں ہیں وہ بالکل آسان ہیں۔ پروفیسر صاحب نے جو کچھ بورڈ پر لکھا وہ نہ صرف آسان ہی تھا بلکہ دلچسپ بھی تھا۔ پھر میں نے اپنی ہم جماعت مس ہدہد کو غور سے دیکھا۔ سال بھر کے بعد مجھے دفعتہً معلوم ہوا کہ اس کی شکل بالکل معمولی ہے، بالکل ہی معمولی ہے اور صبیحہ کے مقابلے میں تو وہ کچھ بھی نہیں۔ میرے خیال میں مقابلے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ نہ جانے مجھے اس کا خیال کیوں رہا تھا۔ میں نے دل کھول کر اپنے اوپر لعنت بھیجی۔ آئندہ اگر کبھی مجھے اس سے باتیں کرتے دیکھ پاؤ تو جو چور کی سزا وہ میری سزا۔ خیر اس کے بعد پریکٹیکل ہوا۔ جو اوزار اور آلے مجھے زہر دکھائی دیتے تھے وہ کچھ اتنے برے معلوم نہیں ہوئے۔ پہلے تو میں پریکٹیکل خود کرتا ہی نہیں تھا۔ کل میں نے پریکٹیکل اپنے ہاتھوں سے کیا اور مجھے سائنس اس قدر دلچسپ معلوم ہوئی کہ اب میرا ارادہ ہے کہ ایم ایس سی کے بعد ریسرچ کروں۔ دوپہر کالج سے واپس آتے وقت میں نے وہ ایک تانگہ دیکھا جس میں صبیحہ بیٹھی تھی۔"

"صبیحہ بیٹھی تھی؟ ۔۔۔ سچ سچ؟!" کئی حضرات نے چونک کر پوچھا۔

"بھئی ذرا خیال رکھنا کہیں بس نہ نکل جائے" میں نے آہستہ سے کہا۔

"ہاں سچ مچ صبیحہ تھی۔ اس سڑک سے وہ ہر روز تانگے میں گزرتی تھی۔ لیکن میں نے اسے کبھی نہیں دیکھا۔ نہ جانے وہ کونسی طاقت تھی جس نے مجھے اس کی جانب متوجہ کر دیا۔ ذرا سی دیر میں میں سائیکل پر اس کے تانگے کے پیچھے پیچھے جا رہا تھا۔ میں نے سلام کیا جس کا جواب ملا۔ کل مجھے پہلی مرتبہ معلوم ہوا کہ صبیحہ نہایت ہی پیاری لڑکی ہے اور اس سے بہتر آنکھیں کسی کی نہیں ہو سکتیں۔ دفعتہً مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میں صبیحہ پر دوبارہ عاشق ہو رہا ہوں۔ ہوسٹل پہنچ کر میں نے آئینہ دیکھا۔ کبھی میرا چہرہ ترچھا نظر آتا، کبھی لمبوترا اور کبھی بالکل گول دائرے کی طرح، یہ آئینے کا نقص تھا۔ غالباً اسی سستے آئینے کی وجہ سے مجھے اس قدر احساس کمتری تھا۔ لطف یہ کہ مجھے پہلے اس کا خیال تک نہیں آیا۔ میں فوراً بازار گیا اور ایک اچھا سا آئینہ خریدا۔ اس میں اپنا چہرہ غور سے دیکھتا ہوں تو زمین آسمان کا فرق تھا۔ مجھے پہلی مرتبہ معلوم ہوا کہ میں اتنا برا نہیں ہوں۔ شام کو میرا میچ تھا۔ ٹورنامنٹ کا فائنل۔ میں گھبرا رہا تھا تو صرف اس بات سے کہ اگر میچ لمبا ہو گیا اور اندھیرا ہو گیا تو میں ہار جاؤں گا۔ کیونکہ روشنی کم ہوتے ہی کھیل میں میری دلچسپی کم ہوتی جاتی تھی۔ کل شام کو میچ واقعی لمبا ہو گیا۔ آخری سٹ ختم ہونے میں نہ آتا تھا۔ لیکن میں اسی طرح کھیل رہا تھا۔ یہاں تک کہ جب میں نے میچ جیتا ہے تو باقاعدہ تارے نکلے ہوئے تھے۔ تعجب ہے کہ میں نے پہلی مرتبہ اندھیرے کو محسوس نہیں کیا اور ایسے مخالف کو ہرا دیا جس نے کئی سال سے میری زندگی تلخ کر رکھی تھی۔ کھیل کے بعد میں نے صبیحہ کے گھر کا رخ کیا۔

"بھئی وہ ذرا بس ہٹیں —" میں نے نہایت دھیمی آواز میں کہا۔

"وہاں صبیحہ کے ابا ملے۔ اس کی امی بھی۔ پہلے مجھے اُن دونوں سے یہی شکایت تھی کہ وہ مجھ سے بے رخی برتتے ہیں لیکن کل رات کو میں نے پہلی مرتبہ ان کی آنکھوں میں شفقت جھلکتی دیکھی۔ وہ میری جانب بڑی محبت بھری نگاہوں سے دیکھ رہے تھے میری نظریں انگیٹھی

پر رکھی ہوئی تصویروں کی طرف چلی گئیں۔ جہاں کنبے کے افراد کی تصویریں رکھی تھیں۔ وہاں ایک تصویر میری بھی تھی۔ یہ تصویر مجھے پہلے کیوں نہیں دکھائی دی؟ اس کا جواب میں نہیں دے سکتا۔ مجھے کھانے پر ٹھہرا لیا گیا۔ دسترخوان پر صبیحہ ذرا دور بیٹھی تھی۔ اُس کا چہرہ لال بھبوکا ہو رہا تھا۔ بڑی طرح شرما رہی تھی۔ میں رات گئے لوٹا۔ کوٹھی کے دروازے پر ٹھٹھک کر رہ گیا۔ اوپر صبیحہ کے کمرے میں روشنی بھی ہوا کرتی تھی اور وہ دریچے سے مجھے دیکھا بھی کرتی لیکن کل رات پہلی مرتبہ مجھے اس کا احساس ہوا۔ جب میں واپس لوٹا تو چاند مسکرا رہا تھا۔ تارے مسکرا رہے تھے۔ دنیا مسکرا رہی تھی۔ میرا رواں رواں مسرت سے ناچ رہا تھا۔ میرے خیال میں اتنے مختصر وقفے میں اتنی ساری خوشگوار تبدیلیاں کسی کی زندگی میں نہیں آئی ہوں گی۔ برسوں میں ایک چڑچڑا اور بیزار لڑکا تھا۔ جس کی زندگی کا مقصد خودکشی تھا۔ جس کے بلڈ پریشر کا گراف دن بدن اونچا ہوتا رہا تھا اور کل قسمت کچھ ایسی مہربان ہوئی کہ سب کچھ بدل گیا۔ میرے چاروں طرف جو دھند سی چھائی ہوئی تھی۔ وہ یکلخت دور ہو گئی۔ مجھے وہ چیزیں دکھائی دینے لگیں جن سے میں پہلے آشنا نہیں تھا۔ یہی کائنات جو بے حد دھندلی نیز سہمی، اور دور دور معلوم ہوتی تھی دفعتہً اپنی تمام رنگینیوں اور دلفریبیوں کے ساتھ بالکل قریب آ گئی ——"

"اور تمہارا بلڈ پریشر ——؟"

"ہاں! میرا بلڈ پریشر —— آج صبح میں ڈاکٹر صاحب کے پاس گیا، انہوں نے میرا معائنہ کیا اور حیران رہ گئے۔ میرا بلڈ پریشر اس قدر گر چکا تھا کہ نارمل سے بھی نیچے تھا۔"

"کمال ہے ——"

"حد ہو گئی ——"

"لیکن روفی یار بلا وجہ تو یہ سب کچھ نہیں ہو سکتا۔ کچھ نہ کچھ تو ضرور ہوا ہو گا ——"

"نہیں کوئی خاص بات تو نہیں ہوئی ——" شیطان بولے۔

"پھر بھی — شاید کچھ ہوا ہو — پرسوں یا کل۔"

"کوئی ایسی خاص بات تو نہیں ہوئی — نقط میاں نے ذرا —"

"ہاں ہاں — نقط کیا؟" ہم سب نے پوچھا۔

نقط "میاں نے اپنی عینک کے شیشے بدلوائے تھے" — انہوں نے اپنی عینک اتار کر کہا۔ "پچھلے ہفتے میں نے دوبارہ اپنی بینائی کا معائنہ کرایا تھا اور ڈاکٹر صاحب نے نئے شیشے تجویز کیے تھے — یہ نئی عینک میں نے کل صبح سے لگانی شروع کی ہے۔"

ہم سب لاحول پڑھتے ہوئے اٹھے اور بڑی پھرتی سے سڑک پر پہنچے۔

آخری بس نکل چکی تھی — !

کلب

یہ ان دنوں کا ذکر ہے جب میں ہر شام کلب جایا کرتا تھا۔

شام کو بلیرڈ روم کا افتتاح ہو رہا ہے۔ چند شوقین انگریز ممبروں نے خاص طور پر چندہ اکٹھا کیا ہے۔ ایک نہایت قیمتی بلیرڈ میز منگائی گئی ہے۔ کلب کے سب سے معزز اور پرانے ممبر رسم افتتاح ادا کر رہے ہیں۔

پہلے ایک مختصر سی تقریر ہوئی۔ پھر میز پر گیند رکھ دی گئی۔ اور ان بزرگوار کے ہاتھ میں کیو دیا گیا کہ گیند سے چھو دیں۔ انہوں نے اپنے طرّے کو چند مرتبہ لہرایا۔ مونچھوں پر ہاتھ پھیرا۔ چند قدم پیچھے ہٹے۔ پھر دفعتہً ایسے جوش و خروش کے ساتھ حملہ آور ہوئے کہ میز ہلا دی۔ سب نے دیکھا کہ میز کا سبز قیمتی کپڑا نصف سے زیادہ پھٹ چکا ہے اور کیو اندر دھنس گیا ہے۔ کچھ دیر خاموشی رہی پھر ایک بچہ بولا — "ابّا جان، آپ خاموش کیوں ہیں — آپ افتتاح ہی چاہتے تھے —

یہ افتتاح ہی تو ہوا ہے ۔ یلیرڈ کی میز کا ۔"

ایک جگہ غدر مچا ہوا ہے۔ بچے چیخ رہے ہیں، بچے چلا رہے ہیں۔ بالکل نزدیک چند معمر حضرات اس سنجیدگی سے اخبار پڑھ رہے ہیں جیسے کچھ بھی نہیں ہو رہا۔ ایک کھیل کھیلا جا رہا ہے ایک بچہ باجے پر ریکارڈ رکھتا ہے، ریکارڈ بجایا نہیں جاتا، صرف گھمایا جاتا ہے ایک اور بچہ باجے کے گرد بھاگ کر گھومتے ہوئے ریکارڈ کے الفاظ پڑھنے کی کوشش کر رہا ہے ۔ سب بچے تالیاں بجاتے ہیں۔

ایک بچہ اپنے کوٹ کے کالر میں گوبھی کا چھوٹا سا پھول لگا کر آیا ہے۔ چند بچوں نے کلب کے سارے کیلنڈر الٹ پلٹ کر دیئے، غلط تاریخیں لگا دیں، اور کلاکوں کا وقت غلط کر دیا اپنا فرض تصوّر کر رکھا ہے ایک بچہ ایک تنہا کمرے میں بیٹھا بڑی سنجیدگی سے گا رہا ہے ۔ "شباب آیا کسی بت پر فدا ہونے کا وقت آیا ....."

ایک بچہ باہر دروازے کے پاس خوانچے والے سے محوِ گفتگو ہے۔

"تمھارے پاس شکر قندیاں ہیں۔؟"

"نہیں شکر قندیاں تو نہیں سیب ہیں۔"

"کھیرے ہیں ۔"؟

"نہیں ۔ مگر سنگترے ہیں ۔"

"اور ککڑیاں ۔؟"

"نہیں ۔"

"تو تمھارے پاس پھل بالکل نہیں۔ اِدھر مجھے پھل کھانے کی اس قدر عادت پڑ چکی ہو کہ ان کے بغیر چین نہیں آتا۔"

چند بچے بیٹھے بڑوں کا مذاق اڑا رہے ہیں۔ ایک بچہ کہہ رہا ہے کہ ان لوگوں کا یہ حال ہے کہ اگر انھیں کوئی لطیفہ سنا دو تو سن چکنے کے بعد پوچھتے ہیں کہ پھر کیا ہوا؟"

دوسرا بچہ کہہ رہا ہے کہ چند سال پہلے اُس کے ابّا اسے ایک آنہ دے کر فرمایا کرتے تھے کہ جاؤ بیٹا عیش کرو۔

"اب بتائیے ایک آنے میں کیا ہو سکتا ہے؟"

ایک بچّے کو دکان دار نے ایک روپے کی ریزگاری دیتے وقت سترہ آنے دے دیئے ہیں اور اسے یقین ہے کہ اس میں بھی اُس نے کچھ بچا لیا ہوگا۔ آخر کو دوکان دار تھا۔

ایک کمرے میں کچھ حضرات اور اُن کے لختِ جگر اور نورِ چشم بیٹھے ہیں۔ ایک حضرت اپنی کھینچی ہوئی تصویریں دکھا رہے ہیں۔ اُن کے بچے نے اچھل کر ایک تصویر چھین لی ہے ــــ "ابّا جان یہ آدمی ماموں جان سے کتنا ملتا ہے۔"

"بالکل نہیں ملتا ــــ"

"کتنا تو ملتا ہے ــــ فقط اس کے کان ذرا لمبے ہیں اور ناک ذرا چھوٹی ہے ــــ بس ــــ"

"بیٹے ــــ نہیں ملتا ــــ"

"نہیں ابّا جان ــــ آپ غور سے دیکھئے ــــ بس اس کے ہونٹ ذرا موٹے ہیں، آنکھیں ذرا بھینگی ہیں اور ماتھا ذرا چھوٹا ہے ــــ باقی تو ہو بہو ماموں جان سے ملتا ہے ــــ اور یہ آدمی کرسی پر کیوں نہیں بیٹھا ــــ پیدل کیوں کھڑا ہے ــــ؟"

ایک تصویر ہل گئی ــــ وہ صاحب فرما رہے ہیں کہ اُن کا کیمرہ ہرگز نہیں ہلا۔

"آپ کا کیمرہ نہیں ہلا تو بیک گراؤنڈ ہل گیا ہوگا۔ یا یہ عمارت ہل گئی ہوگی۔"

"عمارت کس طرح ہل سکتی ہے؟"

"ابّا جان ــــ!"

"ہاں بیٹا ــــ"

"آپ کے ماتھے پر جو یہ جھریاں ہیں ان پر استری نہیں ہو سکتی کیا؟"

دوسرے بزرگ مصنفوں کا ذکر فرما رہے ہیں۔ او ہنری کا ذکر ہو رہا ہے۔ ایک برخوردار پوچھتے ہیں۔

"ابا جان ۔ یہ او ہنری کچھ یوں معلوم نہیں ہوتا جیسے ابے او ہنری ۔"

ایک حضرت نے ایک بڑا سا سگریٹ لائٹر نکالا۔

ایک صاحبزادے چلائے ۔۔ ابا جان اتنا بڑا سگریٹ لائٹر آپ نے کبھی دیکھا ضرور یہ حقّے کے لیے ہو گا ۔"

"اور یہ دونوں شادہ شدی معلوم ہوتے ہیں ۔۔ شاید میاں بیوی ۔" ایک بچّے نے ایک تصویر ہاتھ میں لے کر کہا۔

"ہاں ۔۔ یہ خرید و فروخت کرنے جا رہے تھے کہ میں نے تصویر اتار لی ۔"

" ابا جان لوگ خرید و فروخت کرتے وقت اپنے گھر سے چیزیں لے جا کر بازار میں فروخت کرتے ہوں گے ۔"

بیرے نے آ کر ایک صاحب سے پوچھا ۔ " آپ کھانا یہیں کھائیں گے ؟"

" ہاں ! ۔۔ مگر انگریزی کھانا نہیں کھاؤں گا ۔"

" اردو کھانا کھاؤں گا ۔" ایک بچے نے لقمہ دیا۔

"کیسے بیہودہ بیرے ہیں ۔"

" ابا جان بیہودہ آدمی بھی تو ہوتے ہوں گے جو نہایت اچھے ہوں گے ۔"

ایک گوشے میں چند بچے کتابیں کھولے بیٹھے ہیں ۔ تاریخ کا مطالعہ ہو رہا ہے۔

" پانی پت کی لڑائی میں مرہٹوں کا نکل گیا ؟" ایک نے پوچھا۔

" کچومر ۔۔ "

"اور علاؤ الدین خلجی کے زمانے میں کیا چیز عام تھی۔"

"طوائف الملوکی۔"!

"اکبر نے رشوت، کا کیا کر دیا؟"

"قلع قمع ...."

"بڑے ذہین لڑکے ہیں"۔۔۔ ایک بزرگ فرماتے ہیں۔ "کیوں میاں صاحبزادے امتحان میں کتنے نمبر لوگے۔۔"

"جی میں یونیورسٹی میں سکینڈ آؤں گا۔"

"سکینڈ کیوں؟ فرسٹ کیوں نہیں؟"

"جی فرسٹ ایک اور لڑکا آئے گا جو میرا ہم جماعت ہے۔"

ایک بزرگ رات بھر عبادت کرتے ہیں۔ اُن کے صاحبزادے حساب پڑھتے پڑھتے پوچھتے ہیں۔۔۔۔ اباجان! آپ اللہ میاں اللہ میاں اتنی مرتبہ کیوں دہراتے ہیں۔ یوں کیوں نہیں کرتے کہ دونوں ہاتھ اٹھا کر کہہ دیں۔۔۔

اللہ میاں ضرب ایک لاکھ ۔۔ انہوں نے سلیٹ پر لکھ کر بھی دکھایا۔۔ (اللہ میاں ۔۔۔) ۔۔ بس اس کے بعد آرام سے سو جایا کریں۔"

اور بزرگ اپنے نور چشموں، راحت جانوں کی باتیں سن سن کر فخر سے پھولے نہیں سماتے۔

"اباجان بادلوں کی بجلی اور پنکھے کی بجلی میں کیا فرق ہے؟"

"میں نے سائنس نہیں پڑھی تھی۔"

"اباجان خطِ استوا تو کافی بڑی ساری چیز ہوگی ۔۔۔۔ دُور سے نظر آتی ہوگی؟"

"پتہ نہیں ۔"

"ابّا جان اسکیمو تو خوب آئس کریم بنا بنا کر کھاتے ہوں گے؟"

"پتہ نہیں ۔۔ مجھے جغرافیہ پڑھے دیر ہو گئی ہے۔"

"ابّا جان توپ کس طرح چلاتے ہیں؟"

"پتہ نہیں ۔۔"

"ابا جان ۔۔ اگر ۔۔"

"ہاں ہاں ۔۔ بٹیا ۔"

"اچھا ۔۔ جانے دیجئے۔"

"جانے کیوں دیجئے ۔۔ ریلی اکرا تم سوال پوچھنے سے کیوں ہچکچاتے ہو؟ اگر سوال نہیں پوچھو گے تو سیکھو گے خاک ۔۔ تمھارے علم میں کیونکر اضافہ ہو گا۔"

چند بچے سوئیوں اور منجنوں سے مسلح ہو کر چپکے چپکے موڑوں کی طرف جا رہے ہیں۔ میں بے تحاشہ بھاگتا ہوں ۔۔۔ اپنی سائیکل بچانے، جسے میں نے صبح صبح پنکچر لگوایا تھا۔

آج رات خاص تقریب ہے۔ ایک بہت بڑے عامل اپنے کمالات کا مظاہرہ کرنے والے تھے۔

"میں اپنے دل کی حرکت بند کر دوں گا ۔۔ یہ عطیہ مجھے تبت کی پہاڑیوں میں ایک بزرگ سے ملا تھا۔ ایسے بزرگ سے جن کی عمر چھ سو برس تھی۔ جن کی میں نے بیس سال خدمت کی تھی۔"

وہ ہال کمرے کے وسط میں کھڑے ہو کر چھت پر نظریں گاڑ دیتے ہیں ۔ اور بت بن جاتے ہیں ۔۔ کمرے میں مکمل خاموشی ہے، وہ زیرلب بڑبڑانے لگتے ہیں ۔ پھر اُنکے دیدے مٹکنے لگتے

ہیں — الفاظ اونچے ہو جاتے ہیں — وہ ایک بالکل عجیب و غریب عبارت پڑھ رہے ہیں۔ "چیں پٹاخ ڈھم نفیٹل الذّی — بھول لطافت جھک — وکالے تل مّل" — دیکھتے دیکھتے وہ سکتے میں آجاتے ہیں، دھڑام سے غش کھا کر گرتے ہیں — اٹھ کر ایک صوفے پر بیٹھ جاتے ہیں، اور دونوں ہاتھ پھیلا کر مری ہوئی آواز میں کہتے ہیں — "خواتین و حضرات، میرے قلب کی حرکت ختم ہو گئی ہے — آپ میری نبضیں دیکھ سکتے ہیں —"

سب نے ان کی نبضیں ٹٹولیں — بالکل ساکن تھیں۔

کلب کے سکریٹری جو ایڈیشنل جج تھے ہیڈ بیرے پر خفا ہو رہے تھے کہ ٹینس کے میدان کی گھاس کیوں نہیں کاٹی گئی —

رولر کیوں نہیں پھیرا گیا — اتنے آدمی کیوں رکھے ہوئے ہیں — دو بیل کیوں رکھے ہیں — رولر کے لیے ایک بیل کافی ہے — دوسرا کیا کرتا ہے —؟

"دوسرا ایڈیشنل بیل ہے —" جواب ملا۔

بیرہ تنخواہ میں اضافہ چاہتا ہے — "اس وقت جبکہ دنیا کے ہر گوشے میں بیداری پھیل رہی ہے اور مزدور طبقے کو سب آنکھوں پر بٹھا رہے ہیں۔ اتنی تھوڑی تنخواہ بالکل مضحکہ انگیز معلوم ہوتی ہے۔ میری تنخواہ زیادہ ہونی چاہیے — ورنہ —"

"اچھا دیکھیں گے — صدر صاحب سے کہیں گے —"

"آپ ہمیشہ یہی کہتے ہیں۔ میں کہتا ہوں میری تنخواہ بڑھنی چاہیے — ورنہ —"

"کچھ دیر انتظار کرو —"

"ہرگز نہیں — میری تنخواہ بڑھنی چاہیے — ورنہ —"

"ورنہ ــــ ورنہ کیا کرو گے ؟ــ"

"ورنہ ــ (سر کھجاتے ہوئے) ــــ ورنہ اسی تنخواہ پر کام کروں گا ــــ اور کیا ــــ"

وہ دیر تک بڑبڑاتا رہا۔ مجھے دیکھ کر اس نے اپنا دکھڑا رونا شروع کر دیا کہ صدر ایسے ہیں، سکریٹری ایسے ہیں ــــ ممبر ایسے ہیں ــــ ایسے ایسے مہمانوں کو ساتھ لاتے ہیں ــــ "اب آج جو یہ جادوگر صاحب تشریف لائے ہیں۔ اپنی طرف سے بڑا کمال دکھا رہے ہیں۔ میں نے خود دیکھا ہے کہ ان کی بغلوں میں دو ٹینس کی گیندیں دبی ہوئی ہیں۔ جب کندھے دباتے ہیں تو بازوؤں میں خون جانا بند ہو جاتا ہے اور نبضیں بند ہو جاتی ہیں ــــــــ اس طرح کون نہیں کر سکتا ــــ"؟

ساتھ کے کمرے میں چیزیں پکائی جا رہی ہیں اور بیرے ممبروں پر تبصرہ کر رہے ہیں۔ میں بھی ممبر ہوں لہٰذا میں یہ سب سننا نہیں چاہتا۔

"ذرا میری برساتی تو اٹھا لانا" ــــ میں اپنی گھڑی دیکھتے ہوئے کہتا ہوں۔

"کس رنگ کی ہے ؟"

"سبز رنگ کی۔"

"سبز رنگ کی ؟ ــــ (کچھ دیر سوچ کر) اوہ آپ کا مطلب ہے گرین برساتی اچھا لاتا ہوں۔"

چاندنی چھٹکی ہوئی ہے۔ میں کلب کے باغ میں ٹہل رہا ہوں ــ ایک خوشنما کنج سے کچھ آوازیں آرہی ہیں، میں دبے پاؤں جا کر دیکھتا ہوں ــ بنچ پر ایک لڑکی بیٹھی ہے ــــــــ سامنے ایک گھٹنا گھاس پر ٹیکے ایک لڑکا کھڑا ہے اس کا ایک ہاتھ اپنے دل پر ہے اور دوسرا ہوا میں لہرا رہا ہے ــــــــ نہایت

رومان انگیز فضا ہے۔

"میں شادی کا وعدہ تو نہیں کرتی۔ صرف اتنا کہہ سکتی ہوں کہ آپ کسی نائینار میں آ گئے ہیں۔"

"اپنے پرانے رفیق سے ایسی بے رحمی ـــ؟"

"پرانے رفیق ـــ چہ خوب ـــ پرانے رفیق کیا آپ میرے نئے رفیق بھی نہیں ہیں ـــ"

"لیکن تمہیں مجھ سے محبت تو ہے ـــ"

"یہ آپ کو کس نے بتایا؟ ـــ محبت تو رہی ایک طرف، مجھے آپ سے باقاعدہ نفرت بھی نہیں ہے۔"

"میں تمھیں کس طرح یقین دلاؤں کہ جب میں تمھارے انار کے دانوں جیسے دانت چیری جیسے ہونٹ، سیب جیسے گال ـــ"

"یہ کسی لڑکی کا ذکر ہو رہا ہے یا فروٹ سلاد کا۔"

"کیا بتاؤں؟ ـــ بس سمجھ لو کہ مجھے اظہارِ محبت کے لیے الفاظ نہیں ملتے۔"

"تو کیا میں ڈکشنری ہوں؟"

"آج میں تمھارا فیصلہ سن کر ہی جاؤں گا۔"

"مجھے ڈر ہے کہ میرا فیصلہ آپ کے نظامِ عصابی کے لیے مضر ثابت ہوگا ـــ تو سُن لو ـــ ہماری راہیں بالکل الگ الگ ہیں۔"

"بے شک ہماری راہیں الگ الگ ہیں ـــ تم اپنی راہ پر جاؤ اور میں ـــ میں تمہاری راہ پر جاؤں۔ تم نہیں سمجھتی کہ تم میری زندگی میں کتنی خوشگوار تبدیلیاں لے آئی ہو ـــ پہلے میری زندگی کے افق پر سیاہ بادل چھائے رہتے تھے۔ بجلیاں کڑکتی تھیں۔ آندھیاں چلتی تھیں۔ طوفان آتے تھے۔

تمہارے آنے پر گھٹائیں چھٹ گئیں، فضا نکھر گئی، سورج نکل آیا۔ ہوا کے لطیف خنک جھونکے چلنے لگے۔"

"یہ اظہارِ محبت ہے یا موسم کی رپورٹ ۔۔۔ آخر میں آپ کو کس طرح یقین دلاؤں کہ میں آپ سے شادی نہیں کر سکتی۔"

"اچھا ۔۔۔ کیا تم چند وجوہات بتا سکتی ہو کہ تم مجھ سے شادی کیوں نہیں کر سکتیں؟"

"پہلی وجہ یہ ہے کہ آپ مجھے پسند نہیں ہیں ۔۔۔ دوسری وجہ یہ کہ آپ مجھے پسند نہیں ۔۔۔ تیسری وجہ یہ کہ آپ مجھے پسند نہیں ۔۔"

"اور جو یہ میں اتنے عرصہ سے تمہاری نازبرداریاں کرتا رہا ہوں ۔۔۔ اتنے دنوں سے تمہارے پیچھے پیچھے پھرتا رہا ہوں ۔۔۔ یہ ۔۔۔"

"اس کے لیے آپ کیا چاہتے ہیں؟ ۔۔۔ پنشن ۔۔۔؟"

"کیا تمہیں سچ مچ میرا خیال نہیں ۔۔۔ کیا تمہیں میں کبھی یاد نہیں آتا؟"

"صرف ایک دن یاد آئے تھے۔"

"کس دن؟"

"اس دن چڑیا گھر گئی ہوئی تھی۔"

جب وہ واپس جا رہے تھے تو لڑکی کہہ رہی تھی۔ "آپ تو سچ مچ ناراض ہو گئے میں تو مذاق کر رہی تھی" ۔۔۔ اور لڑکا کہہ رہا تھا ۔۔۔ "تم جیسی لڑکی سے شادی کرنے سے بہتر ہے کہ انسان کسی مگرمچھ سے شادی کر لے۔"

نوجوانوں کے کلب میں انہی حضرت کے متعلق گفتگو ہو رہی تھی۔

"یہ اس قدر کٹس بدنیت ہے کہ جب صرف میرے متعلق باتیں کر رہا ہو تب بھی مجھے اکتا دیتا ہے۔"

"اور خود پسند اتنا ہے کہ جب اس کا ایکس رے لیا گیا تو اس نے جلدی سے بال درست کیے اور مسکرانے لگا۔ بعد میں اصرار کیا کہ ایکس رے کو ری ٹچ بھی کیا جائے۔

اے لو وہ آرہا ہے۔

"آؤ بھئی — تمہاری ہی باتیں ہو رہی تھیں — ہم سب تمہاری تعریفیں کر رہے تھے — لاؤ تمہاری ہتھیلی دیکھیں — ارے!"

"یہ لکیریں تو کہتی ہیں کہ تم محبت میں کامیاب رہو گے۔"

"کون سی محبت میں! — کوئی ایک محبت ہو تو بات بھی ہے —"

"مبارکباد قبول ہو —"

"کس بات کی؟"

"تمھاری شادی ہو رہی ہے۔"

"نہیں میری شادی نہیں ہو رہی ہے۔"

"تو پھر تو اور بھی مبارک باد —"

"دراصل میری مالی حالت اجازت نہیں دیتی کہ میں شادی کے متعلق سوچوں بھی۔ جب مستقل آمدنی کی صورت پیدا ہو گئی تب سوچیں گے۔"

"تم ضرورت سے زیادہ محتاط ہو — میرے خیال میں تم پنشن ملنے کے بعد شادی کرنا۔"

"شادی ایک لفظ نہیں فقرہ ہے —"

"جانتے ہو محبت کرنے والوں کا کیا حشر ہوتا ہے؟"

"کیا ہوتا ہے —؟"

"شادی کے لیے تو بہت سی چیزوں کی ضرورت ہے۔"

"شادی کے لیے صرف دو کی ضرورت ہے — ایک نوعمر لڑکی —

اور ایک بے صبر ماں —"

"لیکن کورٹ شپ کس قدر پر لطف وقفہ ہوتا ہے —"

"کورٹ شپ وہ وقفہ ہے جب لڑکا لڑکی کا تعاقب کرتا ہے۔ حتیٰ کہ وہ اسے پکڑ لیتی ہے۔"

"تم اس لڑکی کا ذکر کیوں نہیں کرتے۔ جس سے ابھی ابھی مل کر آئے ہو —— کیا بنا؟"

"بننا کیا تھا —"

شاید یہ پہلی نگاہ کی محبت ہے۔"

"ہاں تھی تو پہلی نگاہ محبت ۔ —— لیکن بعد میں میں نے دوسری نگاہ بھی ڈال ہی تھی۔"

"ویسے وہ لڑکی ہے خوب —"

"ہاں ہو بہو اپنے والد کا فوٹو گراف ہے اور اپنی والدہ کا فوٹوگراف —"

"کئی سال سے اپنی عمر اٹھارہ سال بتا رہی ہے —"

"جانتے ہو عورت کی عمر کے چھ حصے ہوتے ہیں۔ بچی — لڑکی — نوعمر خاتون — پھر نوعمر خاتون — پھر نوعمر خاتون — پھر نوعمر خاتون —"

لڑکیوں کے جھرمٹ میں اس لڑکی کی تعریفیں ہو رہی تھیں کہ یہ چھچھوری ہے، بد دماغ ہے، چغلیاں کرتی رہتی ہے۔

"لیکن ہر پارٹی میں اسے بلایا جاتا ہے اور ہر جگہ اس کی تعریفیں ہوتی ہیں —"

"وہ اس لیے کہ اس کی آواز اتنی تیز ہے کہ جب وہ بول رہی ہو تو کسی اور کی بات سنائی نہیں دیتی۔ یہاں تک کہ اس کے سامنے ریڈیو کی آواز بھی دب جاتی

ہے۔ وہ آ گئی ـــــ"

"آؤ بہن ـــــ سنا ہے تمہاری منگنی ہونے والی ہے۔"

"جی نہیں۔ میری منگنی نہیں ہو رہی۔ لیکن اس افواہ کا شکریہ۔"

"لاؤ تمہاری ہتھیلی دیکھیں ـــــ تمہاری قسمت میں دس مرتبہ فلرٹ کرنا لکھا ہے۔ (باچھیں کھل گئیں) ـــــ چار مرتبہ تمھیں محبت ہو گی۔ (مسکراہٹ کم ہو گئی) ـــــ اور صرف ایک شادی ہو گی۔ (چہرہ اتر گیا)۔

"اوہ ـــــ"

"کیوں ـــــ؟"

"نہیں کچھ نہیں ـــــ"

"کیا تم کبھی اپنے خوابوں کے شہزادے سے بھی ملیں۔ دنیا کے اس منفرد شخص سے جس سے مل کر تمھیں یہ محسوس ہوا ہو کہ تم اور وہ محض ایک دوسرے کے لیے پیدا ہوئے ہیں۔

"ہاں ـــــ کئی مرتبہ ـــــ"

کلب میں تقریریں ہوں گی ـــــ میں کچھ دیر سے پہنچتا ہوں ـــــ بڑی رونق ہے ـــــ تالیاں بج رہی ہیں۔ ایک صاحب نے ابھی ابھی تقریر ختم کی ہے۔

ایک صاحب ہاتھ میں شراب کا گلاس لے کر اٹھتے ہیں اور اسٹیج پر جا کھڑے ہوتے ہیں ـــــ

"خواتین وحضرات ـــــ معاف کیجیے ـــــ خواتین وممبران کلب ـــــ اوہ ـــــ میرا مطلب ہے کہ ممبران کلب ـــــ اور ممبران کلب ـــــ میں کسی خاص موضوع پر تقریر نہیں کروں گا، نہ میں نے اپنا نام دیا تھا نہ کوئی تقریر تیار کی ہے ـــــ لیکن میں تقریر کرنا چاہتا ہوں ـــــ اگر اس وقت میں نے تقریر نہ کی تو عمر بھر نہ کر سکوں

گا ـــ لیجئے میری تقریر شروع ہوتی ہے ـــ ممبران کلب بات یہ ہے کہ آج کا دن نہایت حسین تھا، چمکیلا تھا اور مسرور تھا، خدا نے چاہا تو کل کا دن بھی نہایت حسین ہوگا۔ چمکیلا ہوگا اور مسرور ہوگا۔ شاید آپ کو یاد ہوگا کہ کل کا دن بھی حسین تھا۔ چمکیلا تھا اور مسرور تھا۔ تو ممبران کلب مجھے یقین کامل ہے کہ اگر خدا کو منظور ہوا اور زندگیوں نے وفا کی تو پرسوں کا دن بھی نہایت حسین ہوگا۔ چمکیلا ہوگا اور مسرور ہوگا، اور کوئی وجہ نہیں کہ اس سے اگلا دن بھی....."

صاحبِ صدر نے اٹھ کر ان کے کان میں کچھ کہا اور وہ گلاس ہاتھ میں لیے اسٹیج سے اتر آئے۔

بہت سی خواتین آگئیں اور ہمیں اگلی کرسیاں خالی کرنی پڑیں۔ مجھے آخری قطار میں جگہ ملی ـــ لوگ باتیں کر رہے تھے اور اسٹیج وہاں سے کافی دور تھی ـــ تقریر صاف سنائی نہ دیتی تھی۔ ایک خاتون تقریر فرما رہی تھیں ـــ تقریر کچھ یوں سنائی دے رہی تھی۔

"آج کا دن کتنا مبارک ہے کہ میاؤں ـــ سب خواتین میاؤں میاؤں عظیم الشان اجتماع ـــ ایسے موقعے بار بار نہیں آتے ـــ بڑا مسرت کا مقام ہے ـــ وہ دن گئے کہ خواتین میاؤں ـــ مرد میاؤں ـــ اور دونوں میاؤں میاؤں میاؤں ـــ میں آپ کا وقت ضائع نہیں کرنا چاہتی ـــ صاف صاف سنائے دیتی ہوں ـــ عورت کا درجہ میاؤں ـــ عورت کا رتبہ میاؤں ـــ اور ـــ اگر خدانخواستہ میاؤں میاؤں ـــ تو پھر نہ صرف میاؤں ـــ بلکہ میاؤں میاؤں میاؤں ـــ (تالیاں) وہ دن دور نہیں ہے ـــ نسوانی وقار ـــ نسوانی دنیا ـــ نسوانی میاؤں ـــ اور اگر خدا نے چاہا تو بہت جلد میاؤں میاؤں ـــ (تالیاں) مگر مجھے ڈر ہے کہ مردوں کی بے جا ضد ـــ ہٹ دھرمی ـــ اکھڑ پن ـــ اور میاؤں

میاؤں —— مگر ہمیں کوئی پروا نہیں ہے —— (تالیاں) —— ماشاء اللہ میاؤں میاؤں —— انشاء اللہ میاؤں میاؤں —— سبحان اللہ میاؤں —— جزاک اللہ میاؤں اب پانی سر سے گزر چکا ہے —— میں التجا کرتی ہوں کہ سب ہندوستانی میاؤں میاؤں متحد ہو کر —— ہم خیال ہو کر —— میاؤں میاؤں —— ہم ثابت کر دیں گی —— پیاری بہنو —— میاؤں میاؤں —— " (تالیاں) ۔

—— لوگ باتیں کر رہے ہیں —— پھیرے آ رہے ہیں۔ پیرے جا رہے ہیں —— نیچے شور مچا رہے ہیں۔ اب ایک حضرات تقریر فرما رہے ہیں۔ بڑی خونخوار مونچھوں اور بھاری پاٹ دار آواز کے مالک —— وہ کچھ یوں تقریر کر رہے ہیں۔

" مجھے بڑا افسوس ہے کہ بھوں بھوں —— ضد سے کام نہیں چلے گا —— باہمی دوستی باہمی تبادلہ بھوں بھوں —— ایک دوسرے کی بھوں بھوں —— آپس میں مل کر بھوں بھوں بھوں (تالیاں) —— ہم سب شرائط ماننے کو تیار ہیں —— ہمیں موقعہ ملنا چاہیئے۔ —— مرد اتنے ہٹ دھرم ہرگز نہیں ہیں —— میری مانیے تو بھوں بھوں۔ (تالیاں) دیکھیئے نا کتنے سال گذر چکے ہیں —— میں ہرگز برداشت نہیں کر سکتا کہ عورتیں بھوں بھوں —— اور مرد بھوں بھوں بھوں بھوں —— ہرجائی پن —— تتلیاں —— فیشن —— اور بھوں بھوں —— (تالیاں) یہ لانخیل بھوں بھوں —— عورتیں ابھی تک اپنی حفاظت —— مردوں کی طرف دیکھنا پڑتا ہے —— ہم منتظر ہیں کہ عورتیں کب بھوں بھوں —— (تالیاں) —— جب وہ وقت آیا تو سب سے پہلے میں بھوں بھوں —— (تالیاں) —— اس کے بعد سارے مرد بھوں بھوں —— (تالیاں) —— یہ مساوات کا مسئلہ بہت پرانا ہے —— کوئی آج کی بات نہیں —— حالانکہ بھوں —— لیکن بھوں —— مگر بھوں —— خیر بھوں —— تو پھر بھوں بھوں بھوں —" (تالیاں)

ایک کمرے میں دو پختہ عمر کے معزز حضرات بیٹھے ہیں۔

"فلاں صاحب کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے؟ میرے خیال میں تو نہایت وسیع القلب، اور وسیع الدماغ اور وسیع الخیالات انسان ہیں۔"

"درست ہے، بے حد نیک اور بامروّت شخص ہیں، ایسے راست گو اور نیک خصلت انسان اتفاق سے ملتے ہیں۔"

"اور پھر اُن کے چہرے کی نورانی مسکراہٹ کیسی ہے جیسے ولی اللہ ہوں ——"

اس روز آپ کے ہاں اتفاق سے ملاقات ہو گئی — شاید وہ آپ کے عزیز دوستوں میں سے ہیں۔"

"جی نہیں —— ہم دوست تو نہیں ہیں، بس واقف ہیں، عجب تماشہ ہے —— میں اُن کو آپ کا عزیز سمجھتا رہا ہوں، اُس دن اکٹھے دیکھا تھا۔"

"نہیں —— وہ میرے عزیز نہیں ہیں —— اُس روز یونہی اتفاق سے مل گئے تھے۔"

"اچھا — تو وہ آپ کے عزیز نہیں ہیں۔"

"ان کے متعلق کچھ افواہیں سننے میں آتی رہتی ہیں —— خدا جانے جھوٹ ہیں یا سچ ——"

"میں نے بہت بہت سی باتیں سنی ہیں ——"

"اتنے سارے آدمی جھوٹ تو کیا بولتے ہوں گے، کچھ صداقت تو ہوگی ان افواہوں میں۔"

"میرے خیال میں تو یہ افواہیں درست ہیں۔"

"اگر سچ پوچھیے تو یہ نہایت ہی نامعقول شخص ہے، پھرتیا فریبی اور مکار۔"

"بالکل بجا فرماتے ہیں آپ —— اور ساتھ ہی اوّل درجے کا رشوت خور اور چغلخور ہے ——"

"میرے خیال میں اس قدر بیہودہ اور شرارتی انسان کلب بھر میں نہیں ہوگا ——"

"واقعی بے حد مردود اور خبیث شخص ہے ——"

چند حضرات بیٹھے دوسرے ممالک کی باتیں کر رہے ہیں —— یہ کافی سیاحت کر چکے ہیں۔ میں دوسرے ممالک کے متعلق بہت سی باتیں جاننا چاہتا ہوں۔

"مشرق وسطےٰ کی نمایاں خصوصیات کیا ہیں ؟"

"وہاں پھل بہت سستے ہیں۔ خصوصاً کھجوریں تو بہت سستی اور مزے دار ہیں ——"

"سنا ہے وہ بے حد پُر اسرار اور رومان انگیز جگہ ہے پرانے شہروں میں اب تک الف لیلہ کا سا ماحول ہے ——"

"وہاں سردے بہت اچھے ہوتے ہیں اور انگور تو نہایت ہی اچھے ہوتے ہیں۔ سستے اور لذیذ۔ دو آنے دے کر پورا ٹوکرا لے لو۔"

اور مصر کیسا ملک ہے ؟ فرعونوں کے مقبرے، اہرام، ابوالہول —— ان کے متعلق بتائیے ——"

"ان تاریخی مقامات پر خونچے والے بہت پھرتے ہیں اور مسافروں کو خوب لوٹتے ہیں۔ ہر چیز کی چوگنی قیمت وصول کرتے ہیں —— اُدھر اونٹ والے ہر مسافر سے یہی کہتے ہیں کہ قاہرہ چلئے۔ یہاں سے دس میل ہے۔ لیکن آپ سے خاص رعایت ہے —— آپ کے لیے صرف پانچ میل ——"

"اور شام و فلسطین —— سنا ہے کہ وہاں جا کر انجیل کے سارے واقعات آنکھوں کے سامنے پھرنے لگتے ہیں ——"

"وہاں کاشتکاری بالکل نئے طریقوں سے کی جاتی ہے —— چاروں طرف مشینیں ہی

مشینیں نظر آتی ہیں۔ مشینوں کو بھی مشینیں چلاتی ہیں۔"

"ٹرکی میں آپ نے کیا دیکھا ---؟"

" وہاں کھانے پینے کا انتظام بہت اچھا ہے۔ دنیا کے بہترین ہوٹل ٹرکی میں ہیں ---"

اور ایران تو بہت ہی خوشنما جگہ ہوگی --- سعدی اور حافظ کا وطن --- موسیقی پھول --- رنگینیاں ---

" وہاں بادام اور کشمش نہایت اعلیٰ درجہ کے ملتے ہیں اور اس قدر ارزاں کہ یقین نہیں آتا۔"

" اور مراقش ---"

" اگر کسی کو کباب کھانے ہوں تو سیدھا مراقش چلا جائے۔ شامی کباب سیخ کباب ---"

کچھ دیر کے بعد کمرے میں ہم صرف تین رہ جاتے ہیں --- سیاح صاحب میں --- اور ایک اور حضرت، جو سیاح صاحب پر ناک بھوں چڑھاتے رہے ہیں۔ آخر وہ بھی اٹھ کر چلے جاتے ہیں۔

آدھ گھنٹے کے بعد پردے کی دوسری جانب سے دو حضرات میرا نام پکار کر پوچھتے ہیں --- " وہ خبیث سیاح چلا گیا یا نہیں ---؟"

میں گھبرا جاتا ہوں اور جلدی سے جواب دیتا ہوں --- " جی ہاں وہ خبیث سیاح تو کب کا چلا گیا --- اس وقت تو یہاں (سیاح کا نام لے کر) فلاں صاحب بیٹھے ہیں۔"

دوسرے کمرے میں سائنس کے پروفیسر ایک بزرگ سے کہہ رہے ہیں --- " گائے کا دودھ ایک دم سوکھ گیا ہے، شاید کسی کی نظر لگ گئی اور میرا لڑکا امتحان میں لگاتار

فیل ہو رہا ہے — ان دونوں کے لیے تعویذ درکار ہیں — آپ پیر صاحب قبلہ سے تعویذ بنوا دیں گے نا —؟"

"ضرور —"

"تو پھر بھولیے مت — دونوں تعویذ جلد بھجوائیے — گائے کا تعویذ — اور میرے لڑکے کا تعویذ —"

"بہت اچھا —"

ایک صاحب جو سن رہے ہیں اور غالباً نشے میں ہیں نزدیک آکر تاکید کرتے ہیں — اور دیکھئے اس بات کا خیال ضرور رکھئے کہ تعویذ بدل نہ جائیں — کہیں گائے امتحان میں پاس ہو جائے اور خدانخواستہ لڑکا ."

دو معمر حضرات نیچے پی رہے ہیں -

"وہ مست الوجود دوپہر سے بیکار بیٹھا ہے — وہ جو اس کھڑکی میں سے نظر آ رہا ہے — شاید اسے دنیا میں کوئی کام نہیں —"

"آپ کو کیا پتہ یہ دوپہر سے بیکار بیٹھا ہے —؟"

"اس لیے کہ میں خود دوپہر سے اسے دیکھ رہا ہوں -"

"یہ آپ کا جام صحت ہے — چیرز —"

"چیرز —"

"میں نے لوگوں کے جام صحت اس قدر پئے ہیں کہ اپنی صحت خراب کر لی ہے —"

"تعجب ہے کہ لوگ دوسروں کی صحت کو محض پیتے کیوں ہیں - کھاتے کیوں نہیں - مثلاً اب میں ایک کیک لے کر کہوں - یہ رہی تمہاری صحت — یہ رہا تمھارا کیک صحت — اور کھانا شروع کر دوں -"

"یہ ریڈیو پر کیا اوٹ پٹانگ موسیقی ہو رہی ہے۔"

"غالباً پکا گانا ہے ۔۔ آپ کو فنونِ لطیفہ سے دلچسپی نہیں کیا؟"

"جی ہے تو سہی ۔۔ میں ہمیشہ فنونِ لطیفہ کی عزت کرتا ہوں۔ لیکن فنونِ لطیفہ کو بھی تو کچھ میرا خیال ہونا چاہئے۔ مجھے رقص پسند ہے ۔۔ گھوڑا لگی ۔۔ اور جھپکا لگی دونوں قسم کے رقص پسند ہیں ۔۔"

"غالباً آپ کی مراد کتھا کلی رقص سے ہے ۔۔ خیر اسے چھوڑیئے اب مصوری کے متعلق ۔"

"مصوری کے متعلق یہ ہے کہ مجھے اُن چیزوں سے بڑی چڑ ہے جن سے میں ناواقف ہوں ۔"

"مصوری کے متعلق میں بھی اتنا کم جانتا ہوں کہ اس پر بحث کرتے ہوئے مجھے غصہ تک نہیں آتا ۔"

اتنے میں بیرا آتا ہے ۔ "ڈاکٹر صاحب آپ کو سلام بولتے ہیں ۔"

"ان سے کہنا وعلیکم السلام ۔۔"

"مل آیئے اِن سے ۔۔ بڑے قابل ڈاکٹر ہیں ۔۔ ان کی کافی پریکٹس ہے۔ پندرہ سال سے پریکٹس کر رہے ہیں ۔"

"معاف کیجئے میں پریکٹس کرنے والوں کا قائل نہیں میں تو ایکسپرٹ لوگوں میں اعتقاد رکھتا ہوں ۔"

"یہ لیجئے ۔۔ سگرٹ ۔۔"

"شکریہ ۔۔ کون سا ہے ۔۔؟"

"روسی سگریٹ ہے ۔۔ میرا لڑکا فرانس سے بھیجا کرتا ہے۔ گھٹیا سگریٹ تو میں بالکل نہیں پی سکتا میرے خیال میں سگریٹ کے برانڈ کا اثر پینے والے پر ضرور پڑتا ہے میرا بھتیجا قینچی مارکہ

سگریٹ پیا کرتا ہے اور ہر وقت اس کی زبان کتر کتر چلتی ہے ۔۔۔ میں خود چند سال پہلے کیپسٹن سگریٹ پیا کرتا تھا۔ ایک روز میں نے محسوس کیا کہ سچ مچ میری کمر میں کوہان نکل رہا ہے ۔۔۔ میں نے فوراً وہ سگریٹ چھوڑ دیا۔"

آپ درست فرماتے ہیں ۔۔۔ میرے ایک دوست بالکل دبلے پتلے تھے جب سے انہوں نے ہاتھی مارکہ سگریٹ پینے شروع کئے وہ اس قدر موٹے ہو گئے ہیں کہ پہچانے نہیں جاتے۔"

"ویسے یہ روسی سگریٹ پیتے پیتے بعض اوقات مجھے محسوس ہوتا ہے کہ میں کمیونسٹ بنتا جا رہا ہوں ۔۔۔ لیکن یہ تو وہم ہی ہے ۔۔۔"

"غالباً ہم فنونِ لطیفہ کا ذکر کر رہے تھے ۔۔۔ آپ کو شاعری سے بھی دلچسپی ہے۔"

"میں تو شاعری پر فریفتہ ہوں ۔ مجھے فارسی شاعری بہت پسند ہے ۔۔۔ وہ کیا شعر ہے۔
میز پوشش بر لب بام نظر می آید ۔۔۔"

"کیا کہنے ہیں فارسی شعروں کے ۔۔۔ لیکن اپنے شعر بھی کچھ کم نہیں ۔۔۔ غالب کا وہ شعر تو آپ نے سنا ہوگا ۔۔۔ کچھ تو کھائیے کہ لوگ کہتے ہیں ۔۔۔"

"خوب ہے اور وہ کس کا شعر ہے ۔۔۔ پیٹ میں درد اٹھا آنکھوں میں آنسو بھر آئے بیٹھے بیٹھے ہمیں کیا جانئے کیا یاد آیا۔"

"شاید یہ ہی شاعر کا ہے جس کا یہ ہے ۔ ناحق ہم لنگوروں پر ہے تہمت خود مختاری کی ۔۔۔ اور پتہ نہیں کیا ہوا کہ چاہا حبیب بدنام کیا ۔۔۔"

"کل میں نے ریڈیو پر ایک نہایت دردناک غزل سنی ۔۔۔ بلبو سٹ ردنیاں آنسو بہانا ہے منع ۔۔۔"

"غالباً فلمی چیز ہوگی ۔۔۔ دیکھئے نا اس میں لطافت غائب ہے ۔۔۔ آنسو بہانا ہے منع یوں معلوم ہوتا ہے جیسے یہاں سگریٹ پینا منع ہے۔"

"آپ درست فرماتے ہیں ۔۔۔"

اسی کمرے میں ذرا دور دو معمر حضرات بیٹھے ہیں، شراب تو ایک طرف یہ سگریٹ بلکہ بیوہیڈ تک نہیں پیتے۔

"میں برسوں سے اپنے آپ کو دھوکہ دیتا رہا ہوں ۔۔۔"

"کبھی آپ نے اپنے آپ کو دھوکہ دیتے ہوئے پکڑا نہیں ۔۔"

"ہرگز نہیں ۔۔ میں بہت چالاک ہوں ۔۔"

"میں مدتوں سے سیلون جانا چاہتا ہوں ۔ یہ میری زندگی کی سب سے بڑی آرزو ہے ۔"

"تو آپ کو منع کون کرتا ہے ۔۔"

"آپ نہیں سمجھتے، میرے حالات بڑے ناتسلی بخش ہیں، ویسے میں بالکل معمولی سے، اور ان کے درست ہونے میں کوئی زیادہ دیر بھی نہیں لگے گی، فقط مجھے چھ لڑکوں اور پانچ لڑکیوں کی شادیاں کرنی ہیں ۔ مکان بنوانا ہے ۔ کچھ قرض اتارنا ہے ۔ زمینیں خریدنی ہیں ۔ چھوٹی سی جائداد بنانی ہے ۔۔ بس ۔۔"

"مگر سیلون جانے سے ان کا تعلق ؟ میرے خیال میں آپ ابھی وہاں جا سکتے ہیں ۔۔"

"جی نہیں ۔۔ میں فی الحال وہاں ہرگز نہیں جا سکتا ۔ ابھی کچھ عرصہ لگے گا ۔"

"آپ ابھی جا سکتے ہیں ۔ اسی وقت ۔۔ میں خود ۔۔ آپ کو اپنے ساتھ سیلون لے چلوں گا یا ہم حجام کو یہیں کیوں نہ بلا لیں ۔۔"

"افوہ ۔۔ آپ کو غلط فہمی ہوئی ۔۔ میں اس سیلون کا ذکر نہیں کر رہا۔ میں لنکا کا ذکر کر رہا ہوں ۔۔"

"اوہ ۔ لنکا کا ذکر ۔ آپ نے میرے منہ کی بات چھین لی، میری بھی یہی آرزو ہے لنکا جانا میری زندگی کی سب سے بڑی تمنا ہے ۔۔ میں نے باقی سب تیاریاں کر رکھی ہیں ۔ فقط ایک معمولی سی کسر باقی ہے ۔۔"

"کیا ۔۔؟"

"فقط روپوں کا انتظار ہے ۔۔۔ ویسے میرا دل گواہی دیتا ہے کہ اس سال کے اختتام تک مجھے کہیں سے پچاس ساٹھ ہزار روپے مل جائیں گے ۔"

"آپ نے کسی کاروبار میں روپیہ لگایا ہے یا حصے خریدے ہیں ۔"

"نہیں تو ۔۔۔"

"یا کسی نے آپ سے قرض لے رکھا ہے ۔۔۔ ؟"

"نہیں ۔۔۔"

"تو پھر ؟"

"بس ویسے ہی مجھے ایک عجیب سا احساس ہوتا ہے ۔ کہ کسی دن جاتے جاتے مجھے راستے میں پچاس ساٹھ ہزار روپے مل جائیں گے ۔ یا کسی روز صبح اٹھوں گا تو تکیے کے نیچے روپے رکھے ہوں گے ۔۔۔ یا کوئی چپکے سے میرے کوٹ کے اندرونی جیب میں روپے رکھ جائے گا ۔۔۔"

"آپ نے کوئی لاٹری کا ٹکٹ تو نہیں لے رکھا ۔۔۔ ؟"

"لے رکھا ہے ! ۔۔۔ اور جب یہ روپے مل گئے تو میں سیدھا لنکا کا رخ کروں گا اور بقیہ عمر وہیں گزاروں گا ۔"

"میرا بھی پروگرام ہے ۔۔۔ وہاں تو ہم ملا کریں گے ۔ آپ وہاں کلب کتنے بجے آیا کریں گے ؟"

"یہی کوئی دوپہر کے لگ بھگ ۔۔۔ اور پانچ بجے واپس چلا جایا کروں گا اور آپ ۔۔۔ ؟"

"میں شام کو آیا کروں گا ۔۔۔ کوئی چھ بجے کے قریب ۔"

"تب تو ملاقات ہونی مشکل ہے ۔۔۔ آپ ذرا پہلے نہیں آسکتے ۔۔۔ ؟"

"جی مشکل ہے ۔ اگر آپ کچھ دیر اور ٹھہر جایا کریں ۔۔۔ پانچ کے بجائے چھ بجے چلے جایا کریں ۔۔۔"

"کلب میں شام کو شور وغل شروع ہو جایا کرے گا ۔۔۔ مجھے ڈر ہے کہ میں اتنی دیر

تک نہ ٹھہر سکوں گا۔"

"تب تو میں بہت اداس رہا کروں گا۔ کاش کہ آپ کچھ دیر اور ٹھہر سکتے۔"

"تو آپ ہی ذرا جلدی آجایا کریں۔"

"شاید میں اتنی جلدی نہیں آسکوں گا ۔ دیکھئے آپ اتنی سی بات نہیں مانتے ۔۔۔ اچھا چلئے ساڑھے پانچ بجے سہی ۔۔۔"

"اچھا دیکھوں گا، مگر وعدہ نہیں کرتا۔ بہتر تو یہی ہوتا کہ آپ پانچ بجے آجاتے۔"

"چلئے ۔۔۔ پانچ بجکر پینتیس منٹ سہی ۔۔۔ بس؟"

"اچھا ۔۔۔ مگر دیکھئے نا ۔۔۔"

ایک معمر حضرات سہ پہر سے جو پینا شروع کرتے ہیں تو آدھی رات تک پیتے رہتے ہیں۔ ان کے متعلق طرح طرح کی روایات مشہور ہیں۔ روایات مختلف ہیں لیکن سب کا لب لباب یہ ہے کہ ان کی زندگی میں ٹریجڈی کو بہت دخل ہے۔ وہ سدا کے غمگین ہیں۔ آج تک کسی نے انھیں مسکراتے نہیں دیکھا۔ تقدیر نے ان کے ساتھ بہت برا سلوک کیا ہے۔ زندگی نے ان کے ساتھ غداری کی ہے۔ آج تک انہوں نے اپنی زندگی کی المیہ داستان کسی کو بھی نہیں سنائی۔

شام کو نہ جانے کیوں مجھ پر مہربان ہو جاتے ہیں۔ شاید اس لیے کہ میں نے ان کا جلتا ہوا سگار قالین سے اٹھا کر انھیں دے دیا یا اس لیے کہ وہ شراب کی بوتل انگیٹھی پہ بھول آئے اور میں نے اٹھا کر دے دی۔

ہم دونوں ایک تنہا گوشے میں بیٹھے ہیں۔ وہ بے تحاشہ پی رہے ہیں۔ میں ان سے ان کی زندگی کے متعلق سوال کرتا ہوں۔

"پہلے وعدہ کرو کہ یہ داستانِ تلخ سن کر تم ہمدردی کا اظہار نہیں کرو گے۔ جب کوئی مجھ سے اظہارِ ہمدردی کرتا ہے تو میرے لیے زندگی کا ایک ایک لمحہ کٹھن ہو جاتا ہے۔ لو سنو۔ آج سے دس

سال پہلے میں بجد مسرور انسان تھا۔ آہ کیسے دن تھے وہ بھی۔ دنیا مجھ پر رشک کرتی تھی۔ سب یہی کہتے تھے کہ اس شخص کی مسکراہٹ میں سورج کی کرنوں کی سی چمک اور جلال ہے۔ اُن دنوں میرے پاس ایک ہرن تھا ــــ کیا بتاؤں کیسا حسین اور پیارا ہرن تھا۔ ہم دونوں میں اتنا پیار تھا کہ میں اسے دیکھ کر جیتا تھا اور وہ مجھے دیکھ کر۔ ان دنوں میں افریقہ میں تھا اور بجد خوش تھا۔ پھر وہ منحوس ساعت آئی جب میں نے اپنا سب کچھ کھو دیا۔ میں نے نیا ملازم رکھا تھا ــــ رات کو جاتے وقت وہ کم بخت ہرن کو باندھتا گیا۔ پہلے اُسے کبھی نہیں باندھا گیا۔ رات کو خدا جانے بھیڑیئے آئے یا کیا بلا آئی ــــ اگر ہرن آزاد ہوتا تو وہ کسی کو اپنے پاس بھی نہ آنے دیتا۔ علی الصبح میں نے اٹھ کر دیکھا تو ہرن اللہ کو پیارا ہو چکا تھا۔ میری آنکھوں کے سامنے دنیا اندھیرا ہو گئی۔ مدتوں میں بےچین و بیقرار پھرتا رہا۔"

انہوں نے گلاس بھرا اور پینے لگے۔

"لیکن انسانی دل ایسی چیز ہے جو بہلائے سے بعض اوقات بہل جاتی ہے۔ ہرن کی جگہ ایک اور ہستی نے لے لی ــــ یہ ایک طوطا تھا جسے میں سپین سے گذرتے وقت لایا تھا۔ یہ طوطا بس نام کو طوطا تھا۔ ویسے انسانوں سے بہتر تھا۔ ہم گھنٹوں بات چیت کیا کرتے۔ اس طوطے کو ادب لگاؤ تھا۔ میں اُسے نظمیں سناتا جنھیں وہ بار بار دہراتا۔ قصہ مختصر اس طوطے نے میری زندگی کو دوبارہ جینے کے قابل بنا دیا۔ لیکن قسمت کو کچھ اور ہی منظور تھا ــــ ایک دن طوطے کے پنجرے کے ساتھ میری گرم یونیفارم ٹنگی ہوئی تھی۔ طوطے نے اس کا کچھ حصہ کتر ڈالا، اور مجھ بدنصیب کو اتنی سی بات پر اتنا غصہ آیا کہ اُسے برا بھلا کہا ڈانٹا۔ ایک تنکے سے کچھ پیٹا بھی۔ میرے دیکھتے دیکھتے اس نے اپنا سر سلاخوں سے باہر نکالا۔ چونچ سے پنجرے کے دروازے کی کیل نکالی اور پھر سے اڑ کر ایک درخت پر جا بیٹھا۔ میں نے اس کی بڑی منتیں کیں۔ پرانی رفاقت کا واسطہ دلایا۔ معافی مانگی قسمیں کھائیں وعدے کئے۔ لیکن میرے اس وحشیانہ سلوک سے اس کا ننھا سا دل ٹوٹ چکا تھا ــــ وہ اڑ گیا اور پھر کبھی نہ آیا ــــ اس کے بعد میرا کیا حال ہوا ــــ میں دن رات نشے میں رہنے لگا۔ میں نے

شراب کے علاوہ اور منشیات بھی شروع کر دیں۔ جھوٹ بولنا شروع کر دیا۔ ذرا ذرا سی بات پر مجھے غصہ آنے لگا۔ میری صحت بالکل گر گئی — میری ترقی رک گئی — میرا وہاں سے تبادلہ ہو گیا۔"

انہوں نے خالی گلاس پھر بھرا۔

"میں سمجھتا تھا کہ میرے لیے دنیا ختم ہو چکی ہے لیکن میری زندگی میں پھر بہار آئی میں پھر مسکرانے لگا۔ اس خوشگوار تبدیلی کی وجہ وہ پیاری پیاری دلآویز بطخیں تھیں جنہیں میں چین سے لایا تھا۔ میں بیان نہیں کر سکتا تھا کہ وہ بطخیں مجھے کس قدر عزیز تھیں۔ جب وہ اپنی چونچ موڑ کر گول آنکھوں سے مجھے دیکھتیں تو میرا رواں رواں مسرت سے رقص کرنے لگتا۔ میرا خون بڑھ جاتا۔ شام کو ہم تینوں سیر کرنے جاتے۔ میں پھر تندرست توانا ہو گیا اور بڑی سرگرمی سے اپنا کام کرنے لگا لیکن قسمت کو میری یہ مسرت ایک آنکھ نہ بھائی زندگی کی ٹھوکروں نے میرا پیچھا نہ چھوڑا۔ بنا بنایا کھیل بگڑ گیا۔ بسا بسایا گھر اجڑ گیا۔ اس مرتبہ اس کی ذمہ دار میری بیوی تھی جو اس صبح وطن سے آئی تھی۔ اسے شکار کا شوق تھا۔ شام کو بندوق لے کر نکلی اور اسے شکار ملا تو بطخیں جو جھیل پر تفریح کے لیے ہو گئی ہوئی تھیں — میں نے اپنی بیوی کا یہ گناہ کبھی معاف نہیں کیا — میں اسے معاف نہیں کیا — میں اسے کبھی معاف نہیں کروں گا — ایسی پیاری مشفق بطخیں — ایسے پیارے رفیق زندگی میں صرف ایک مرتبہ آیا کرتے ہیں — اس کے بعد میں نے جوا کھیلنا شروع کر دیا — دوستوں کو دھوکا دینے لگا — اپنا غم غلط کرنے کے لیے میں نے کچھ نہیں کیا۔ اف تقدیر۔ ہائے قسمت۔"

ان کی آنکھوں میں آنسو آ گئے — انہوں نے دوسری بوتل کھولی۔

"زندگی کی تلخ کامیوں کی داستان شاید ابھی ادھوری تھی۔ ابھی تقدیر کو اور کچوکے لگانے تھے۔ ڈوبتے کو تنکے کا سہارا پھر ملا۔ زندگی سوتے سوتے جاگ اٹھی دنیا مسکرانے لگی — میری زندگی میں ایک کتا آیا — بے حد حسین و جمیل کتا، نیک، وفادار، سمجھنے والا۔ اس نے میرے صبح و شام بدل دیے۔ میں پرانے غم ایک حد تک بھول گیا — لیکن یہ سب کچھ عارضی تھا، میرا یہاں سے تبادلہ ہوا اور مجھے ہوائی جہاز میں آنا پڑا۔ کتا اسکاٹ لینڈ میں رہ گیا۔ جب میرا کنبہ لندن سے آیا تو ان کمبختوں میں کسی کو اتنی توفیق نہ ہوئی

کہ میرے عزیز از جان پیارے کتے کو ساتھ لے آنا۔ میں نے تار دیئے روپے بھیجے۔ آخر کتا سمندر کے راستے اسکاٹ لینڈ سے روانہ ہوا۔ جہاز والوں کی غلطی سے کتے کو کلکتے کی بجائے بمبئی اتار دیا گیا۔ میں خود کتے کو لینے کلکتے گیا اور مایوس لوٹا۔ پھر پتہ چلا کہ وہ بمبئی میں ہے۔ میں نے اسی روز اپنے بڑے لڑکے کو بمبئی بھیجا۔ وہ ناہنجار، بے ایمان لڑکا فرسٹ میں گیا، فرسٹ میں آیا، اتنی رقم ضائع کی۔ لیکن کتے کا اتنا سا خیال بھی نہ رکھا۔ نہ اس کے آرام کی پروا کی، نہ اس کی خوراک پر احتیاط برتی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ کتے کی طبیعت جو سفر کی صعوبتوں کی وجہ سے پہلے ہی ناساز تھی۔ بالکل علیل ہو گئی اور یہاں پہنچتے پہنچتے اس نے دم توڑ دیا۔ اب کیا بتاؤں۔ میں زندگی کس طرح گذار رہا ہوں۔ بس دن پورے کر رہا ہوں ــــ یوں تو میرے بچے ہیں، بیوی ہے، دوست ہیں، میرے پاس روپیہ ہے۔ لیکن مجھے کسی چیز سے کبھی دلچسپی نہیں ــــ میرے لیے دن بھی اتنا ہی تاریک ہے جتنی کہ رات۔ مجھ سا بدنصیب تو زمانے میں نہ ہوگا۔

ان کی آنکھوں سے آنسو رواں ہیں۔

یہ اُن دنوں کا ذکر بھی ہے جب میں کلب جانے سے پہلے گھنٹوں سوچا کرتا تھا کہ جاؤں یا نہ جاؤں، کیا میرا وہاں جانا واقعی ضروری ہے۔ کیا میں اپنا فالتو وقت کسی اور طرح نہیں گذار سکتا۔

تمنّا

تمنّا وہ لڑکی تھی جسے جنوبی ایران میں پہلے میں نے دیکھا اور جب شیطان نے اُسے شمالی ہندوستان میں دیکھا تو فوراً عاشق ہوگئے۔

جب شیطان نے مجھے تار دے کر چاۓ پر مدعو کیا تو میں سمجھ گیا کہ وہ کسی پر عاشق ہوگئے ہیں ایسے موقعوں پر وہ ہمیشہ تار دے کر مدعو کیا کرتے ہیں۔ سہ پہر کو میں وہاں پہنچا۔ وہ حسبِ معمول اسٹیشن پر نہیں ملے۔ اُن کے گھر پہنچ کر میں نے انہیں ہر جگہ ڈھونڈا سوائے اس جگہ کے جہاں وہ تھے۔ دیر کے بعد مجھے خیال آیا کہ چھت پر دیکھوں کیوں کہ عاشق ہونے کے بعد شیطان چھت کا رخ کیا کرتے ہیں۔ اوپر پہنچ کر میں نے دیکھا کہ وہ فرش پر بیٹھے ہیں۔ غالباً اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ وہاں کچھ اور بیٹھنے کے لیے نہیں تھا۔

جب وہ اپنے عشق کی داستان سنا رہے تھے تو میں خاموش بیٹھا اخبار پڑھ رہا تھا۔ میرے

خیال میں اُن کی یہ حرکت بالکل فضول تھی اور وہ نرے احمق تھے۔ لیکن میں نے ان لطیف جذبات کا اظہار نہیں کیا۔

جب انہوں نے ناکامی کی صورت میں اپنے آپ کو اس دنیائے فانی سے ڈسمس کر دینے کی دھمکی دی تو میں چونکا۔

"آخر تم چاہتے کیا ہو ——؟" میں نے اخبار کو تہہ کرتے ہوئے پوچھا۔

"مجھے مدت سے ایسی لڑکی کی تلاش تھی جو تعلیم یافتہ ہو، سلیقہ شعار ہو اور خوبصورت ہو ——"

"تو یہ کیوں نہیں کہتے کہ تمہیں تین لڑکیوں کی تلاش تھی ——"

"دفعتہً مجھے وہ لڑکی مل گئی۔ میں موٹر سائیکل پر جا رہا تھا۔ راستے میں میں نے اس کی پشت دیکھی، جو بلاشبہ دنیا کی حسین ترین پشت تھی۔ میں نے قریب جا کر لفٹ کے لیے پوچھا اور کہا کہ میں آپ کے راستے جا رہا ہوں۔ اس نے میری طرف دیکھا اور میں غش کھاتے کھاتے بچا۔ میں نے کہا کہ میں اس جگہ اجنبی ہوں۔ کیا آپ اپنے مکان تک میری رہنمائی کریں گی۔ اُس نے اپنے گھر کا مفصل پتہ بتا دیا اور بولی خبردار جو میرا تعاقب کیا ہے تو —— اس کے بعد جو کچھ ہوا وہ اس شعر سے ظاہر ہے ——

از بال و پرِ غبارِ تمنا فشردہ ایم
بر شاخِ گل گراں نہ بود آشیانِ ما۔"

انہوں نے یہ شعر بالکل بے موقعہ پڑھا تھا۔ غالباً انہیں اس کے معنے بھی نہیں آتے تھے۔ محض اسلئے پڑھ دیا تھا کہ فارسی کا شعر تھا اور اس میں تمنا کا ذکر تھا۔

انہوں نے مجھے تمنا کی تصویریں دکھائیں۔ میں نے بتایا کہ میں اسے واجبی طور پر جانتا ہوں اور وہ حسین ہرگز نہیں ہے۔

"وہ حسین ضرور ہے۔ اگر اسے ایک خاص زاویے سے دیکھا جائے۔"

"وہ زاویہ کون سا ہے۔"

"اس کے صرف چند پوز اچھے نہیں آتے۔ ایک سامنے کا، ایک سائڈ کا، اور ایک ترچھے رخ سے لیا ہوا ــــ بس ــــ ان کے علاوہ باقی سب پوز نہایت حسین آتے ہیں۔"

"باقی پوز کون سے رہ گئے ــــ؟"

"مجھے ایران کی باتیں بتاؤ۔"

اتنے میں ایک بزرگ تشریف لے آئے جو پولیس میں ملازم تھے۔ انہوں نے اپنے تھانے کے بڑے دروازے پر خوش آمدید لکھ رکھا تھا ــــ کبھی تھانے میں تشریف لائیے ــــ اُن کا تکیہ کلام تھا۔

اُن کے آنے پر موضوع بدل گیا اور خانگی قسم کی گفتگو شروع ہو گئی ــــ ملٹن، گاربو اور شیکسپیر کا ذکر چھڑ گیا۔

اگلے روز شیطان مجھے تلخ صاحب کے ہاں لے گئے۔ راستے میں مجھے معلوم ہوا کہ خوش قسمتی سے شیطان کی ملاقات دنیا کی عظیم ترین ہستی سے ہو گئی ہے۔ تلخ صاحب سماج کے سب سے بڑے باغی ہیں۔ ملک کے سب سے بڑے انسان ہیں۔ ان کی تحریروں میں جادو ہے، اُن کے قلم میں زہر ہے۔

بیچدار راستوں سے اور تنگ گلیوں سے گزر کر ہم ایک بوسیدہ سے تاریک مکان میں پہنچے۔ جہاں ایک منحنی سے زرد رو سیکنڈ ہینڈ صاحب عینک لگائے کچھ لکھ رہے تھے۔ سامنے چند حضرات بیٹھے انہیں غور سے دیکھ رہے تھے۔ ایک کونے میں ایک مریل سا کتا بیٹھا دم ہلا رہا تھا۔

شیطان نے میرا تعارف کرایا۔

"آپ کمیونسٹ ہیں یا سوشلسٹ؟"

"پتہ نہیں۔"

"تو پھر امپیریلسٹ ہوں گے۔"

"جی نہیں۔"

"تو پھر آپ ہیں کیا؟"

"انسان ہوں۔"

"آپ انسان ہرگز نہیں ہیں جب تک آپ کم از کم نیشنلسٹ نہ ہوں۔"

"ان سب میں فرق کیا ہے؟"

"تو گویا آپ کو فرق بھی نہیں معلوم — غضب خدا کا۔"

"سچ سچ — میں آج تک نہیں سمجھ سکا کہ ایک رائیلسٹ ایک مارکسسٹ سے کیوں خفا ہے، ایک فاشسٹ ایک انارکسٹ سے اچھی طرح کیوں نہیں پیش آتا۔ رائیلسٹ کیوں علیحدہ رہتے ہیں۔ میرے خیال میں ہر شخص شروع میں سوشلسٹ ہوتا ہے، کچھ دیر کے بعد ترقی کر کے کمیونسٹ بن جاتا ہے پھر اگوئسٹ۔"

"چچ چچ چچ — ہمارے نوجوان کس قدر بے بہرہ ہیں، کتنے افسوس کی بات ہے۔"

"تلخ صاحب — انہیں چھوڑیئے، اپنا مضمون سنائیے۔" ایک صاحب بولے۔

تلخ صاحب نے اپنا مضمون شروع کیا — "دنیا کی سب سے بڑی لعنت بیوروکریسی ہے جو کسی بیمار دماغ کا بیمار خواب معلوم ہوتی ہے۔ اگرچہ ڈیموکریسی اس سے بڑی آفت ہے، میرا خیال ہے کہ آج ڈپلومیسی کا خاتمہ ہو جائے تو

دنیا میں امن پھیل جائے۔ سچ پوچھیے تو دنیا کی بیہودہ ترین چیز ارسطو کرسی ہے ۔۔۔"

"لیکن آپ کی کوئی پالیسی ہونی چاہیے" ۔۔۔ میں ڈرتے ڈرتے بولا۔

"میں پالیسی کے خلاف ہوں ۔۔۔ پالیسی پر لعنت ہے ۔۔۔ میں باغی ہوں۔ میں سماج کے خلاف ہوں۔ اس فرسودہ نظام کے خلاف ہوں۔ نظام شمسی کے بھی خلاف ہوں۔ زمین و آسمان اس خدائی کے خلاف ہوں ۔۔۔ میں ہر چیز کے خلاف ہوں ۔۔۔ لوگ مجھے دہریہ سمجھتے ہیں ۔۔۔ ہاں میں دہریہ ہوں ۔۔۔ خدا کا شکر ہے کہ میں دہریہ ہوں۔ ذرا سوچیے کس نے میری زندگی ۔۔۔ سے طاقتیں چھین لیں، کس نے میرا ہاضمہ تباہ کر دیا۔ کس نے اس کمرے میں مکڑی کے جالے لگا دیے۔ کس نے میرے معصوم کتے کا یہ حال کر دیا کہ وہ بعض اوقات مجھے پہچانتا بھی نہیں، اجنبی سمجھتا ہے ۔۔۔ یقیناً یہ کسی کا قصور ہے۔ اس کہنہ نظام اور فرسودہ خدائی کا قصور ہے ۔۔۔"

واپسی پر شیطان نے بتایا کہ وہ تلخ صاحب کے ساتھ مل کر ایک رسالہ نکال رہے ہیں۔ جس کا نام تمنا رکھیں گے۔

بڑی اپنی بیہودہ سی موٹر میں آیا جس کی ہر چیز شور مچاتی تھی سوائے ہارن کے سپیڈو میٹر عرصے سے کام نہیں کرتا تھا۔ رفتار یوں معلوم کی جاتی تھی کہ بیس میل فی گھنٹے پر دہنا مڈگارڈ ہلتا تھا۔ پچیس میل پر بایاں اس کا ساتھ دیتا تھا۔ تیس میل پر فٹ بورڈ تھرتھرانے لگتا۔ پینتیس پر سب کچھ۔ اس سے زیادہ تیز ہم اسے چلانے نہیں دیتے تھے۔

موٹر میں اس قدر بھیڑ ہوتی۔ کہ یہ معلوم کرنا محال ہو جاتا کہ اسے چلا کون رہا ہے۔ وہیل پر کوئی بیٹھا ہے بریک پر کسی کا پاؤں ہے تو کلچ پر کسی کا۔ گیر کسی کے ہاتھ میں ہے۔

ذرا ذرا دیر کے بعد غل مچیتا ــــ میں گیئر بدلوں گا، تم ذرا کلچ دبانا ــــ ذرا بریک دبانا میں موڑنے لگا ہوں ــــ شیخ صاحب کے اعزاز میں پارٹی ہو رہی تھی۔ جس میں تمنا خانم بھی اپنے عزیزوں کے سمیت آئی تھیں۔ ہم وہاں پہنچے تو صرف چند ترقی پسند شعراء اور ادیب بیٹھے تھے۔ شیخ صاحب اور خواتین کا انتظار ہو رہا تھا۔ ایک ادیب شیطان کے پرانے ہم جماعت نکلے ــــ انہیں دیکھتے ہی اچھل پڑے ــــ ان چند سالوں میں تم کتنے بدل گئے ہو۔ میں نے صرف ہیٹ سے پہچانا۔"

"یہ ہیٹ بڑا دیرپا اور مضبوط ہے۔ کئی مرتبہ کھویا گیا، بدلا گیا ــــ پھر بھی ویسے کا ویسا ہے۔"

رسالے کی باتیں ہونے لگیں۔ شیطان بولے۔ "رسالے کے سرورق پر یہ ضرور لکھا جائے ــــ بیادگار تمنا خانم ــــ"

میں نے انھیں بتایا کہ بیادگار تو تب لکھتے ہیں جب کسی کا انتقال ہو جائے!۔

"تو پھر زیرِ سرپرستی تمنا خانم ــــ لکھا جائے۔"

"اس سے بزرگی ٹپکتی ہے یوں معلوم ہوتا ہے جیسے تمنا خانم ساٹھ ستر برس کی ہوں۔"

"رسالے کا نام صرف تمنا رکھا جائے۔" بڈی نے مشورہ دیا۔

ایک صاحب جو رسالے کے ہونے والے مینیجر تھے فائل کھولنے لگے ــــ "حضرات میں نے رسالے کے کچھ قواعد و ضوابط مرتب کیے ہیں، سنیئے ــــ یہ ماہنامہ ہر ماہ کی آخری تاریخ کو شائع ہو گا ــــ "مضمون نگار حضرات سے التماس ہے کہ فی الحال مضمون بھیجنے کی ضرورت نہیں ہے ــــ صرف ترقی پسند اشتہار شائع کیے جائیں گے۔ دفتر رات کے تین بجے بند کر دیا جائے گا۔ اس کے بعد کوئی صاحب تشریف نہ لائیں ــــ دل کو سنبھالنے والی تنقیدیں اور دلآزار مضامین اکثر شائع ہوا کریں گے۔"

"اور نقصان کی صورت میں نفع برابر برابر تقسیم کیا جائے گا۔" ایک صاحب جو مالی امداد دے رہے تھے بولے۔

"یہ فیصلہ باقی ہے کہ اسے مصوّر مجلہ بنایا جائے یا نہیں ——— یہ دیکھئے چند تصویریں لایا ہوں۔"

ایک ترقی پسند تصویر پر شیطان چونک پڑے "اس کا مصوّر کون ہے ؟"

"ریمبرانٹ"

"یہ تصویر ضرور چھاپی جائے، آپ ریمبرانٹ صاحب سے اس کا سودا کر لیجئے۔"

"ان کا تو انتقال ہو چکا ہے۔"

"افوہ، انا للہ و انا الیہ راجعون ——— بات یہ ہے کہ میں ان دنوں اخبار نہیں پڑھتا۔"

"اُن کے انتقال کو تو صدیاں گذر چکی ہیں ۔"

بڑھئی نے مشورہ دیا کہ امریکن رسالوں کی وضع کا پرچہ نکالا جائے۔ جس میں ہر قسم کے مضامین ہوں ——— افسانوں کا علٰحدہ حصہ ہو۔ ٹھوس مضامین کا علٰحدہ، غزلیں اور نظمیں علٰحدہ ہوں۔ اسی طرح خواتین کے لیے بھی کچھ جگہ چھوڑی جائے۔ سب نے تجویز پسند کیا۔ طے ہوا کہ ہر حصے کا علٰحدہ ایڈیٹر مقرر ہو۔

امریکہ کی باتیں ہونے لگیں۔ ایک بزرگ بڑھئی سے بولے ——— بھئی تمہاری فلموں سے تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ وہاں یا تو کاؤبوائے ہوتے ہیں یا گینگسٹر۔"

"وہاں بھی ہندوستان کے متعلق طرح طرح کی باتیں مشہور ہیں کہ یہاں یا تو راجے مہاراجے رہتے ہیں یا سادھو اور فقیر۔ لوگ اُڑن کھٹولوں پر سفر کرتے ہیں اور بین بجاتے ہیں۔ ہاتھی اشیر چیتے گلیوں میں چہل قدمی کرتے ہیں۔

میں خود یہاں آنے سے پہلے صرف دو ہندوستانیوں کو جانتا تھا۔ مہاتما گاندھی کو اور رسا بو کو ـــ کیا واقعی یہاں حرم ہوتے ہیں ـــ لوگ کئی کئی بیویاں رکھتے ہیں ـــ؟"

"آپ کے ہاں ایک معمولی حیثیت کا شخص کتنی بیویاں رکھ سکتا ہے؟"

"ایک ـــ وہ بھی مشکل سے۔"

"یہاں تو پھر بھی تقابلتاً غربت ہے ـــ آپ تو خود شادی شدہ ہوں گے، آپ کو تجربہ ہوگا۔"

"جی نہیں ـــ میں کنوارا ہوں۔" بڑی بولا۔ اور ہم نے اسے جھنجھوڑ ڈالا۔ آج تک ہم سے جھوٹ بولتا رہا کہ شادی شدہ ہے۔

تمہارے ملک میں محبت کرنا بہت آسان ہے، یہاں بہت مشکل ہے۔ ہندوستان میں محبت کرتے وقت سب سے پہلے مذہب آئے گا۔ اگر دونوں فریق ہم مذہب ہیں تو محبت ہو سکے گی ورنہ ہرگز نہیں۔ آپ سر کٹیے، اپنا سینہ کوٹیے، بلا تکلف خودکشی کر لیجیے لیکن آپ کسی غیر مذہب سے محبت نہیں کر سکتے مذہب کے بعد ذات پات آئے گی ـــ اور پھر اقتصادیات کا قضیہ ـــ یعنی آپ کی مالی حالت ـــ پھر تو اونچے گھرانے اور نیچے گھرانے کا سوال ہوگا۔

ـــــــــــ اور آخر میں سب سے اہم نکتہ آئے گا ـــ ابا جان ـــ ہندوستان میں اباجان کی مرضی کے بغیر کچھ نہیں ہو سکتا۔ اگر اتنی رکاوٹوں کے باوجود آپ میں محبت کرنے کا حوصلہ ہے تو ـــ"

"اونچے گھرانے سے تمہاری مراد وہ لوگ تو نہیں ہیں جو دوسری منزل میں رہتے ہیں۔"

"نہیں ـ بلکہ وہ لوگ جن کی مالی حالت اچھی ہے۔"

"میں نے ہندوستانی فلمیں دیکھیں ہیں، میرے خیال میں یہاں پرندوں کو بڑی اہمیت دی جاتی ہے۔ پرندوں پر گانے گائے جاتے ہیں، پرندوں کو دیکھ کر ہیرو کو ہیروئن یاد آجاتی ہے اور ہیروئن کو کوئی اور پرندے چاہیں تو کہانی کا رخ بدل سکتے ہیں ——— حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ پرندوں کو انسانوں سے ذرا سی بھی دلچسپی نہیں، اور یہ ہماری اتنی سی پرواہ نہیں کرتے ———"

"تمہارے ہاں آب و ہوا کس قسم کی ہے، وہاں کے ذرائع آمد و رفت، برآمد و درآمد و ذرائع معاش بیان کرو ———"

ایک صاحب جو جغرافیے کے استاد تھے بولے۔

"آب و ہوا ایسی عجیب ہے کہ نہ آپ کا یقین ہے نہ ہوا کا اعتبار۔ صبح دُھل رہی ہے شام کو برف پڑ رہی ہے۔ ایک رات اتنی سردی پڑی کہ سڑکوں پر انیستادہ آہنی مجسمے کانپنے لگے اور اپنے ہاتھ اپنی جیبوں میں چھپا لئے۔ ایک برف کا بنا ہوا مجسمہ بھاگ کر سامنے کے مکان میں جا چھپا۔ اگلے روز میں اپنے بھائی کے ساتھ باہر گیا۔ اتنی تیز دھوپ نکلی کہ ہم بار بار ہی ایک دوسرے میں سائے میں بیٹھتے تھے۔ ایک دفعہ مشہور ہے ہمارے گاؤں کے باہر ایک جھیل ہے ایک تیراک نے اونچی چوٹی سے اس میں چھلانگ لگائی تھوڑی دور آ کر اسے پتہ چلا کہ نیچے پانی خشک تھا، پتھر نظر آ رہے تھے۔ وہ بڑا سٹپٹایا۔ دیکھتے، دیکھتے ایک بادل آیا، برسا، اور جھیل میں پانی بھر گیا۔ لیکن اتنی سردی ہو گئی کہ پانی یخ ہو گیا۔ چھلانگ لگانے والے کا اور بھی بُرا حال ہو گیا۔ دفعتاً سورج نکل آیا۔ برف پگھل گئی اور اس نے چھلانگ پانی میں لگائی۔ لیکن جب وہ کنارے پر پہنچا تو اتنی گرمی ہو گئی تھی کہ اُسے سرسام ہو گیا۔"

"آپ امریکن زندگی کے متعلق ایک مضمون لکھئے ——— اس رسالے کے لیے، ہونے

والے منیجر بولے۔

"وہاں کی اسکول کی زندگی کے متعلق بھی کچھ بتائیے۔" وہی استاد بولے۔

"ہمارا اسکول دریا کے کنارے تھا۔ سردیوں میں دریا جم جاتا۔ ہم لوہے کے جوتے پہن کر بازوؤں سے بادبان باندھ کر برف پر ہوا کے زور سے پھسلتے اور دور دور چلے جاتے۔ گرمیوں میں ایک چھوٹی سی کشتی لے کر نکل جاتے اور کئی کئی دن کے بعد لوٹتے۔ دریا کے کنارے کنارے لکھ پتی تاجروں کی کوٹھیاں تھیں، ان کے سامنے ہم بڑی حفاظت سے ہچکولے دے کر کشتی کو خود ڈبوتے ــــ وہ لوگ ہمیں دریا سے نکال لیتے، اپنے ہاں لے جاتے، بڑی خاطر تواضع ہوتی۔ ایک مرتبہ غلطی سے ہم نے کسانوں کے مکان کے سامنے کشتی الٹا دی، انہوں نے ہمیں نکالا تو سہی لیکن خوب کان مروڑے، ڈرایا دھمکایا کہ اگر کشتی چلانی نہیں آتی تو باہر کیوں نکلتے ہو۔ جب موسم خوشگوار ہوتا تو ہڑتالوں کا موسم شروع ہو جاتا۔ خفیہ جلسے ہوتے، یہ طے کیا جاتا کہ کس بہانے ہڑتال کی جائے۔ بعض اوقات ہوسٹل کی اوپر کی منزل آگ کے شعلوں اور دھوئیں سے بھر جاتی، اونچی منڈیروں پر ننھے بچے چہل قدمی کرتے، ہجوم اکٹھا ہو جاتا۔ دفعتہً آگ دھواں بچے سب غائب ہو جاتے۔ آگ اور دھواں سائنس کے طلبا اور کیمیات سے پیدا کرتے تھے۔ اسکول کے چھوٹے لڑکوں کو بچوں کے کپڑے پہنا کر اوپر بھیج دیا جاتا۔ نیچے سے وہ بالکل ننھے منے معلوم ہوتے۔ اسکول کے بڑے کمرے میں جھوٹ بولنے کا مقابلہ ہوتا۔ ایک مرتبہ میں نے یہ مقابلہ صرف ایک فقرے سے جیت لیا ــــ میں نے کہا کہ میں نے آج تک کبھی جھوٹ نہیں بولا۔"

"اور آپ کے استاد ــــ وہ کس قسم کے تھے؟"

"خوب تھے ـــ ایک استاد اپنے ساتھ ہر صبح کوئی دو من بچتہ کتابیں لایا کرتے ہر شام واپس لے جاتے۔ اسکول میں ڈرامہ ہوا۔ نقل اتاری گئی۔ دو لڑکے زرد کپڑے پہن کر اونٹ بنے اور ایک اونٹ والا بنا۔ اونٹ والے کو کسی نے بلایا۔ اور سامان اٹھانے کو کہا۔ سودا طے ہو گیا۔ تو اونٹ والے نے پوچھا کہ سامان کہاں ہے۔ جواب ملا کہ ہمارے فلاں استاد کی کتابیں ہیں ـــ اس پر اونٹ بِدک گیا، سر ہلا کر بولا ـــ 'ہرگز نہیں' ـــ اور بھاگ گیا۔ ایک اور استاد سبزی خور تھے، وہ ہمیشہ سبزیوں کی تعریف کیا کرتے اور گوشت کی برائیاں۔ ایک روز لیکچر دے رہے تھے ـــ سبزیاں بہترین غذا ہیں، سبزیاں مکمل غذا ہیں۔ مثال کے طور پر ذرا گھوڑے کی طرف دیکھو جو کہ سبزی خور ہے ـــ ایک لڑکا اٹھ کر بولا ـــ اور مثال کے طور پر ذرا شیر کی طرف دیکھو جو گوشت خور ہے ـــ ہماری جماعت کو ایک ادھیڑ عمر کی خاتون بھی کبھی کبھی پڑھاتیں۔ ناک پر عینک، بالوں کو اکٹھا کر کے گنبد سا بنایا ہوا بات بات پر آنکھیں مٹک رہی ہیں، انگلیاں تھرک رہی ہیں، ہاتھ ہل رہے ہیں، بازو ہل رہے ہیں۔ نہایت خشک باتیں کرتیں۔ ایک روز وہ کلاس میں آئیں تو انہوں نے دیکھا کہ ایک لڑکا ویسی ہی عینک لگائے، ویسے ہی زنانے کپڑے پہنے، ویسے ہی بال سر پر رکھے ہوئے داخل ہوا۔ اس کے پیچھے دوسرا آیا، اسی حلیے میں، پھر تیسرا، چوتھا ـــ غرض کہ ساری جماعت انہی کی طرح بنی ہوئی تھی۔ انہوں نے بات کر کے ہاتھ مٹکایا، سب لڑکوں نے اسی طرح ہاتھ مٹکایا۔ انہوں نے دیدے گھمائے، سب نے دیدے گھمائے۔ انہوں نے انگلی سے چھت کی طرف اشارہ کیا۔ دوسرا ہاتھ فرش کی طرف گیا ـــ سب نے نقل کی۔ ان کا لیکچر بہت جلد ختم ہو گیا۔ اس کے بعد انہوں نے ہمیں کبھی نہیں پڑھایا۔"

"آپ نے وہاں کی سوشل زندگی کے متعلق کچھ نہیں بتایا ـــ" ایک ترقی پسند

ادیب بولے۔

"سوشل زندگی میں نے وہاں کبھی نہیں دیکھی۔ میں دیہاتی ہوں۔ دیہات میں بے تکلفی بہت زیادہ ہے۔ کسی کو ناشتے پر مدعو کرنا بے تکلفی کی انتہا سمجھی جاتی ہے۔ گھریلو قسم کی پارٹیاں ہوتی ہیں۔ جن میں شمولیت کی یہ شرط ہے کہ آپ جس طرح ہوں اسی طرح آنا پڑتا ہے۔ کوئی شب خوابی کے لباس میں —— کسی نے ورکشاپ کے کپڑے پہنے ہوئے ہوتے ہیں۔"

"آپ نے اپنا رومان نہیں سنایا —— ذاتی رومان ——" ایک ترقی پسند شاعر بولے سب نے اصرار کیا۔ ضرور سنیں گے۔

بڈی کچھ دیر شرماتا رہا۔ پھر بولا۔ "ہاں وہ ڈاکا ذکر ہے چاندنی رات تھی۔ میں باغ کے ایک گوشے میں کھڑا تھا، میرے سامنے گاربو تھی، معطر پھولوں کی خوشبو، ہوا کے خشک جھونکے، چاندنی کا نور —— بس چاروں طرف رومان برس رہا تھا۔ میں نے بڑھ کر گاربو کے ہونٹ چوم لئے۔ گال چومے، پیشانی چومی، گردن چومی، اُسے اس قدر چوما کہ میرا چہرہ فریم کے دوسری طرف نکل گیا اور تصویر پھٹ گئی۔"

تلخ صاحب آئے، آتے ہی بولے —— "خدا کے لیے روفی صاحب آپ اس طرح مت مسکرائیے، آپ کا چہرہ مسکراہٹ کے بغیر اچھا معلوم ہوتا ہے۔"

"آپ بھول گئے ہیں، انسان ہی ایسا جانور ہے جو مسکراتا رہتا ہے اور ہنستا ہے۔" روفی نے کہا۔

"میں فقط اتنا جانتا ہوں کہ انسان جانور ہے۔" تلخ صاحب بولے۔

کاغذات نکالے گئے اور کارروائی شروع ہو گئی۔ بڈی کے مشورے کو قبول

کرلیا گیا۔ رسالے کو کئی حصوں میں بانٹ دیا گیا۔ ہر حصے کا ایک مدیر مقرر ہوا۔ شیطان نے اصرار کیا کہ انہیں خواتین کے صفحات کا مدیر بنایا جائے۔ وہ ایک زنانہ رسالے کی ایڈیٹر کو جانتے ہیں۔ اس سے کافی مواد لے آئیں گے ـــــــ دوسرے یہ کہ رسالے کے سرورق پر ـــــــ ازبال دیر غبار تمنا نشردہ ایم ـــــــ والا شعر لکھا جائے۔ تلخ صاحب نے پہلی بات مان لی، لیکن دوسری کے لیے انکار کر دیا۔

میں ہر روز چوبیس گھنٹے کام کیا کروں گا۔ اگر ہو سکا تو اس سے بھی زیادہ۔" شیطان پرجوش لہجے میں بولا۔

"یہ سب کام آپ حضرات کے ذمے ہیں ـــــــ ورنہ میں تو بے حد مصروف انسان ہوں یہاں تک کہ جب موت کا فرشتہ آیا تو اس سے بھی یہی کہوں گا کہ دس منٹ کے بعد آنا۔" تلخ صاحب نے اپنا تھیلا اٹھایا اور چلے گئے۔

بڈی نے تلخ صاحب کو بالکل پسند نہیں کیا۔ بولا۔ "اس شخص کو ہر دم یہی خیال رہتا ہے کہ یہ اس وقت کہیں دوسری جگہ ہوتا تو بہتر تھا ـــــــ اور یہ اپنے آپ کو اس وقت بے حد مصروف سمجھتا ہے جب اسے کوئی کام نہ ہو ـــــــ"

تمنا خانم آئیں مگر بڑی دیر کے بعد۔ اُن کے ساتھ اور خواتین بھی تھیں۔ چائے دوبارہ شروع ہوئی۔ بڈی ہمیشہ خواتین کے نزدیک بیٹھا کرتا۔ کہتا کہ خوشبو کا لطف آجاتا ہے۔ تمنا سے میرا تعارف کرایا گیا۔ میں نے آپ کو پہلے کہیں دیکھا ہے۔ آپ کے ساتھ ایک لڑکی بھی ہوا کرتی تھی۔ اس کی نیلگوں آنکھیں تھیں، اور بال سنہری، اس کا لباس شوخ ہوتا تھا۔ اور جوتے ہمیشہ نئے

فیشن کے :

اُس کے کانوں میں ہمیشہ لمبے لمبے طلائی بندے ہوتے اور گلے میں جڑاؤ ہار۔ اس کی داہنی کلائی میں چار چوڑیاں ہوتیں اور بائیں میں تین۔ وہ ہر وقت مسکراتی رہتی تھی ــــــ

"آپ اسے جانتی ہیں ــ؟"

"جی نہیں ــ میں نے اسے کبھی غور سے بھی نہیں دیکھا۔"

شیطان تمنا کو ایک طرف لے گئے ــ "اور تم نے مجھ سے کچھ نہیں کہا۔ مجھے دیکھ کر تمھیں مسرت ہوئی، افسوس ہوا یا کیا ہوا؟"

"تمھیں دیکھ کر مجھے مسرت ہوئی، افسوس ہوا یا کیا ہوا؟" تمنا بولی۔

"آہ ایران ــ میرے خوابوں کی سرزمین ــــ جہاں لوگ پہاڑوں پر قالین بچھا کر پھول سونگھتے ہیں اور مرتبانوں میں چائے پیتے ہیں ــــ جہاں کا انگوری کلچر دنیا کے قدیم ترین کلچروں میں سے ہے جہاں کا بیوٹی کلچر بہترین ہے۔ جہاں کلچر ہی کلچر ہے ــ"

"اچھا میں آپ سے کل ملوں گی ــ خدا حافظ ــ"

"تم مجھ سے ابھی کیوں نہیں ملتیں ــ کاش کہ تم میرے جذبات کا اندازہ لگا سکتیں، تمہارے لیے میرے دل میں کس قسم کے جذبات ہیں۔ کاش کہ میں بتا سکتا ــــ" شیطان نے دفعتہً ایک گھٹنا زمین پر ٹیک دیا اور ایک ہاتھ ہوا میں بلند کیا۔ شاید وہ کھیل گئے۔ انہوں نے ایک قلابازی کھائی۔ ایک ٹہنی پکڑ کر اٹھے ــــــ اور ہوا میں جھول گئے ــــــ "سمجھ لو کہ کچھ اس قسم کے جذبات ہیں ــ"

"مگر آپ مجھے صرف تین ہفتوں سے جانتے ہیں۔"

یہ صرف تین ہفتے نہیں ہیں - اس عرصے میں ہم دس گھنٹے روزانہ ملتے رہے ہیں - یعنی ہم نے تقریباً دوسو گھنٹے اکٹھے گزارے ہیں ویسے عام طور پر محبت کرنے والے ہفتے میں دو یا تین مرتبہ مل سکتے ہیں - وہ بھی صرف ایک آدھ گھنٹے کے لیے - پھر لوگوں کی مداخلت بھی ہوتی ہے اور کبھی کبھی موسم بھی اچھا نہیں ہوتا ان تین ہفتوں میں موسم بھی خوشگوار رہا ہے اور لوگوں نے بھی تنگ نہیں کیا - لہٰذا اس صورت میں جبکہ محبوب شروع شروع میں فی ہفتہ تین گھنٹے کے لیے مل سکتے ہوں تو میں حساب کی رُو سے تمہیں ستّر ہفتوں سے جانتا ہوں - یعنی تقریباً ڈیڑھ سال سے -"

"خدا کے لیے آپ یوں مت مسکرائیے -"

"مجھے ایران بہت پسند ہے، میرے ایک دوست کے بزرگ ایران سے آئے تھے، میں پھر وہیں واپس جانا چاہتا ہوں، قالینوں اور مرتبانوں کی سرزمین، جہاں صبح سے شام تک چائے پی جاتی ہے اور فارسی بولی جاتی ہے ---- آہ ایران ----"

جس صحت افزا مقام پر شیطان چھٹیاں گذارنے آئے تھے - اس کے متعلق لوگوں کی یہ رائے تھی کہ وہ سطح سمندر سے کئی ہزار فٹ نیچے ہے - وہاں گرمیوں ب تو کیا سردیوں میں بھی سردی نہیں ہوتی تھی - ایک سال پہلے شیطان کرسمس کی چھٹیوں میں وہیں آئے تھے، ایک ہوٹل میں ٹھہرے - منیجر سے کہا - میں یہاں سردیاں گزارنے آیا ہوں -"

"مجھے افسوس ہے --- ہمارے ہاں سردیاں نہیں ہوتیں" - جواب ملا -

اس مرتبہ پھر اسی ہوٹل میں ٹھہرے جو بالکل اسٹیشن کے ساتھ تھا - انجنوں کا شور یاں، آتی جاتی ٹرینوں کی گڑگڑاہٹ ---- شیطان نے رات کو کھڑکی ، جھانک کر منیجر سے پوچھا ---- "کیوں قبلہ یہ ہوٹل اگلے اسٹیشن کتنے

نجے پہنچے گا؟"

ہوٹل مہنگا بھی بہت تھا، خواہ مخواہ چارج کر لیتے تھے۔ ایک روز ہم منیجر سے باتیں کر رہے تھے ایک شخص نے چھینک ماری۔ شیطان فوراً بولے ــــ "حضرت یہاں چھینک مت ماریئے۔ یہ لوگ آپ کو چارج کر لیں گے۔"

چلتے وقت شیطان نے ایک آنہ منیجر کے ہاتھ پر رکھ دیا۔ بولے۔ "میں نے آپ کا ایک انگور نگل دیا تھا۔"

چند دنوں میں تنگ آ گئے۔ ہوٹل چھوڑ کر ایک مکان کرائے پر لیا۔ میں اور بڑی ہر سنیچر کو شیطان سے ملنے جاتے اور اتوار کی شام کو لوٹ آتے۔

شیطان ناشتے پر سکنجبین کے ساتھ ٹوسٹ کھاتے۔ ٹوسٹ سکنجبین میں ڈبو ڈبو کر۔ کبھی کبھی انڈے بھی ہوتے۔ لیکن اتنے ہلکے اُبلے ہوئے کہ بس نوکر انڈے لے کر ایک مرتبہ گرم کچن سے گزر جاتا۔ کہیں باہر جاتے تو بچوں کی دودھ کی ایک بوتل بھر کر ساتھ لے جاتے اسے یوں پیتے جیسے سگار پی رہے ہوں۔ کہیں بوتل نکالی ــــ تھوڑا سا دودھ پیا پھر جیب میں رکھ لی۔

دوپہر کو فرش پر جو بیٹ کھیلی جاتی جسے شیطان 'انڈر گیم' کہا کرتے، بڑی کی موٹر کے پیچھے بے شمار کتے لگ جاتے۔ بڑی کا خیال تھا کہ کتوں کو ہمیشہ تجسس رہتا ہے۔ کتا سائیکل یا موٹر کے پیچھے محض تفریحاً نہیں دوڑتا۔ دراصل وہ یہ معلوم کرنا چاہتا ہے کہ یہ لوگ کہاں جا رہے ہیں۔ اگر ایسے موقعہ پر کتے کو مخاطب کر کے صاف صاف بتا دیا جائے کہ کہاں جا رہے ہیں اور کتنی دیر کے لیے جا رہے ہیں، تو وہ فوراً پیچھے ہٹ جاتا ہے اور کچھ نہیں کہتا۔ بڑی یہ نسخہ اکثر استعمال کیا کرتا۔ ایک مرتبہ کتوں سے گفتگو کرتے کرتے حادثہ ہو گیا۔ سپاہی نے پوچھا۔ "موٹر کون چلا رہا تھا۔"

ہم نے لاعلمی ظاہر کی اور کہا کہ ہم سب تو پچھلی سیٹ پر بیٹھے تھے۔

شیطان کے مکان کے سامنے کسی کتھوک فروش کا بورڈ لگا ہوا تھا جسے وہ ہمیشہ کتھوک فروش پڑھتے۔ دکان میں اسمبلی ہال کی ایک لمبی چوڑی تصویر آویزاں تھی جسے دیکھ کر بڑی ہمیشہ سوال کرتا۔ شیطان بتاتے کہ، اس عمارت میں بحث مباحثے ہو رہے ہیں ـــــ مدتوں سے ـــــ۔

"وہ پوچھتا۔ "اب تک کوئی فیصلہ ہوا؟

شیطان سر ہلا کر کہتے ـــــ "نہیں۔"

شیطان دوستوں کو عجیب و غریب طریقے سے فون کرتے۔ نمبر لے کر اسے فون پر بلاتے اور کہتے ذرا ٹھہرنا ـــــ وہ غریب رسیور پکڑے کھڑا رہتا۔ شیطان موٹر سائیکل پر اس کے گھر جا پہنچتے۔ دروازے میں داخل ہوتے ہوئے کہتے ـــــ ہاں تو بات یہ تھی کہ ـــــ

ہم نے فیصلہ کر رکھا تھا کہ اخبار ہرگز نہیں پڑھیں گے۔ بڑی کا خیال تھا کہ وہی پرانے حادثے، وہی پرانی باتیں۔ سب کچھ وہی بار بار ہوتا ہے، فرق صرف اتنا ہے کہ ہر مرتبہ مختلف جگہوں پر ہوتا ہے اور مختلف انسانوں کے ساتھ پیش آتا ہے۔ بہت دن گذر جائے تو بڑی اخبار خریدتا اور کہیں کہیں کی سرخیاں ملا کر پڑھتا۔ مثلاً فلاں لیڈر کی فلاں لیڈر سے ملاقات ـــــ فلاں صوبے میں وبا پھیل گئی۔ فلاں مشہور سیاست داں کا بیان ـــــ فلاں شہر میں بے شمار کتے پاگل ہو گئے۔

کتھوک فروش صاحب کے برابر ایک بیہودہ سا ہوٹل تھا جس میں خوب شور مچتا۔ ہم بھی وہاں جاتے بڑی کی رائے تھی کہ وہاں بڑے ـــــ باذوق حضرات آتے ہیں۔ کسی میز پر قہقہہ پڑتا۔ تو بڑی دوڑ کر جاتا اور پوچھتا کہ لطیفہ کیا تھا کیونکہ

اُس کی رائے کے مطابق لطیفہ کسی کی ذاتی ملکیت نہیں ہوتا۔ جو کوئی اچھا لطیفہ سنے اسے چاہیئے کہ آگے چلتا کر دے۔

جب کسی میز پر دو حضرات سرگوشیوں میں باتیں کرتے اور بار بار ہاتھ ہلاتے تو بڑی کوشش ہو جاتا کہ یہ کسی بیہودہ موضوع پر باتیں کر رہے ہیں ——— بڑی کا یہ شبہ اکثر صحیح نکلتا۔

اگلے ہفتے تلخ صاحب کے ہاں مجلس ہوئی طے ہوا کہ انہیں سب کچھ سنایا جائے۔ شائع صرف وہی کچھ ہو گا جسے وہ پسند فرمائیں گے سب سے پہلے شیطان نے فائل نکالی۔ "حضرات یہ چیزیں ایک مشہور زنانہ رسالے کے دفتر سے لایا ہوں۔ یہ سب غیر مطبوعہ ہیں اور طبعزاد ہیں۔ ایک مضمون جادو اور ٹونوں کی اہمیت پر ہے۔ ایک عورت اور پردے پر ہے، دوسرا پردے اور عورت پر۔ ایک افسانہ ہے جس میں ساس اور بہو کے خوشگوار تعلقات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ اس افسانے کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اس میں تقریباً سارے کھانوں کے نام ہیں۔ تقریباً ہر قسم کے زیورات اور کپڑوں کا ذکر ہے۔ شادی کی مکمل رسم بیان کی گئی ہے۔"

"یہ سب فرسودہ چیزیں ہیں۔" تلخ صاحب بولے۔

"اچھا ——— محفلِ خواتین کے عنوان سے جو کچھ چھپے گا۔ اُس کا ایک حصہ سناتا ہوں۔ ایک خاتون نے لکھا ہے کہ اُن کے کان لمبے ہوتے جا رہے ہیں اور ناک چھوٹی ہوتی جا رہی ہے۔ اگر کسی بھائی یا بہن کو کوئی نسخہ یاد ہو تو پرچے میں چھپوا دیں، انہیں آپریشن سے ڈر لگتا ہے، اس لیے کوئی دوائی لکھیں۔ ایک خاتون لکھتی ہیں ——— میں نہایت مسرت سے اطلاع دیتی ہوں کہ میری منجھلی ممانی کی خالہ زاد بہن کے ہاں ایک ننھی منی سی بچی پیدا ہوئی ہے۔ بچی اور بچی کی ماں دونوں بفضلِ خدا تعالیٰ

خیریت سے ہیں بچّی کے ابّا بھی بفضل خدا خیریت سے ہیں، سب بہنیں دعا فرمائیں کہ خدا اس نوشگفتہ کلی کو نیک ہدایت دے اور صراطِ مستقیم دکھائے، آمین، اس خوشی میں چار روپے کی حقیر رقم بھیجتی ہوں۔ نیز بڑے افسوس کی بات ہے کہ میرے سوتیلے خالو کے سگے بھتیجے کے دادا جان کا انتقال ہوگیا ہے۔ مرحوم کی عمر صرف اسّی برس کی تھی۔ اس پرچے کو خاص طور پر منگایا کرتے تھے اور بڑے شوق سے پڑھتے تھے، اس غم میں تین روپے کی حقیر رقم ارسال ہے —— ایک اور خاتون نے لکھا ہے "میرے ابّا جان خان بہادر فلاں نے فلاں ٹکٹ پر اپنے حریف خان صاحب فلاں کو چار سو بیس ووٹ سے شکست فاش دی ہے، نیز مجھے فلم شاہی ڈاکو کا فلاں گیت درکار ہے —— ایک محترمہ فرماتی ہیں —— یہاں مچھر بہت ہوگئے ہیں۔ کیا کوئی بہن یا بھائی اس سلسلے میں کچھ کرسکتے ہیں۔ نیز مجھے جلیبیاں لگانے کا بہت شوق ہے۔ اگر کسی کا کوئی نئی ترکیب معلوم ہو تو بذریعہ رسالہ ہذا مطلع فرماکر عنداللہ ماجور ہوں —— ایک صاحبہ نے لکھا ہے —— میں کس زبان سے خدا تعالیٰ کا شکر ادا کروں کہ اس نے ہم سب کی دعائیں سنیں، ہمارے چھوٹے بھائی کی منگنی خان بہادر فلاں کی فلاں صاحبزادی سے ہوگئی ہے۔ نیز مجھے یہ گیت درکار ہے جس کے شروع کے بول ہیں —— ابھی تو میں جوان ہوں ——"

"سب کچھ فرسودہ ہے۔"

"دو اشتہار بھی ہیں، ایک استانی صاحبہ کا بیگ کھو گیا ہے، وہ لکھتی ہیں۔ پچھلے ہفتے میں سینما سے تانگے میں آرہی تھی، مجھے سینما کا اتنا شوق تو نہیں ہے بس کبھی کبھی چلی جاتی ہوں، ہوا تیز چل رہی تھی اور میں نے عینک نہیں لگا رکھی تھی۔ میری نگاہ کمزور نہیں ہے بس یونہی کبھی کبھی شوقیہ لگا لیتی ہوں، میں نے عینک کے لیے بیگ کھولنا چاہا، بیگ میں صرف عینک رکھی تھی، یک اپ کی چیزیں

نہیں تھیں۔ میں میک اپ نہیں کرتی۔"

"یہ اشتہار ترقی پسند نہیں ہے۔"

"دوسرا اشتہار ایک عامل بزرگ نے دیا ہے، ایک تعویذ کے لیے جو دافع شریّات و بلیّات ہے۔"

"دافعِ بلیّات ہو یا دافع کلیّات ـــــ شائع نہیں ہوگا۔ یہ زنانہ چیزیں شامل کرنے کے علامات ہوں۔"

"میں ایک جدید نظم سناتا ہوں۔" ایک ترقی پسند شاعر نے سب کو ایک ایک کاغذ دیا جس پر نظم لکھی ہوئی تھی۔

"سنیئے ـــ نظم کا عنوان ہے ـ 'اٹھ مری جان'۔ ـ عرض کیا ہے۔

اٹھ مری جان سحر آپہنچی
اٹھ مری جان کہ شب ختم ہوئی۔
چاندنی پھیکی ہے تاروں کی چمک مدھم ہے۔
صبح صادق کا اجالا پھیلا
اٹھ مری جان چمن جاگ اٹھا
مسکراتے ہوئے غنچے جاگے۔
کلیاں شرمانے لگیں
اور اٹھلانے لگی بادِ نسیم
پھول انگڑائیاں لیتے اٹھے
تیری آنکھوں میں مچلتے ہوئے خواب۔
تیرا مخمور شباب
تیرے عارض کے گلاب

ابھی مدہوش ہیں مخمور ہیں خوابیدہ ہیں
اٹھ مری جان سحر آپہنچی
اٹھ کے کچھ چائے بنا —"

"پھر وہی عشق و محبت کا بیکار موضوع ، وہی رونا پیٹنا بیہودہ قسم کی رومان پسندی ۔ یہ نظم ہرگز ترقی پسند نہیں ہے ۔ ترقی پسند شاعری تلخابِ ، زہرابِ ، ثمرۂ شباب ، خون بہ جام ، حیات و موت کی کشمکش —— اور اسی قسم کے دیگر لوازمات ہوتے ہیں —— مجھے یہ نظم پسند نہیں آئی ——"
تلخ صاحب بولے ۔

"میں نے داڑھی پر مضمون لکھا ہے ۔" ایک ادیب اپنی عینک درست کرنے لگے —— "جو اپنی نوعیت کے لحاظ سے بالکل نئی چیز ہے ۔ ایک مرتبہ میں نے گرمیوں کی چھٹیوں میں یوں ہی داڑھی رکھ لی ۔ کالج کھلا ، عربی کے پروفیسر نے میری اتنی تعریفیں کیں کہ بس —— داڑھی سے چہرہ نورانی معلوم ہوتا ہے —— انسان مرد دکھائی دیتا ہے ۔ شیر معلوم ہوتا ہے ۔"

"کون سا شیر ؟ سرکس کا یا جنگل کا ؟" شیطان نے پوچھا ۔

"غالباً جنگل کا —— خیر خوب تعریفیں ہوئیں ، اسی شام کو سگریٹ سلگاتے ہوئے میں نے داڑھی کا کچھ حصہ جلا لیا ۔ آئینہ دیکھا تو حالات اس قدر نازک ہو چکے تھے کہ مجھے مکمل داڑھی صاف کرنی پڑی ۔ اگلے روز وہی پروفیسر جو میرے پیچھے پڑے ہیں —— اس مردود کی شکل تو دیکھو کیسی نحوست برس رہی ہے ، بدبخت ، ناہنجار ، بدنصیب منحوس ، خدا جانے کیا کچھ کہا ۔ سالانہ امتحان ہوا —— میں عربی میں فیل تھا ۔"

"کب ؟ کہاں ؟" شیطان نے سوال کیا ۔

"کون ۔ ؟"

"کون؟"

"یہی —"

"کیوں؟"

"اچھا۔؟"

"تو اس روز میں نے تہیّہ کر لیا کہ داڑھی کے متعلق اپنے خیالات ضرور چھپواؤں گا۔ کالج میں ایک داڑھی والے حضرت سنئے نئے آئے تھے۔ ساری دوپہر لائبریری میں گذارتے۔ پروگرام کے مطابق میں نے پونے دو روپے کی ایک مصنوعی داڑھی خریدی اور لگا کر اسی میز پر بیٹھنے لگا۔ ایک دوپہر چند دوست آئے، ایک بولا — بھئی گرمی بہت ہے ٹوپی اتار دو — سب نے ٹوپیاں اتار دیں۔ کچھ دیر کے بعد دوسرا بولا — توبہ توبہ کتنی گرمی ہے شیروانیاں اتار دو — سب نے شیروانیاں اتار دیں پھر تیسرا بولا — پسینے میں شرابور ہو رہے ہیں۔ داڑھی پہن رکھی ہے، اتار دو اسے — میں نے داڑھی اتار دی۔ میرا داڑھی اتارنا تھا کہ سب اُن حضرت کے پیچھے لگ گئے۔ آپ بھی داڑھی اتار دیجئے اتنی گرمی ہے۔ ہم سے دیکھا نہیں جاتا — اب اتار بھی دیجئے داڑھی۔"

"بالکل بوسیدہ خیالات ہیں، بھلا داڑھی سے سماج کو کیا دلچسپی ہو سکتی ہے۔" تلخ صاحب منہ بنا کر بولے۔

اب بڈی کی باری تھی۔ اُس نے جیب سے کاغذ نکالے — "میں نے اپنے کالج کے چند واقعات لکھے ہیں۔ گھر سے کالج آتے وقت ہمیں لبس میں سفر کرنا پڑتا تھا۔ کوئی آدھ گھنٹے کا سفر ہوتا۔ میرا ایک دوست کونے میں ایک کتاب لے کر بیٹھ جاتا اور بڑے غور سے پڑھنے لگتا — پڑھتے پڑھتے قہقہہ مار کر ہنستا، پھر یکلخت سنجیدہ ہو جاتا — کچھ دیر کے بعد زار و قطار رونے لگتا — مسافر اس کی طرف متوجہ ہو جاتے۔

—— وہ چپ چاپ نظریں جھکائے صفحے الٹتے رہتا، کبھی جھنجھلا کر اپنے بال نوچتا۔ کبھی مسکرا کر سر ہلانے لگتا —— پھر رونا شروع کر دیتا ——
ہر ایک مسافر کی یہی کوشش ہوتی کہ کسی طرح اسے اس عجیب و غریب کتاب کا نام معلوم ہو جائے، لیکن وہ اُسے چھپائے رکھتا۔ سفر کے اختتام پر بڑے اطمینان سے کتاب سب کے سامنے کھول دیتا —— کتاب کے سارے صفحے خالی ہوتے، کسی صفحے پر ایک لفظ بھی نہ ہوتا —— پھر ہم چند دوستوں نے ایک بنچ خریدی اور کالج کے سامنے والے باغیچے میں رکھ دی۔ جب کوئی پولیس والا نظر آتا، ہم بنچ اٹھا کر چوروں کی طرح بھاگتے، وہ ہمارا تعاقب کرتا، بڑی مصیبتوں کے بعد جب ہمیں پکڑتا تو ہم اسے بنچ کی رسید دکھا دیتے ——"

"یہ بھی کچھ نہیں —— اس میں نہ جدت ہے نہ افادیت —— ایسی چیزیں پڑھنے والوں کو سوائے ایک وقتی تفریح کے اور کیا حاصل ہو سکتا ہے —— مجھے ترقی پسند ادب چاہیے"۔

"ایک پلاٹ میرے ذہن میں ہے ——" شیطان بولے۔ "اس میں چار کردار ہیں، ایک کسان، ایک سرمایہ دار، ایک طوائف اور ایک مریل سا نوجوان جسے دنیا بھر کی بیماریاں ہیں —— یہ لوگ ایک خفیہ جماعت بناتے ہیں۔ پھر اُن کا تجزیۂ نفسی ہوتا ہے۔ اُن کے تحت الشعور اور لاشعور تباہ ہو جاتے ہیں، دو کردار تو خود کشی کر لیتے ہیں، دو ایک دوسرے کو ہلاک کر دیتے ہیں —— اور ——"

تلخ صاحب بولے۔ "بس بس —— مجھے ایسی کہانیاں درکار ہیں —— اسے تم اگلی اشاعت کے لیے لکھنا —— اس اشاعت میں صرف میری چیزیں ہوں گی ——"

بڈھی نے میرے کان میں کہا —— "میں مرتے وقت اپنے بچوں کو نصیحت کر دوں گا

کہ پیارے بچو! قطب صاحب کی لاٹھ سے سر کے بل چھلانگ لگا دینا گرمچھوں کو گدگدی کرنا، بحرالکاہل میں غوطے لگانا مگر صرف ایک بات سے گریز کرنا ——— ترقی پسند بننا۔"

ہم نے بڈی سے مشورہ کرکے ایک پروگرام بنایا۔ تلخ صاحب سے ہم نے التجا کی کہ وہ ازراہ کرم ہرا توار کو ہمیں اپنے ہاں رہنے کی اجازت دے دیں۔ وہ متعجب ضرور ہوئے لیکن انہوں نے اجازت دے دی۔ اُن کے ہاں رہ کر ہمیں معلوم ہوا کہ وہ ہر دو گھنٹے کے بعد ایک گرم اور میٹھی چیز پیتے ہیں۔ یہ اُن کی خوش فہمی ہے کہ وہ اسے چائے کہتے ہیں۔ دوپہر کو بھاری بھرکم لنچ کھاتے ہیں سارا دن عینک لگائے ایک ٹوٹی ہوئی کرسی پر بیٹھے رہتے ہیں۔ اُن کا فرنیچر خستہ حالت میں ہے، کپڑوں پر استری نہیں ہوتی، دیواروں کا رنگ اُڑ چکا ہے، بلب فیوز ہو چکے ہیں، فقط ایک بلب ہے وہ بھی ٹمٹماتا ہوا۔ ہر وقت انھیں اپنے کتے کا وہم رہتا ہے جسے وہ کبھی دور سے ٹکٹکی لگا کر دیکھتے ہیں۔ نزدیک آکر اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر گھورتے ہیں، انہیں یہ یقین ہو چکا ہے کہ کتا انہیں نہیں پہچانتا، اجنبی سمجھتا ہے اور کتا سارا دن سر جھکائے دنیا کی بے ثباتی پر غور کرتا رہتا ہے، نہ اسے کچھ کھانے کو ملتا ہے نہ اُسے کبھی باہر نکالا جاتا ہے کبھی تلخ صاحب کا جگر خراب ہو جاتا ہے۔ کبھی دل بیٹھنے لگتا ہے، کبھی گردے سنگِ گراں کر دیتے ہیں۔ ان کے پاس طب کی چند کتابیں ہیں۔ جن کا وہ باقاعدہ مطالعہ کرتے ہیں جو نئی بیماری پڑھتے ہیں۔ وہ فوراً انھیں ہو جاتی ہے۔

بڈی بولا — "اگر اس شخص کو ہم درست کر سکے تو یہ بہت بڑی سوشل خدمت ہوگی، اگر بہت جلد کچھ نہ کیا گیا تو یہ رسالے کے ذریعے اپنی بیزاری دور دور تک پھیلا دے گا۔"

سب سے پہلے ہم نے کتے کو لیا۔ ہم نے تلخ صاحب سے کہا کہ کتے کی تنہائی

کمزور ہوچکی ہے۔ اسے عینک کی ضرورت ہے۔ تلخ صاحب بسورنے لگے ——اگراس کی پیاری پُرشفقت دنادار آنکھوں پر عینک لگ گئی تو اس کی خوبصورتی میں فرق آجائے گا——"

"ہم فرق نہیں آنے دیں گے —— ہم اسے بغیر فریم کی عینک لگائیں گے۔ جس سے یہ اور بھی حسین معلوم ہوگا۔"

"مگر اس کی بینائی کس طرح ٹسٹ ہوگی، حروف تو یہ پڑھ نہیں سکتا۔"

"ہم اس کی ایک آنکھ بند کرکے اسے مختلف فاصلوں سے ہڈیاں دکھائیں گے۔ جہاں تک اسے ہڈی نظر آئی یہ دوڑے گا۔ اس فاصلے کو ناپ کر اس کی دوسری آنکھ دیکھی جائے گی پھر کسی ڈاکٹر سے عینک کا نمبر لے آئیں گے۔"

"مگر اس کے چہرے پر عینک کی جگہ ہے کہاں، اس کی ناک بیٹھی ہوئی ہے اور کان اتنے ملائم ہیں عینک کہاں ٹھہر سکے گی۔"

"آپ بے فکر رہیے۔"

ہم نے جھوٹ موٹ بینائی ٹسٹ کی اور ایک فضول سی عینک بناکر کتے کے منہ پر لگا دی عینک کی کمانیاں کانوں کے گرد لپیٹ کر کس دی گئیں۔ تلخ صاحب کتے کی طرف سے بالکل مطمئن ہوگئے۔

طب کی ساری کتابیں کباڑیے کے ہاں پہنچا دی گئیں دیواروں پر سفیدی کرائی گئی۔ کہیں کہیں چمکیلا والا پیپر بھی لگایا گیا۔ فرنیچر پالش کرایا گیا۔ نہایت تیز بلب جگہ جگہ لگائے گئے۔ ایک سیکنڈ ہینڈ استری خرید کر لائے۔ نوکر کو استری کرنا سکھایا اور اسے تاکید کی گئی کہ صبح شام دو وقت کپڑوں پر استری کیا کرے اور ہوٹل سے چائے لانے کی بجائے ہلکی سی چائے خود بنا کر تلخ صاحب کو دیا کرے تلخ صاحب کی عینکیں بالکل میلی رہتی تھیں۔ نوکر کو ایک ملائم سا کپڑا دیا گیا کہ شیشے

صاف کر دیا کرے۔
تلخ صاحب کی حالت پہلے سے بہتر ہو گئی۔ لیکن اُن کا ہاضمہ درست نہ ہوا۔ بڑی بولا — دوائیاں لائی گئے — لیکن میں نے مشورہ دیا کہ ان کا لنچ بند کرا دیا جائے۔ ہم ان کے پاس گئے اور بڑے پر درد لہجے میں بولے — "ہم سماج کے نام پر ایک التجا کرنے آئے ہیں۔ ہمیں یقین ہے کہ ہمیں مایوس نہ لوٹایا جائے گا۔ سماج، جنتا، سوسائٹی — ان کا تقاضا ہے کہ آپ لنچ چھوڑ دیجئے۔"
"آخر کیوں؟"
"کیا آپ نہیں جانتے کہ ہندوستان میں ایسے انسان بھی ہیں جنہیں ایک وقت بھی کھانا نہیں ملتا۔ اور آپ ہیں کہ تین مرتبہ کھانا کھاتے ہیں اور سارا دن چائے پیتے رہتے ہیں۔"
"مگر میرے لنچ چھوڑ دینے سے کیا فرق پڑے گا۔"
"آپ جانتے ہیں کہ چھوٹے چھوٹے ارادوں سے بڑی بڑی تبدیلیاں ظہور میں آتی ہیں، آپ لنچ چھوڑ دیں گے، ہم دونوں نے پہلے ہی چھوڑ رکھا ہے، دیکھا دیکھی اور لوگ بھی چھوڑنے لگیں گے، ممکن ہے کہ سارا ہندوستان لنچ کھانا چھوڑ دے اور آہستہ آہستہ سارا ایشیا — اور پھر کسی دن ساری دنیا۔"
تلخ صاحب مان گئے۔
شیطان کا خیال تھا کہ پہلے پرچے کے ساتھ تمنّا خانم کا نام جاوداں ہو جائے گا — تمنا کی بے رخی بڑھتی جا رہی تھی۔ شیطان ہر روز اس سے ملنے جاتے — ایک اور لڑکی کی باتیں کرنے — اسے بتاتے کہ آج اس لڑکی نے یہ کہا ہے، مجھے مشورہ دو کہ میں اُسے کیا کہوں — اگلے روز جا کر بتاتے کہ میرے یہ کہنے پر اس کی لڑکی نے یوں کہا۔ میں نے یہ کہا تو وہ یہ بولی — اب تم بتاؤ میں اسے کیا کہوں —

کچھ روز تو یوں ہوتا رہا۔ پھر ایک روز تمنا نے صاف صاف کہہ دیا کہ میں اچھی طرح
ہوں لڑکی وڑکی کوئی بھی نہیں ہے، یہ مجھ سے ملنے کا بہانہ ہے ۔۔۔

شیطان بولے ۔۔۔ "تمھارا قیاس درست ہے لیکن میں کروں بھی تو
کیا کروں، اول تو تم ملتی نہیں، جب کبھی ملتی ہو تو سہ پہر کو ملتی ہو بھلا گرمیوں کی
سہ پہر کو میں تمھیں کیونکر اپنے اوپر عاشق کرا سکتا ہوں ۔۔۔ کاش کہ ہم ایران میں
ملتے ۔۔۔ سرو کے درختوں اور قالینوں کے انبار میں ۔۔۔ مرتبانوں پر بیٹھے کر چا
پیتے ۔۔۔ آہ ایران ۔۔۔ میرے ایک بوڑھے دوست کی نانی اماں ایران کی ہی
مجھے ان نانی اماں سے ۔۔۔"

"لفظ نانی کافی ہے ۔۔۔ اس میں اماں لگانے کی کیا ضرورت ہے ۔۔۔
اور پھر یہ آپ بار بار ایران کا ذکر کیوں لے بیٹھتے ہیں۔ سچ پوچھیے تو ایران
مجھے خود پسند نہیں ہے۔"

"مگر ایران تو ۔۔۔"

"بہتر ہوگا کہ اگر آپ ایران کا ذکر بالکل نہ کیا کریں۔"

"مگر ۔۔۔"

"پہلے ہی آپ کے احسانات کافی ہیں۔ آپ نے جو کچھ کیا ہے۔ اس
کے لیے شکریہ ۔۔۔"

"مگر میں نے تو ابھی تک کچھ بھی نہیں کیا ۔۔۔ مجھے معلوم نہ تھا کہ ایرانی ایسے
ہوتے ہیں ۔۔۔"

"خدا کے لیے آپ آئندہ مجھ سے کسی قسم کی گفتگو مت کیجیے۔"

"بہت بہتر ہے ۔۔۔" شیطان اپنی ٹوپی اٹھا کر بولے ۔۔۔ "جو
کچھ ہوا۔ اس کا مجھے افسوس ہے۔ لیکن جو کچھ نہ ہو سکا۔ اس کا تو بہت ہی زیادہ

افسوس ہے۔"

اسی شام کیفے میں چائے پیتے وقت بڈی کے لیے فون آیا۔ ہم کان لگا کر سننے لگے، بڈی کسی خاتون سے گفتگو کر رہا تھا ـــــ "جی ہاں ہو یہ میں ہوں ـــــ جی نہیں یہاں نہ تلخ صاحب ہیں نہ رونی میاں ـــــ آپ فرمایئے ـــــ اُف یہ آپ کیا فرما رہی ہیں ـــــ آپ کو رونی سے نفرت ہے؟ ـــــ میں انھیں بتا دوں! ـــــ نہیں معاف فرمایئے مجھ سے یہ نہیں ہو سکے گا ـــــ تلخ صاحب آپ کو ملے تھے؟ ـــــ وہ ہر روز آپ سے ملتے ہیں؟ ـــــ کیا فرمایا؟ ـــــ آپ کو وہ اچھے لگتے ہیں؟ ـــــ آپ ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں؟ ـــــ جی نہیں وہ حسین ہرگز نہیں ہیں۔ آپ نے انہیں غور سے نہیں دیکھا آپ تلخ صاحب سے شادی کرنے والی ہیں؟ ـــــ بڑی خوشی کی بات ہے ـــــ اچھا تمنا خانم آداب عرض ـــــ"

اسی قسم کے فون دو تین مرتبہ اور آئے۔

اس کے بعد بہت کچھ ہوا۔ رسالے کی اشاعت التوا میں پڑ گئی۔ شیطان اور تلخ صاحب کی دوستی ختم ہو گئی۔ جو صاحب رسالے کو مالی امداد پہنچانے والے تھے وہ غائب ہو گئے۔ تمنا کا ذکر کم ہوتے ہوتے بالکل ختم ہو گیا۔ تلخ صاحب کے کمروں میں روشنی رہنے لگی۔ ان کا کتا انھیں پہچاننے لگا۔ ان کی صحت بہتر ہوتی گئی۔

بڈی کا تبادلہ ہو گیا شیطان کا کالج کھل گیا۔ میں نے بھی تبادلہ کرا لیا اور ہم سب تمنا کو بھول گئے ـــــ لڑکی کو بھی رسالے کو بھی۔ ـــــ

ہم ایک ہوٹل کے بڑے کمرے میں بیٹھے تھے۔ رات کے کھانے کے بعد کافی کا دور چل رہا تھا۔ یہیں ایک فلک شگاف قہقہہ سنائی دیا۔ مڑ کر دیکھا۔ ایک موٹا تازہ تندرست شخص ہنس رہا تھا۔ یونہی وہم سا ہوا۔ ہم نے بیرے کو بھیجا کہ ان صاحب سے پوچھنا

کہ ان کا اسم شریف تلخ صاحب تو نہیں ہے۔

بیرے نے آکر بتایا کہ تلخ صاحب ان کا اسم شریف تھا۔ اب انہیں سرور صاحب کہا جاتا ہے۔

سرور صاحب نے ہمیں دیکھا اور ہنستے ہوئے آئے اور ہم سے لپٹ لپٹ کر ملے۔ انہوں نے بتایا کہ آج کل وہ بزنس کرتے ہیں اور کافی امیر ہو گئے ہیں۔ ہم نے مضمون نگاری کے متعلق دریافت کیا بولے ——"میں تم دونوں کا احسان عمر بھر نہیں بھولوں گا۔ جب سے میں نے تلخ چھوڑا ہے۔ میرا ہاضمہ درست ہو گیا ہے۔ اس کے ساتھ ہی مضمون نگاری کی شکایت بھی جاتی رہی۔ اب خدا کے فضل سے بالکل تندرست ہوں۔ مجھے کوئی بیماری نہیں رہی —— ضعفِ جگر، مالیخولیا، مضمون نگاری اختلاجِ قلب —— سب دفع ہوئے۔ اور ہاں وہ ماہنامہ تمنا کا سائن بورڈ میرے ہاں پڑا ہے۔ اپنا پتہ بتا دو تو میں بھجوا دوں۔"

"یہ تم نے کیا یاد دلایا" —— شیطان بولے —— "مجھے تمنا یاد آ گئی۔ گو اس نے میرے ساتھ اتنا اچھا سلوک نہیں کیا۔ پھر بھی میں نے اسے معاف کر دیا تھا۔ ایرانی واقعی ہم سے بالکل مختلف ہوتے ہیں۔ ان کی عادات، ان کے خیالات، ان کی باتیں —— سب مختلف ہیں۔ مجھے ایران سے الفت ہے۔ میں یہاں ہوں لیکن میرا دل —— ایران میں ہے —— ایران جو میری تمنا کا وطن ہے۔"

"لیکن وہ لڑکی ایرانی تو نہیں تھی۔" تلخ صاحب چونکے۔

"سچ مچ ——؟"

"ہاں سچ مچ —— وہ ایسی ہی ایرانی تھی جیسے تم روسی ہو یا میں چینی ہوں۔"

"تو پھر اس کے آباؤ اجداد ایران سے آئے ہوں گے۔"

"اس کے آباؤ اجداد آئے ضرور تھے لیکن ایران سے نہیں بلکہ شیخوپورہ سے آئے تھے۔

ویسے یہ لوگ تجارت کے سلسلے میں کبھی کبھی ایران ــــ"

"آپ کو شروع سے اس کا علم تھا ــ؟" شیطان چیک کر بولے۔

"ہاں۔"

"تو آپ نے مجھے پہلے کیوں نہیں بتایا ــ اور پھر جب آپ جانتے تھے کہ میں انکی جانب ملتفت ہوں تو آپ کو عاشق ہونے کی کیا ضرورت تھی ــ خیر ــ میں نے آپ کو معاف کیا۔"

"کون عاشق اور کس کا عاشق" ــــ تلخ صاحب بولے۔ "میں تمنا پر کبھی عاشق نہیں ہوا۔ اگر دنیا میں طوفان آجاتا اور طوفان کے بعد کرۂ ارض پر صرف میں اور تمنا رہ جاتے تب بھی میں اُس پر عاشق نہ ہوتا ــ مگر یہ عاشق ہونے کی اڑائی کس نے تھی ــ؟"

"بات در اصل یہ ہے" ــ بڑی شرماتے ہوئے بولا۔ "وہ جو ٹیلی فون پر باتیں ہوا کرتی تھیں وہ سب بناوٹی تھیں۔ تمنا نے مجھے کبھی فون نہیں کیا میں ایسے ہی روفی کی برائیاں بھی کرتا رہا ہوں لیکن ــــ"

"تو بڑی تم بھی ایسے نکلے ــ خیر جاؤ میں نے تمھیں معاف کیا ــ میں نے سب کو معاف کیا ــ لیکن وہ لڑکی خوب تھی۔ کیا مجال جو اس سے کوئی ایسی ویسی بات تو کرلے، بڑے سخت اصول تھے اس کے۔ ایک مرتبہ اتفاق سے میری انگلیاں اس کی انگلیوں سے چھو گئیں ــــ اس قدر خفا ہوئی کہ بس ــــ"

"لیکن اس رات تم ــــ" تلخ صاحب میری طرف مخاطب ہو کر بولے۔ میں نے جلدی سے اُن کا پاؤں دبا دیا۔

"اس رات کیا ہوا تھا؟" ــ شیطان کڑک کر بولے ــ "بتاؤ کیا ہوا تھا اُس رات؟"

"بات یہ ہے روفی" ــ میں سر جھکا کر بولا۔ "ایرانیوں کے رسم و رواج تو تم جانتے ہی ہو، رخصت ہوتے وقت چومنے کا رواج ــ"

"وہ ایرانی نہیں تھی" ــ شیطان چلائے ــ "خیر میں نے تمھیں بھی معاف کیا۔ خدایا تیرا

لاکھ لاکھ شکر ہے کہ تو نے مجھے ایسے مخلص اور جان نثار دوست عطا فرمائے ہیں۔ میں ان کو معاف کرتا ہوں یہ ناسمجھ ہیں ـــ بے بہرہ ہیں ـ یہ نہیں جانتے کہ یہ کیا کر رہے ہیں ـــ میں نے ان کو معاف کیا تو بھی معاف فرما ـــ

شیطان اٹھ کھڑے ہوئے اور ٹہلنے لگے ٹہلتے ٹہلتے بالکنی میں جا کھڑے ہوئے۔ چودھویں کا چاند بالکل ان کے سر کے پیچھے تھا۔ جب وہ ازبال در عنبار تمنا.... والا شعر بار بار پڑھ رہے تھے تو ان کے چہرے پر عجب شان تھی عجب دلیرانہ وقار تھا، عجب بے نیازی تھی ـــ جو سب کچھ تج دینے والوں کا حصہ ہے۔

ان کے چہرے پر وہ نور تھا، جو صرف کسی ولی اللہ کے چہرے پر آیا کرتا ہے۔ مستقل طور پر یا تھوڑے عرصے کے لیے۔

ان کے سر کے گرد چاند نورانی ہالہ بنائے ہوئے تھا۔

لیکن ہم یہی سوچ رہے تھے کہ ان کا چہرہ مسکراہٹ کے بغیر بہتر معلوم ہوتا ہے۔

حماقتیں

میں ڈرتا ڈرتا میس میں داخل ہوا۔ برّاکوٹ اتارا، پوستین اتاری، کھڑکی سے جھانک کر دیکھا۔ سرڈی جونز انگیٹھی کے پاس بیٹھا اپنے بچپن کے قصے سنا رہا تھا۔ "جب میں چھوٹا سا تھا تو بزرگوں نے میری آئندہ تعلیم کے متعلق تصفیہ کرنا چاہا کہ میں انجینیرنگ پڑھوں یا قانون، وہ بولے بچہ خود اپنی پسند بتائے گا۔ انہوں نے نرس کے ایک ہاتھ میں ترازو دی اور دوسرے ہاتھ میں پرکار اور مجھ سے کہا کہ جو پسند آئے چن لو۔ میں کچھ دیر سوچتا رہا۔ بڑے غور و خوض کے بعد جانتے ہو میں نے کیا کیا۔ میں نے نہایت لاجواب انتخاب کیا۔ میں نے نرس کو چن لیا۔"

سرڈی نے پائپ کا ایک کش لگایا اور بولا: "بچپن میں مجھے پرندوں کا بڑا شوق تھا۔ اک روز میں ایک بڑے شہر کے باغ میں سیر کر رہا تھا کہ مجھے ایک نہایت خوشنما طوطا دکھائی دیا جو ایک شاخ پر بے خبر بیٹھا تھا۔ میں پکڑنے کی نیت سے دبے پاؤں قریب پہنچا۔ آہستہ سے پتوں میں ہاتھ ڈالا اور پکڑنے ہی لگا تھا کہ طوطے نے ایکدم پیچھے مڑ کر کہا "کیا چاہیے؟" میں اتنا گھبرا گیا کہ جلدی سے

اپنی ٹوپی اٹھا کر بولا۔ "معاف کیجئے حضرت! میں سمجھا تھا کہ آپ کوئی پرندے ہیں۔"

"یہ لیبنکی کہاں چلا گیا؟" کسی نے پوچھا۔ لیبنکی میرا نام تھا۔ میں اُن سب میں لمبا تھا اور ان دنوں کچھ دبلا بھی تھا۔

"ٹونی کے ہاں ہوگا۔ بڑا انتظار کراتا ہے۔" میں ٹونی کے ہاں سے آ رہا تھا باہر اندھیرا تھا اور سخت سردی پڑ رہی تھی۔ دروازہ کھول کر چوروں کی طرح اندر جھانکنے لگا۔ سب کے سب مجھ پر ٹوٹ پڑے۔ مجھے جھنجھوڑ کر رکھ دیا گیا۔ اب تک کہاں تھے؟ کہاں سے آ رہے ہو۔؟ ضرور ٹونی کے ہاں گئے ہو گے۔ اکیلے کیوں گئے تھے؟ لعنت ہے!— کیا حال ہے جولیٹ کا؟— یہ اکیلے ہی اکیلے۔

میں نے اقبالِ جرم کر لیا۔ وہ بولے۔ اچھا تو جولی کی نئی تصویریں نکالو۔ میں نے کہا ابھی تک نہیں ملیں۔ بولے ضرور لائے ہو ہمیں دکھاتے نہیں۔ میں نے ایک تصویر جیب سے نکالی — "یہ ایک تصویر ہے ٹونی کی۔— اس تصویر میں ٹونی اپنی بہو وہ سی موٹر کے ساتھ کھڑے تھے۔ ایک پاؤں موٹر کے تختے پر تھا اور دوسرا زمین پر، ہاتھ میں بندوق تھی۔ چہرے پر ایک فاتحانہ مسکراہٹ تھی اور سامنے ایک چھوٹا سا پرندہ مرا پڑا تھا۔ ان کی موٹر بالکل خستہ حالت میں تھی۔ ہم حیران ہوا کرتے کہ یہ چلتی کیونکر ہے، ضرور اسے کوئی روحانی طاقت چلاتی ہے تصویر پر مختلف تبصرے ہوئے — "ایک چھوٹا سا پرندہ مار کر اتنے خوش کیوں ہیں؟"

"اس میں خوش ہونے یا فخر کرنے کی بات کون سی ہے؟ — آخر مارا کیا ہے انھوں نے؟"

موڈی بولا۔ "پرندہ درندہ کچھ نہیں۔ ٹونی موٹر مار کر لائے ہیں۔"

اور واقعی وہ موٹر تھی ہی ایسی۔ ٹونی اسے خود چلایا کرتے تھے اور چلاتے وقت اِدھر اُدھر کے نظاروں سے بھی لطف اندوز ہوا کرتے۔ ساتھ جو بیٹھتا اس کا بُرا حال ہو جاتا۔ موڑ ہے یا چڑھائی نشیب ہے یا سامنے

سے موٹر آرہی ہے ٹونی ادھر ادھر دیکھ رہے ہیں اور کہہ رہے ہیں۔ وہ دیکھو سامنے اس پہاڑ پر برف پڑنی شروع ہو گئی ہے وہ سرو کے درخت دیکھے تم نے — آہا! وہ دور پھولوں کے تختے خوب ہیں —

بل نے ترچھی نگاہوں سے دیکھتے ہوئے پوچھا — "اور یہ تمہارے ہاتھ میں کیا ہے؟"

"میرا دوسرا ہاتھ ہے۔" میں نے دونوں ہاتھ دکھا دیئے۔ ان دونوں سب مجھ پر شبہ کرتے تھے۔

ہم کھانا کھا رہے تھے۔ مچھلی کے سالن میں شوربا ہی شوربا تھا۔ موٹی بیرے سے بولا۔ "ذرا میرے کمرے سے دوڑ کر مچھلیاں پکڑنے کی ڈور تو لے آؤ، یوں کچھ پلے نہیں پڑ رہا اور لینکی تم کھا نہیں رہے آج جولیٹ کو جی بھر کے دیکھا ہوگا۔ بخدا کیا لڑکی ہے اور پھر یہی اُس کے دن بھی ہیں۔ عورت کی زندگی کے بہترین دس سال بیس برس سے پچیس برس تک ہیں۔"

"جولیٹ نے آج پہن کیا رکھا تھا؟" ایک طرف سے آواز آئی۔

"کپڑے!" میں نے جواب دیا۔

"کپڑے کیسے تھے؟" پوچھا گیا۔

"اُون کے بنے ہوئے تھے۔" میں نے بتایا۔

"تمھیں لڑکیوں کے لباس میں سب سے زیادہ کیا پسند ہے؟" کسی نے پوچھا۔

"لڑکیاں!" میں نے جواب دیا۔

"شارٹی اسپتال میں داخل ہو گیا ہے؟" بل بولا۔

"اچھا؟ — کب تک واپس آجائے گا؟"

"ابھی دیر لگے گی۔ شاید کافی دیر لگے۔"

"کیوں کیا تم وارڈ کے ڈاکٹر سے ملے تھے؟"

نہیں، میں نے وارڈ کی نرس دیکھی تھی۔"

"یار عجب انسان ہے یہ سٹارٹی۔ بھوتوں سے ڈرتا ہے — یہی مرض لیکر اسپتال میں داخل ہوا ہے۔" لیوزی بولا۔

"مجھے بھی اس نے بتایا تھا" موڈی نے کہا۔ "کہ ایک بھوت خواب میں آکر اُس کے بستر کے سامنے کرسی پر بیٹھ جاتا ہے اور رات بھر اسے گھورتا رہتا ہے — میں نے تو یہی مشورہ دیا تھا کہ وہ کرسی وہاں سے ہٹا دو بلکہ کمرے کی سب کرسیاں نکال دو۔"

"بھلا یہاں کہاں رکھے ہیں بھوت۔ اور پھر ایسی سردی میں۔" بل بولا۔

"یہ تو تم مت کہو۔" موڈی بولا۔ "بھوت تو یہاں ہیں۔ ابھی چند دنوں کا ذکر ہے کہ مجھے رات بھر بھوتوں نے ڈرایا۔ بہرا تعاقب کیا۔ مجھے پیٹنے کی دھمکی دی، میرا منہ چڑایا —"

"تم سو رہے تھے یا جاگ رہے تھے۔"

"سو رہا تھا، یہ سب خواب میں ہوا۔"

"تم جاگ کیوں نہ اٹھے؟"

"واہ! جاگ اٹھتا اور بھوتوں پر یہ ظاہر کرتا کہ میں بزدل ہوں۔"

"یہ تو خواب تھا۔ ویسے حقیقت یہ ہے کہ اس علاقے میں بھوت نہیں ہیں۔ میں نے جغرافیے میں پڑھا تھا۔"

"ابھی کچھ دن ہوئے۔" موڈی بولا۔ "میں آدھی رات کو سینما سے واپس آرہا تھا۔ بڑا سخت اندھیرا تھا۔ سڑک بالکل سنسان پڑی تھی۔ میں بے خبری میں آرہا تھا — اچانک ایک بھاری بھرکم جسم سے میری ٹکر ہوئی۔ میں نے چونک کر کہا۔ بھئی تم نے تو مجھے ڈرا دیا۔ میں سمجھا تم بھوت ہو — وہ جسم بولا — تو اور میں کیا ہوں — یہ کہہ کر غائب ہوگیا۔

"اچھا —؟" یوزی کے ہاتھ سے چمچہ گر گیا۔

"یہ کس جگہ کا ذکر ہے؟" پنزی سہم کر بولا۔

"ٹونی کے بنگلے کے ساتھ جو موڑ ہے وہاں کا" — اب پھر ٹونی کا ذکر شروع ہو گیا۔

موڈی بولا — "ویسے ٹونی نہایت نفیس انسان ہیں — انسان کو شخصیت کی ضرورت ہوتی ہے۔ وہ ان کے پاس ہے۔ جامہ زیبی کی ضرورت ہے۔ اُن پر لباس بہت سجتا ہے۔ اچھی آواز کی ضرورت ہے، ان کی آواز بہت اچھی ہے۔ اچھے دماغ کی ضرورت ہے۔ اُن کی آواز بہت اچھی ہے۔"

"اور اپنے کچ — وہ کیسے ہیں؟"

"ان کا ذکر کرتے وقت مجھے کیمپ کی ڈیوٹی یاد آجاتی ہے — شاید اس مرتبہ میری باری ہے اسی فکر میں کئی دنوں سے بالکل نہیں سویا۔"

"کئی دنوں سے نہیں سوئے؟ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟"

"اس لیے کہ میں ہمیشہ رات کو سویا کرتا ہوں" — موڈی بولا — "اور وہ کم بخت کیمپ اس قدر اجاڑ تھا کہ وہاں سنتری رات کو ذرا سی آہٹ پا کر چلا اٹھتے تھے — ہالٹ! میں بھی تمہارے ساتھ چلتا ہوں — کل رات میں نے خواب میں دیکھا کہ ہم کیمپ پر جا رہا ہوں تو ٹونی نے اُسے روک لیا اور چلا کر کہا کہ —"

"کیا کہا —؟" ہم نے بے صبر ہو کر پوچھا۔

"بس اتنا ہی خواب دیکھا تھا، بقیہ خواب آج رات کو دیکھ کر بتاؤں گا۔ چلو ریڈیو سنتے ہیں۔"

ہم کافی کی پیالیاں لے کر ریڈیو کے کمرے میں چلے گئے۔ موڈی کو ڈھولک کے گیت بہت پسند تھے۔ ان گیتوں پر وہ خوب ناچتا تھا۔ میں نے اسٹیشن بدلے اور کہیں سے ایک ڈھولک کا گیت

نکال ہی لیا۔ سوڈی نے نہایت اچھا راگ سنایا۔ گیت کے بعد کوئی صاحب طبلہ بجانے لگے — صرف طبلہ بج رہا تھا۔ نہ جانے تین تالہ تھا یا چار تالہ یا پانچ تالہ — کچھ ایسی آواز آ رہی تھی

تیر ڑتم — تیر ڑتم — تیر ڑتم —!

سوڈی بولا۔ "یہ شخص مِس فائرنگ کر رہا ہے۔"

لوزی اور ہنری سیکنڈ شو کے لیے مصر تھے۔

بل کہہ رہا تھا۔ چلو شارٹی سے ملیں۔ وہ نرس کبھی وہیں ہوگی۔ بیف کو زکام تھا۔ وہ جلد سونا چاہتا تھا۔ سوڈی بولا۔ "اچھا ٹاس کر لو۔"

اس ٹاس سے سوڈی نے بڑے بڑے جھگڑے چکائے تھے۔ اس نے جیب سے سکہ نکال کر اچھالا اور بولا "چہرہ" — چہرہ ہی تھا۔

پھر سوڈی نے رات کی دعا مانگی جو وہ ہر شب کو مانگتا تھا۔ "یا خدا سوڈی جونز پر رحم فرما۔ اس سوڈی جونز پر نہیں جو مانچسٹر میں رہتا ہے بلکہ اس سوڈی جونز پر جو اس بیس کے دس نمبر کمرے میں رہتا ہے۔"

سوڈی کا ایک ہمنام واقف مانچسٹر میں رہتا تھا۔

ہمارا قیام پہاڑی علاقے میں تھا۔ جہاں ہر سال برفباری ہوا کرتی۔ ہمارا میس ایسا تھا۔ جہاں سب کچھ ممکن تھا اور اکثر ہو جایا کرتا تھا۔ میس کے باغیچے میں جگہ جگہ لکھا تھا — براہ کرم گھاس پر چلیے' پھول ضرور توڑیے' شکریہ — باہر دروازے پر لکھا تھا "کتوں کو لانا منع تو نہیں ہے لیکن ہمارے ہاں پہلے ہی بے شمار کتے اور بلیاں موجود ہیں۔"

اس نوٹس کو پڑھ کر ایک مرتبہ ایک حساس کتا واپس چلا گیا تھا اور ہمیں اُسے منا کر لانا پڑا۔ ایرانی بلیاں اتنی موٹی ہو گئی تھیں کہ دُور سے کتے معلوم ہوتی تھیں اور کئی کتے ان سے ڈرتے بھی تھے — کمروں کے باہر کئی جگہ لکھا تھا — "خاموش ہرگز مت رہیے — عنایت ہوگی۔"

میس میں ہر وقت دھما چوکڑی مچی رہتی۔ کئی حضرات شغل کے طور پر بڑھئی کا کام سیکھ رہے تھے چند حضرات بڑی موٹی آواز کے ساز بجایا کرتے۔ ہر کمرے میں ریڈیو یا گراموفون ضرور رکھا اور ریکارڈوں کتوں اور بلیوں کا آپس میں تبادلۂ خیالات، شکر رنجیاں اور خفگیاں' پالتو پرندوں کا شور۔

میس میں ہم چالیس کے قریب تھے۔ لیکن ہماری پارٹی کے صرف سات ممبر تھے۔ موڈی ہفت (شارٹی، بل، پوزی، پینزی اور میں، جسے لینکی کہا جاتا ہے۔ پہلے میں ایک بڑے کمرے میں رہا کرتا تھا۔ جس میں ایک صاحب رات کو سوتے سوتے بولا کرتے تھے اور دوسرے صاحب سوتے سوتے اُن کی باتوں کا جواب دیا کرتے۔ وہ کمرہ میں نے تبدیل کر دیا اور موڈی کے کمرے کے پاس چلا آیا اسی ہفتے موڈی اور میں دوست بن گئے۔ ہوا یوں کہ میں کھانا ختم کر چکا تھا اور میرے سامنے موڈی بیٹھا تھا۔ میں نے اُس سے پوچھا کہ اگر میں سگریٹ پیوں تو آپ کو برا تو نہیں معلوم ہوگا۔ اُس نے مسکرا کر کہا ــــ بُرا تو بعد میں لگے گا۔ پہلے ایک سگریٹ مجھے دو ــــ پھر رات ــــ کو ڈنر کے بعد گانے گائے گئے۔ موڈی نے ایک عجیب سا گانا شروع کر دیا ــــ جس کے شروع کے بول تھے ــــ 'کاش کہ میں ایک کنگرو ہوتا' ــــ اس گانے میں کسی نے اس کا ساتھ نہیں دیا۔ اُس نے میری طرف دیکھا اور میں نے فوراً گانا شروع کر دیا۔

باقی پانچ دوست صبح ناشتے پر دیر سے آنے کی وجہ سے بنے۔ ہم ساتوں ناشتہ دیر سے کیا کرتے تھے۔ بیروں کو انتظار کرنا پڑتا اور وہ ہم سے کافی تنگ آئے ہوئے تھے۔

میس میں اگر کوئی منہ بناتا یا بیزار ہونے کی کوشش کرتا تو موڈی اسے جھنجھوڑ ڈالتا اور کہتا کہ ہنسو مسکراؤ، بیزار ہونا چاہتے ہو تو کہیں علیحدہ جا کر خوشی ہولو۔ بھلا اوروں کو بیزار کرنے کا تمھیں کیا حق ہے؟ ــــ اگر کوئی تنہا چپ چاپ غمگین بیٹھا ہوا مل جاتا تو موڈی آہستہ سے

اس کے پاس جا کر بڑی سنجیدگی سے پوچھتا ــــ یہ کب کا ذکر ہے؟ ــــ مرحوم کی عمر کیا تھی ــــ علاج کون کر رہا تھا ــــ بڑا افسوس ہوا۔ اب آپ بھی صبر کیجئے۔ خدا کے کئے میں کس کا دخل ہے؟۔

موڈی سے سب ڈرتے تھے، جونہی وہ میس میں داخل ہوتا۔ سب مسکرانے لگتے۔ موڈی کی عمر چالیس کے لگ بھگ تھی۔ اس کی بیوی کا عرصے سے انتقال ہو چکا تھا۔ اس کا اصرار تھا کہ اسے کنواروں میں شریک کیا جائے۔ وہ کہا کرتا کہ میرا تبادلہ بہت جلد ہو جاتا ہے۔ ابھی کہیں سے آیا ہوں کسی لڑکی سے علیک سلیک ہوئی ہے۔ فوراً کہیں تبادلہ ہو گیا ــــ ان لگاتار تبادلوں کی وجہ سے میں دوبارہ شادی نہیں کر سکا۔

اس کے چہرے پر ہر وقت مسکراہٹ رہتی اور مسکراہٹ بھی ایسی کہ جیسے وہ باقاعدہ ہنس رہا ہو سب کا خیال تھا کہ موڈی سوتے ہوئے بھی مسکراتا رہتا ہے۔ وہ سر میں مانگ نکالتا تھا اور وہ مانگ چھ انچ چوڑی ہوتی کیوں کہ وہ "فارغ البال" تھا۔ یعنی سر سے بال غائب تھے۔

صبح صبح ناشتے کی میز پر موڈی ہمیں دیکھ کر کہا کرتا ــــ کل اتوار تھا، آج پیر ہے کل منگل ہوگا اور پرسوں بدھ ــــ یار و نصف ہفتہ تو یوں ہی گزر گیا اور ہم نے کچھ بھی نہیں کیا۔

کسی جگہ اُسے کوئی ڈاکیہ نظر آجاتا۔ وہ فوراً لپک کر اس سے پوچھتا کہ کوئی خط ہے؟ ڈاکیہ پوچھتا کس کے نام کا؟ یہ کہتا نام وام کچھ نہیں۔ اگر کوئی خط ہے تو دے دو۔ موڈی میس میں بیٹھ کر یونیم بجایا کرتا۔ ایک بہت بڑا سا بے ڈھنگا ساز جس کو جسم کے چاروں طرف لپیٹ کر زور سے پھونک مارتے ہیں تو بڑی بھدی اور بے سری آواز نکلتی ہے سب کے سب اس ساز سے تنگ آئے ہوئے تھے۔ لیکن موڈی کا یہ محبوب ترین ساز تھا۔ وہ

کہا کرتا کہ یہ ایک ایسا ساز ہے جس کو نوشق اور استاد ایک ہی طرح بجاتے ہیں۔ پنچ کا یہ خیال تھا کہ کچھ ساز یوفونیم سے بھی بڑے ہیں اور وہ ہیں دو یوفونیم۔ پنچ جب کبھی نہیں کچھ سمجھاتے تو بعد میں پوچھتے ۔۔۔ کوئی سوال کرنا چاہے۔ تو بے شک کر سکتا ہے سوائے موڈی کے۔

موڈی کے پاس کئی کتے تھے۔ ایک تو انگریزی بل ڈاگ تھا جس کو بقول موڈی انگریزی کا ایک لفظ بھی نہ آتا تھا ایک اونچا سا خوبصورت کتا تھا جس کو ہم طرح طرح کے تماشے کرنا سکھاتے۔ وہ باقاعدہ ہاتھ ملا سکتا تھا۔ پنجے سے سلام کر سکتا تھا۔ دو ٹانگوں پر کھڑا ہو کر نقلیں اتار سکتا تھا۔ منہ میں پائپ دبا کر ساتھ ساتھ چل سکتا تھا۔

شارٹی کا قد بہت چھوٹا تھا۔ موڈی کا خیال تھا کہ یہ کبھی اچھا بھلا مکمل آدمی تھا۔ کسی نے ہتھوڑا لے کر اسے ٹھوک ٹھوک کر اتنا چھوٹا سا کر دیا ہے۔ وہ یہ بھی کہا کرتا کہ شارٹی تم دیکھنا ہم کسی روز تمھیں کھینچ کھانچ کر مکمل انسان بنا دیں گے۔ شارٹی زندگی سے بیزار تھا اور سست بھی تھا۔ بقول موڈی وہ فوٹو گرافر کی طرح تھا ۔۔۔ اندھیرے میں بیٹھ کر انتظار کیا کرتا کہ دیکھئے کیا برآمد ہوتا ہے۔

بعض اوقات تو وہ اتنا بیزار ہوتا کہ برآمدے میں بیٹھا رہتا اور کسی کو پتہ تک نہ چلتا کہ شارٹی بیٹھا ہے۔ سستی کی یہ حالت تھی کہ سال میں صرف ایک مرتبہ دعا مانگتا تھا اور ہر رات ایضاً کہہ کر سو جاتا۔

ل دبلا پتلا اور بے حد باتونی تھا۔ اتنا باتونی کہ ضرور اسے گراموفون کی سوئی سے ٹیکا کیا گیا ہوگا۔ وہ خود کہا کرتا کہ میں بچپن میں اس قدر دبلا تھا کہ استاد اکثر میری غیر حاضری لگا دیا کرتے تھے۔

پوزی اور نیبزی دونوں ایک سے تھے۔ موٹے تازے اور مسخرے۔ پوزی بہت پیتا تھا موڈی کہا کرتا کہ خدا کے لیے کوئی اس کے پاس دیا سلائی مت لانا۔ ورنہ اس میں اس قدر

الکحل ہے کہ بھک سے اڑ جائے گا۔ پوزی اسکاٹ لینڈ کا رہنے والا تھا پیتے پیتے وہ کہا کرتا ____ میں نصف تو اسکاچ ہوں اور نصف ____ نصف سوڈا ہوں۔

ہف نہایت بھولا بھالا اور خاموش طبیعت لڑکا تھا۔

کبھی کبھی موڈی کا ایک دوست ملنے آیا کرتا تھا ____ ایک امریکن حبشی جس کا نام سنووائٹ تھا۔ یہیں سے بالکل نزدیک ٹونی کا بنگلہ تھا۔ اُن کے ساتھ ان کی بیوی اور تین لڑکیاں رہتی تھیں۔ جولی، اروزبی، اور لِزا۔ لوگوں کا خیال تھا کہ جولی اس جگہ، اس علاقے بلکہ اس طول بلد اور عرض بلد کی حسین ترین لڑکی ہے ____ اور لوگوں کا خیال صحیح تھا۔

سب لڑکے جولی پر فریفتہ تھے لیکن وہ کسی کو خاطر میں نہ لاتی تھی۔ جولی کی نظروں میں آنے کے لیے ہم سب کیسے کیسے جتن کرتے۔ شام تک ہر وقت سب یہی خبط تھا۔ جب جولی گھوڑے کی سواری کیا کرتی ہم سائیکلوں پر اِدھر اُدھر چکر لگایا کرتے۔ وہاں گھوڑے تھے تو سہی لیکن کم بخت اتنے اونچے تھے کہ ان پر سواری کرنے سے پہلے پیراشوٹ باندھنے کی ضرورت محسوس ہوتی تھی ____

پھر ایک روز عجیب تماشہ ہوا میں کلب کے تالاب میں تیرا کرتا تھا۔ جولی اکثر کلب آیا کرتی تھی۔ ایک روز میں تیر رہا تھا اور وہ کنارے پر آ بیٹھی۔ مجھے دیر تک دیکھتی رہی۔ اُسے دیکھ کر میں نے خوب تیرنا شروع کر دیا۔ اُسے میرا اسٹائل بہت پسند آیا، بولی ٹارزن کی فلموں میں بالکل یہی اسٹائل ہوتا ہے۔ میں نے کہا۔ یہ تو بہت آسان ہے اگر تم چاہو تو چند دنوں میں سیکھ لوگی۔ اگلے روز سے میں اُسے سکھانے لگا اور سب حضرات جل بھن کر کوئلہ ہو گئے ____ سہ پہر کو میں دھوپ میں کھڑا ہو کر شیشے سے سورج کی کرنیں جولی کے کمرے پر پھینکتا اور وہ چلی آتی۔ جب ہم تیرتے تو میس کے حضرات کنارے پر کرسیاں بچھا کر بیٹھ جاتے۔ کسی ایک تو تیرتے بھی لیکن عجیب اوٹ پٹانگ طریقے سے جولی کو جو اسٹائل ایک مرتبہ پسند آ گیا تھا وہی پسند رہا۔ میں نے وعدہ تو چند دنوں کا کیا تھا۔ لیکن ہفتے گزر گئے تھے اور ابھی دوسرا سبق تھا۔

ایک اور کنبہ بھی ہمارے نزدیک ہی رہتا تھا۔ سندرم کا کنبہ، سندرم جنوبی ہند کے تھے۔ انکی تین لڑکیاں تھیں اور ایک لڑکا جو کہیں باہر تھا۔ ہمارے میس میں ایک لڑکا انویم جنوبی ہند کا تھا۔ وہ ہر وقت سندرم کی منجھلی لڑکی راج کا ذکر کیا کرتا۔

سہ پہر کو میں اور جولی تیرنے گئے۔ سورج خوب چمک رہا تھا۔ تالاب کے چاروں طرف پھول ہی پھول تھے۔ پھول اتنی خوبصورتی سے لگائے گئے تھے کہ جیسے کوئی خوشنما قالین بچھا ہوا ہو۔ جولی تیرنے کے لباس میں بالکل جل پری معلوم ہو رہی تھی۔ آج غوطہ لگانے کا سبق تھا۔ تالاب میں ایک طرف تو پانی بالکل تھوڑا سا تھا اور دوسری طرف بہت گہرا تھا۔ جولی کو گہرے پانی سے بڑا ڈر لگتا تھا۔ میں نے کہا چلو تمہیں دوسری طرف لے چلوں۔ بولی اور جو جی گھبرا گیا تو میں نے کہا کہ میں جو ساتھ ہوں۔ تم میرا بازو تھام لو ہم دونوں گہرے پانی میں چلے گئے۔ تہہ میں ایک گول سا پتھر چمک رہا تھا۔ بولی غوطہ لگا کر اسے لے آیئے۔ میں نے کہا۔ دونوں چلیں گے۔ میں اسے تہہ میں لے گیا جہاں اس نے خود پتھر اٹھا لیا۔ اب اسے غوطہ لگانا آگیا تھا۔ ہم شرط لگا کر پتھر گہرے پانی میں پھینکتے کہ دیکھیں پہلے کون اٹھا کر لاتا ہے۔ بعض اوقات تو تہہ میں پتھر کے لیے چھینا جھپٹی بھی ہوتی۔ جب تھک جاتے تو تختے پر لیٹ کر دھوپ سینکنے لگتے۔

میس میں پھر شور وغل مچا۔ لیکن تم اتنے خود غرض کیوں ہو؟ کسی اور کو بھی موقع دو۔ واہ! اچھے دوست ہو۔ لعنت ہے!۔

انویم نے راج کا ذکر شروع کر دیا، اتنی تعریفیں کیں کہ بس ایشیا میں کوئی حسین لڑکی ہے تو راج۔ اتنی اچھی باتیں کرتی ہے۔ اتنا اچھا لباس پہنتی ہے۔ اتنا اچھا گاتی ہے اور رقص کی بھی ماہر ہے۔

میں سندرم کے ہاں جایا کرتا تھا۔ میں راج کو جانتا تھا۔ لیکن میں نے اسے ناچتے ہوئے نہیں دیکھا تھا۔ جب کبھی میں اُن کے ہاں جاتا۔ ہمیشہ بیک گراؤنڈ میں ہلکی ہلکی موسیقی سنائی دیا کرتی۔ بچوں کے رونے کی۔ اُن میں سے ایک کی تو نہایت خود غرض

آواز تھی جو اوروں سے بالکل علیحدہ اور نمایاں تھی۔ بچے کئی طرح روتے ہیں۔ کئی بچے ایک تالہ میں روتے ہیں۔ کئی تین تالہ میں۔ کئی الاپ سے شروع کرتے ہیں۔ اور الاپ پر ختم کر دیتے ہیں۔ کئی ترانے گاتے ہیں۔ اور کئی بجز طویل میں ہلکے پھلکے راگ گاتے ہیں۔ لیکن اُن کے ہاں گانوں کا ملا جلا پروگرام ہوا کرتا تھا۔ آخر ایک روز میں نے پوچھ ہی لیا کہ یہ بچے کتنے ہیں اور کیوں روتے ہیں ــــ مجھے بتایا گیا کہ گھر میں صرف ایک بچہ ہے۔ سندوم کے بڑے لڑکے کا بچہ جو دانت نکال رہا ہے اور مجھے یقین نہ آیا کہ صرف ایک بچہ اس خوبصورتی کے ساتھ رو سکتا ہے جو کبھی سولو معلوم ہو۔ کبھی ڈوئٹ اور کبھی کورس۔

سنیچر کی رات کو ڈانس ہوا۔ ہم سب گئے۔ ڈانس پر کافی رونق تھی۔ میٹرن بھی اپنی نرسوں سمیت آئی ہوئی تھیں۔ موڈی کو ایک پارے کی طرح مچلتی۔ ترمتی اور بل کھاتی ہوئی نرس پسند آئی۔ یہ وہی نرس تھی جس نے اسپتال میں شارٹی کا قیام طویل کر دیا تھا۔ میں اور موڈی ایک محراب کے نیچے کھڑے اِدھر اُدھر دیکھ رہے تھے کہ یکایک ایک صاحب بھاگے بھاگے آئے اور زور سے ایک "مکہ" موڈی کے رسید کیا۔ موڈی نے پلٹ کر دیکھا۔ وہ شرمندہ ہو کر بولے ــــ "معاف کیجئے، غلطی ہوئی میں سمجھا آپ برڈی ہیں۔"

موڈی بولا ــــ "اگر میں برڈی ہوتا تب بھی آپ کو اتنے زور سے مکہ مارنے کا کوئی حق نہیں۔"

وہ صاحب بولے ــــ "اب جبکہ آپ برڈی نہیں ہیں تو اس سے کیا فرق پڑتا ہے کہ میں برڈی کو کتنے زور سے مکہ مارتا ہوں۔"

موسیقی شروع ہو گئی۔ موڈی مجھے لے کر میٹرن کے پاس پہنچا، مجھے تو ان کے حوالے کیا اور خود اسی نرس کے ساتھ رقص کرنے لگا۔ یہ میٹرن کافی عمر رسیدہ تھیں۔ مجبوراً ان

کے ساتھ ناچنا پڑا انہوں نے باتیں بھی کیں لیکن اس انداز سے ـــــ کہ آؤ ہم دونوں میرے متعلق باتیں بھی کریں ـــــ رقص کے بعد میں نے موڈی کو جا پکڑا ۔ میں موڈی اور وہ نرس تینوں ایک گوشے میں بیٹھ گئے ۔ موڈی اس سے کہہ رہا تھا ـــــ

"تم مجھے اپنی زندگی کے متعلق بتاؤ ۔ زندگی کے مقصد یوں کے متعلق بتاؤ ، اپنی امیدوں اور تمناؤں کے متعلق بتاؤ اور اپنے ٹیلی فون نمبر کے متعلق بتاؤ ۔" موڈی نے اسے پکچر کی دعوت دی ، وہ بولی ـــــ "مگر یہ بھلا میں ایک مکمل اجنبی کے ساتھ کیونکر جا سکتی ہوں ۔" موڈی شرما کر بولا ـــــ "یہ کون کہتا ہے کہ میں مکمل ہوں ۔" اس نے بتایا کہ وہ دو تین دن تک چند ماہ کی ٹریننگ کے لیے باہر چلی جائے گی ۔ موڈی بولا "پھر تو لازمی طور پر پہلی نگاہ پر محبت ہونی چاہیئے ۔ کیونکہ وقت بہت تھوڑا ہے ۔"

موسیقی شروع ہو گئی اور وہ دونوں ناچنے لگے ۔ میں وہیں بیٹھا رہا ۔ حتیٰ کہ میرین میرے ساتھ آ بیٹھیں اور بولیں ـــــ "آؤ ہم دونوں میرے متعلق باتیں کریں ۔" اور پھر دفعتہً جیسے آنکھوں کے سامنے بجلی کوند گئی ـــــ جولی ہال میں داخل ہوئی اور سب کچھ ماند پڑ گیا ۔ سب کی نگاہیں اس کی جانب اٹھیں اور وہیں جم کر رہ گئیں ۔ چاروں طرف ہلچل سی مچ گئی ۔

"ہلو لیفٹیننٹ ایوائے" ـــــ مسز ٹونی بولیں ۔ ذرا سی دیر میں میں اور مسز ٹونی ناچ رہے تھے ۔ وہ سوچ رہی تھیں کہ نہ جانے اس لڑکے کا دھیان کس طرف ہے اور میں سوچ رہا تھا کہ نہ جانے آج کس کا منہ دیکھا تھا ۔ پہلے میرین ملیں اور اب مسز ٹونی ۔ ادھر ہف اور جولی ناچ رہے تھے ۔ اتنے میں بل نے آگے بڑھ کر ہف کے کندھے کو چھوا ۔ اسے ہٹا کر خود جولی کے ساتھ ناچنے لگا ۔ لوزی اور پینزی بھی منتظر تھے ۔ اب یہ ہو رہا تھا کہ ایک لڑکا جولی کے ساتھ بمشکل ایک منٹ ناچتا ہو گا کہ دوسرا اسے ٹوک کر خود ناچنے لگتا ۔ پھر تیسرا آ جاتا ۔ ساتھ ہی سخت فقرے بھی ہو رہے تھے ۔ ہف ۔ جولی سے بولا ۔

"میری تصویر اخبار میں چھپی تھی۔" بل بولا۔ "اچھا؟ — بھلا انہوں نے انعام کیا مقرر کیا تھا؟" ہیف، بل سے بولا۔ "کاش کہ تم سے ملنے سے پہلے میرا انتقال ہو چکا ہوتا۔" پوزی بل سے کہہ رہا تھا۔ "اگر تمھیں اپنی زندگی دوبارہ بسر کرنے کا موقع ملے تو کبھی بسر مت کرنا۔" پنیزی پوزی سے بولا۔ "تمہاری حرکتیں کسی ہپی جیسی ہیں اور تمھارا دماغ بھی دیسا ہی ہے۔" بل بولا۔ "میں بھی یہی سوچ رہا تھا۔ کسی نے درست کہا ہے کہ عقلمند ہمیشہ ایک طرح سوچتے ہیں۔" ہیف بات کاٹ کر بولا۔ "اور بے وقوف کبھی ایک دوسرے سے اختلاف نہیں کرتے۔"

پوزی کہہ رہا تھا۔ "تم لوگوں سے بحث بیکار ہے۔ تم تو ایک شتر مرغ کو بھی بیزار کر دو گے۔" موڈی ہمیں گھور گھور کر دیکھ رہا تھا۔ رقص کے بعد وہ ہم سب کو ایک طرف لے گیا اور بولا "لعنت ہے تم لوگوں پر، تمھاری حرکتیں دیکھ دیکھ کر میں بیزار ہو جاتا۔ طیش میں آ جاتا۔ اگر میں خود اس قدر مصروف نہ ہوتا — تم آپس میں فیصلہ کیوں نہیں کر لیتے —؟"

"فیصلہ کس طرح کیا جائے یہ معمہ تو ایسا پیچیدہ ہے کہ ارسطو کو پریشان کر دے۔" شارٹی بولا۔

موڈی کہنے لگا — "میں فیصلہ کیے دیتا ہوں — شارٹی تم جولی سے قد میں چھوٹے ہو۔ اس کے ساتھ ناچتے ہوئے بہت برے معلوم ہوتے ہو۔ بل تم نے مہینوں سے حجامت نہیں کرائی۔ عجب وحشی معلوم ہو رہے ہو — پتھر کے زمانے کے تم بھی ایک طرف بیٹھو، پوزی تم پی بہت گئے ہو، پنیزی تمھارا لباس ایسا ہے جیسے ابھی گٹھڑی سے نکالا گیا ہو — شلوار سلوٹیں پڑی ہوئی ہیں۔ اب رہ گئے لینکی اور ہیف — تم دونوں واقعی اچھے معلوم ہو رہے ہو۔ تمھارے لیے میں ٹاس کیے دیتا ہوں۔" میں نے موڈی کو آنکھ سے اشارہ کیا۔ اس نے آہستہ سے میرے کان میں کہا۔ "چہرہ!" موڈی نے جیب سے سکہ نکال کر اچھالا۔ میں نے چہرہ مانگا — چہرہ ہی تھا۔ جب میں اور جولی رقص

کر رہے تھے تو سب ہمیں دیکھ رہے تھے۔ جولی بولی۔ "یہ سب مجھے اس طرح کیوں دیکھ رہے ہیں۔ میرے نے کوئی شوخ چیز پہن رکھی ہے کیا۔؟"

میں نے کہا۔ "ہاں ایک چیز بہت شوخ ہے۔"

پوچھنے لگی۔ "کیا ہے بھلا؟" میں نے کہا۔ "تمھارا چہرہ!" ۔۔۔ ہم رقص کرتے ہوئے موڈی کے سامنے سے گذرے۔ وہ زمیں سے کہہ رہا تھا۔ "یہ تھے میری زندگی کے حالات ۔۔۔ اگر ان میں سے کچھ حصے ایسے ہوں جو تمھیں لیند نہ آئے ہوں تو میں انھیں دوبارہ بسر کرنے کو تیار ہوں۔ کہو تو آج سے بالکل نئے سرے سے زندگی شروع کر دوں۔"

جب والز شروع ہوا تو روشنی مدھم کر دی گئی۔ میں نے جولی کا پیارا چہرہ اور معطر بالی اپنے بازوؤں میں چھپا لیے۔ پھر میں نے اسے وہ نظم سنائی ۔۔۔ اے میری محبوب! اگر میں بادشاہ ہوتا ۔۔۔ وہ بولی۔ "تم نے پہلے کبھی یہ نظم کسی کو سنائی؟" میں نے کہا۔ "ہاں سنائی تھی کئی مرتبہ۔ لیکن تب تک میں نے اس حسین وجمیل جولیٹ کو نہیں دیکھا تھا۔" وہ بولی۔ "میں خوش ہوں کہ تم نے ایک تو سچ بولا۔"

اگلی صبح کو موڈی نے ہم سب کو ڈانٹا۔ بولا۔ آئندہ جب کبھی ڈانس ہو تو پہلے سے فیصلہ کر لیا جائے کہ جولی کے ساتھ کون ناچے گا۔ ہر بار ایک قسم کا ٹورنامنٹ منعقد ہوا کرے ۔۔۔ سب بولے۔ "اور یہ لینکی؟ ۔۔۔ یہ تو اس کے ساتھ تیر بھی لیتا ہے۔ ہمیں ایسے موقعے کیوں نہیں ملتے؟"

موڈی بولا ۔۔۔ "ہماری قسمت ۔۔۔"

اگلے ڈانس کے لیے ٹورنامنٹ کل سے شروع ہوگا۔ برج کھیلا جائے گا شرائط میں بتا دوں گا۔"

سہ پہر کو میں اور موڈی چائے کے لیے آرہے تھے۔ راستے میں ایک جگہ فٹ بال میچ ہو رہا تھا۔ ہم دونوں ٹھہر گئے۔ دیکھتے کیا ہیں کہ سنوڈ اسٹ بھی کھڑا دیکھ رہا ہے۔ موڈی نے

آواز دی وہ آگیا بولا۔ "بھئی ناحق آپ دونوں اپنا وقت ضائع کر رہے ہیں۔ یہ لوگ گول نہیں کریں گے۔ میں ہفتے سے ہر روز یہاں آرہا ہوں۔ نہ یہ اُن کے گول کر سکتے ہیں اور نہ انہوں نے اس قسم کی گستاخی کی ہے۔"

سوڈی بولا۔ "تو پھر تم کیوں روز آتے ہو؟"

وہ بولا۔ "اسی امید پر کہ شاید کسی روز گول ہو جائے۔ سوا چار بج کر تین منٹ ہو چکے ہیں اب انٹرول ہونے والا ہے۔"

سنو وائٹ ہمیشہ وقت عجیب طریقے سے بتایا کرتا تھا۔ پونے آٹھ بجنے میں چار منٹ ہیں بارہ بج کر بیس منٹ ہونے میں دس منٹ باقی ہیں۔۔۔ ہم نے اُسے چائے کے لیے کہا۔ وہ بولا۔۔۔ "اگر میری غیر موجودگی میں کوئی گول ہو گیا تو مجھے بہت افسوس ہوگا۔"

ہم تینوں میس کی طرف چل دیے۔ سنو وائٹ سردی کی شکایت کرنے لگا کہ اس قدر سردی ہے کہ تھرمامیٹر پڑھنے کے لیے اسے گرم پانی میں ڈالنا پڑتا ہے۔

"اور تمھاری جیپ کہاں ہے؟"

"اسے میرا کرنل لے گیا ہے، کچھ دن ہوئے۔ جیپ پر بجلی گری تھی۔۔۔ بجلی کی مرمت کرائی گئی۔"

"رات تم ناچ پر نہیں آئے؟" میں نے پوچھا۔

"پچھلے ہفتے عجب تماشہ ہوا۔" وہ بولا۔۔۔ "ایک لڑکی نے مجھ سے پوچھا۔ کیا تمھیں ناچنا آتا ہے؟۔۔۔ میں اور وہ لڑکی اس وقت ناچ رہے تھے۔۔۔ اسی لیے میں رات نہیں آیا۔"

میس میں پہنچے۔ بل ایک کونے میں بیٹھا کچھ پڑھ رہا تھا۔ سنو وائٹ نے پوچھا۔

"کیا پڑھ رہے ہو؟"

"شکسپیئر!" بل بولا۔

"شکسپیئر۔" سنووائٹ بولا" خوب! اس کا مصنف کون ہے؟"

"تمھیں وہ وہ پسند ہے؟" — میں نے جائے کے سلسلے میں پوچھا۔

"ہاں اگر اس میں کافی ملی ہوئی ہو۔" سنووائٹ بولا۔

"اور نمک —۔"

"ہاں! اگر انڈوں پر چھڑکا ہوا ہو۔"

"اور کالی مرچ؟"

"ہاں! اگر مچھلی کے قتلوں پر تھوڑی سی چھڑک دی جائے۔"

سنووائٹ شارلی کو تلاش کر رہا تھا معلوم ہوا کہ وہ سویا ہوا ہے۔ سنووائٹ نے کھڑکی سے کود کر بمشکل اُسے جگایا اور بولا — "سناؤ کیا حال ہے؟" شارلی آنکھیں ملتا ہوا اٹھا — "اچھا ہے — کوئی خاص بات تھی کیا؟"۔

سنووائٹ کہنے لگا — "نہیں بس یونہی میں نے کہا ذرا حال پوچھتے چلیں — تم بے شک سو جاؤ۔"

ہم جائے پی رہے تھے — "جائے پر انڈے اور مچھلی — بھئی تم لوگ پیتے نہیں جائے کھاتے ہو — یہ آج تمھارے بیرے نے کپڑے پہن رکھے ہیں۔"

"یہ کپڑے دوسرے نہیں، بیرا دوسرا ہے۔" سوڈی بولا۔

سوڈی کے کپڑوں پر کچھ گرا دیا۔

"دیکھتے نہیں؟ تم نے میرے کپڑوں پر مارملیڈ گرا دیا ہے"

اوہ! یہ مارملیڈ تھا؟ — میں سمجھا تو جام ہے

"ہمارے ہاں بھی نہایت نامعقول بیرے ہیں" سنووائٹ نے بتایا کل میں

اپنے بیرے سے کہا کہ جوتوں کو یوں چمکاؤ کہ چہرہ نظر آنے لگے ـــــ وہ بولا۔
میں چمکا تو دوں گا لیکن آپ اپنے عکس کو پسند نہیں کریں گے۔

سلوو ائٹ سگریٹ بہت پیتا تھا۔ دن میں سو سو سگریٹیں پی جاتا تھا۔ اپنی عادت کو کوس رہا تھا۔ "تبھی تو میری صحت اچھی نہیں رہی ـــــ میں بیزار رہتا ہوں قنوطی بن گیا ہوں؛ تصویر کا ہمیشہ تاریک رخ دیکھتا ہوں ـــــ کل میں اتنا بیزار تھا کہ جب صبح آئینہ دیکھا تو عکس بولا ـــــ بیچ ـــ بیچ ـــ بیچارہ!"
"لیکن یہ سگریٹ کی عادت تمھیں کس نے ڈال دی ـ؟"

"دو چیزوں نے!"

"وہ کیا ہیں ـــ؟"

"سگریٹ اور ماچس۔"

مجھے انویم نے بتایا کہ راج اس پر بُری طرح فریفتہ ہے۔ آج کل بیچارے کی حالت مخدوش ہے۔ راج یوں خط لکھتی ہے۔ یوں آنے کے لیے منتیں کرتی ہے ـــــ انویم دیکھنے میں کافی بجھا ہوا تھا۔ اس نے ہم سب کو اتنا تنگ کیا کہ بُھوڈی نے مجھے کہا کہ اسے خاموش کرنے کا انتظام ہونا چاہیئے۔ میں اگلے روز سندرم کے ہاں گیا۔ راج سے سینما کے لیے کہا۔ وہ بولی۔ امّی سے اجازت لیجیے۔ میں نے مسز سندرم سے پوچھا۔ وہ کچھ ہچکچانے لگیں۔ بولیں۔ جانے میں تو کوئی حرج نہیں ویسے کہیں لوگ باتیں نہ بنانے لگیں۔ میں نے ننھی کا ہاتھ پکڑ کر کہا ـــــ اگر میں ننھی کے ساتھ جاؤں تب تو لوگ باتیں نہیں بنائیں گے۔ وہ ہنس دیں، بولیں ـــــ "اچھا تم راج کو لے جاؤ ـــــ" اس شام راج خوب بن سنور کر میرے ساتھ نکلی، پہلے ہم نے سائیکلوں پر میس کے گرد کئی چکر لگائے تاکہ انویم ہمیں اچھی طرح دیکھ لے۔ جب اس نے دیکھ لیا تو سینما گئے۔

راج نے مجھے خوب ہنسایا۔ اس کے سامنے ایک صاحب بہت بڑا صافہ سر پر رکھے بیٹھے تھے۔ جس سے اسے کچھ بھی دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ وہ اُن سے بولی — "براہ کرم اس صافے کو اتار لیجیے۔" انہوں نے صافہ اتار لیا۔ وہ پکچر نہایت فضول تھی۔ تھوڑی دیر کے بعد راج اُن صاحب سے بولی — "براہ کرم صافہ پھر سر پہ رکھ لیجیے — شکریہ۔"

انٹرول میں میں نے پہلے چوسنے کی گولیاں لیں پھر مونگ پھلیاں، پھر چاکلیٹ — تو راج بیرے سے بولی — یہاں بیٹھ کر ڈنر کھانے کا بھی انتظام ہے کیا؟ —

میں لوٹی کے یہاں سے ہلیس میں ڈرتا ڈرتا پہنچا مجھے گھبرایا گیا۔ موڈی نے میرے ہاتھ میں ایک نیلے رنگ کا لفافہ دے دیا۔ یہ لفافہ روفی کا تھا۔ روفی کی طرز تحریر بالکل زنانہ ہے۔ میں کھول کر خط پڑھنے لگا۔

موڈی بولا — "کیا یہ اب تک تم سے محبت کرتی ہے؟"

"محبت کرتی ہے؟ — کون؟"

"یہی جس نے خط لکھا ہے۔"

"یہ تو روفی ہے — میرا دوست۔"

"اچھا تو اب تم یہ اصرار کرو گے کہ روفی کوئی لڑکا ہے۔"

"تم یہ بتاؤ۔" بل بولا — "کہ تم نے آج کل یہ کیا وطیرہ اختیار کر رکھا ہے؟"

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہی کہ تم صبح ایک لڑکی کے ساتھ دیکھے جاتے ہو۔ دوپہر کو کسی لڑکی کے ساتھ تیرتے ہو۔ شام کو اور لڑکیوں کے ساتھ سیر کرتے ہوئے پائے جاتے ہو

اور رات کو پکچر میں تمھارے ساتھ کوئی اور لڑکی ہوتی ہے۔"

"میرے پاس سائیکل جو ہے۔" میں نے کہا۔

"سائیکلیں تو ہم سب کے پاس ہیں ـــــ بس بات یہ ہے کہ تم اول نمبر کے ہری جگ ہو۔ تمھارا دل ہوٹل کی طرح ہے۔ جس میں ایک اور کے لیے ہمیشہ جگہ رہتی ہے۔ کیوپڈ تمھاری طرح تیر استعمال نہیں کرتا بلکہ مشین گن سے کام لیتا ہے۔"

اگلے روز چھٹی تھی، رات کو سب نے پینا شروع کر دیا مجھے اور رہٹ کو بھی ساتھ بٹھایا گیا۔ ہم دونوں اتنی سردی میں لیمن سکواش پی رہے تھے ـــــ موڈی کہہ رہا تھا ـــــ "کل مجھے ہلکی سی حرارت ہو گئی تھی۔ جس نے اس سردی میں مجھے گرما سا دیا۔"

بِل بولا ـــــ "میں اپنے کمرے کے باہر ایک نوٹس لگا رہا ہوں ـــــ وائلن اور ٹرمبون برائے فروخت ـــــ"

پوزی جو بِل کا پڑوسی تھا بولا ـــــ "اور میں اپنے کمرے کے باہر ایک نوٹس لگا رہا ہوں ـــــ "ہرّا!"

بینزی بولا ـــــ "موڈی تم نہایت مسخرے ہو۔ تم پر کبھی موڈ سوار نہیں ہوتا۔ اس لیے تم موڈی ہرگز نہیں ہو، البتہ تمھیں جوکر کہا جا سکتا ہے۔"

موڈی نے فرشی سلام کے ساتھ شکریہ ادا کیا۔ بیرے کو آواز دی کہ کوئی نمکین چیز لاؤ۔ وہ بولا ـــــ "صاحب آج نمکین چیز تو صرف جنگلی بٹیر ہے ـــــ"

موڈی گلاس ختم کرتے ہوئے بولا ـــــ "جنگلی چھوڑ وحشی یا دیوانہ بیٹر بھی لے آؤ تو کوئی مضائقہ نہیں۔" آہستہ آہستہ سب کو چڑھ رہی تھی۔ موڈی بولا۔ "سنا ہے کہ

ایک نیا گراموفون ایجاد ہوا ہے جو اتنا سستا ہے کہ موجد کا دعوےٰ ہے کہ سارے ریکارڈ توڑ دے گا۔"

شارٹی بولا۔ "موڈی میری زندگی کی سب سے بڑی خواہش یہ ہے کہ کسی روز تمہارا یوفونیم اٹھا کر تمہارے سر پہ دے ماروں، پھر خیال آتا ہے کہ مفت میں یوفونیم ٹوٹ جائے گا۔"

بنّی اٹھا، موڈی کے چکتے ہوئے سر میں اپنا عکس دیکھتے ہوئے اپنی ٹائی درست کی اور بولا۔ "موڈی تمہیں آج کل سر کھجانے کی فرصت نہیں ملتی ہوگی۔ کیونکہ تمہارے سر پر کچھ ہے ہی نہیں۔"

موڈی بولا۔ "میں چند سال سے ایک بال اُگانے کی دوا سر پر لگا رہا ہوں۔ اس سے بڑا فائدہ ہوا ہے۔ پہلے میرے سر میں تین جگہ سے بال غائب تھے۔ اب صرف ایک جگہ سے غائب ہیں۔"

ریڈیو پر جنوبی ہند کے کسی اسٹیشن سے گت بجنے لگی، انویم جو خوب پی رہا تھا، تڑپ کر اٹھا چھلانگ ماری ماری میز پر چڑھ گیا اور کتھا کلی ناچنے لگا۔ اِدھر سے پوزی لپکا اور میز پر چڑھ گیا۔ پوزی انویم کی نقل کر رہا تھا۔ ہم نے جلدی جلدی رکابیاں، چمچے اور پیالے ہٹائے، جتنی دیر گت بجتی رہی۔ پوزی اور انویم کتھا کلی ناچتے رہے۔ بھئی کو اور مجھے سخت بھوک لگی ہوئی تھی۔ ہم دونوں اُن سب کو چھوڑ کر دوسرے کمرے میں چلے گئے۔ ابھی پڈنگ باقی تھی کہ ساتھ کے کمرے سے رونے پیٹنے کی آوازیں آنے لگیں۔ ہم بھاگے، جا کر دیکھتے ہیں تو سب زار و قطار رو رہے ہیں اور میس سارجنٹ باری باری ہر ایک کو چپ کرا رہا ہے۔ جتنی وہ غریب منتیں کرتا۔ اتنا ہی وہ اور دھاڑیں مار مار کر روتے، معلوم ہوا کہ ابھی میس سارجنٹ کو خط ملا کہ اس کے دادا کا انتقال ہو گیا۔ اس نے انہیں یہ خبر ان سب کو سنا دی۔ یہ اس قدر حساس اور جذباتی بنے ہوئے تھے کہ رونے

لگے۔ غریب سارجنٹ کو مصیبت پڑ گئی۔ بار بار یہی کہہ رہا تھا ۔۔۔ "للہ! آپ صبر کیجئے!" ۔۔۔ لیکن صبر کون کرتا عجب ہنگامہ دھاڑ مچی ہوئی تھی۔ رات کے دو تین بجے کہیں سونا میسر ہوا۔ بڑی دیر میں آنکھ کھلی، بارہ بجے ہوئے تھے۔ موڈی کو جگایا ۔۔۔ آواز دی کہ اٹھو بارہ بج چکے ہیں۔ کمرے سے آواز آئی ۔۔۔ "بارہ بج چکے؟ آج کے؟"

ابھی تک کوئی اور نہیں اٹھا تھا۔ موڈی بولا۔ "ان نالائقوں کو جگانا چاہئے برج کھیلیں گے۔"

موڈی بل کے دروازے سے منہ لگا کر بولا۔ "بل تمھارے لیے نہایت اہم پیغام ہے۔ نہایت اہم پیغام" اور اس نے فوراً اٹھ کر دروازہ کھول دیا۔ "کیا پیغام ہے؟"

"یہی کہ اٹھ کھڑے ہو" ۔۔۔۔۔۔ پھر پوزی کے دروازے پر گیا ۔۔۔۔ پوزی تمھارے لیے ایک نہایت ضروری خبر ہے۔" پوزی بستر سے نکل آیا ۔۔۔ "کیا خبر ہے؟"

"یہی کہ اٹھ کھڑے ہو۔"

ہٹ کھڑکی سے سر نکال کر بولا۔ "صبح بخیر!"

"صبح بخیر؟ غضب خدا کا ۔۔۔" موڈی بولا ۔۔۔ "دن ڈھل رہا ہے۔ سہ پہر بخیر کہو۔"

ناشتے کے بعد برج شروع ہوا۔ میں اور موڈی پارٹنر تھے۔ ہم دونوں سیاہ چشمے پہن رکھے تھے۔ ہٹ کسی گہری سوچ میں تھا۔ موڈی بولا۔ "ہٹ آہیں بھرنی فضول ہیں ۔۔۔ یہ آہیں اور سسکیاں پچھلی صدی کے عاشقوں کے حربے تھے۔ اب تو مصوری سیکھو، تیرنا سیکھو، باتیں بنانا سیکھو۔ لینی کو دیکھ لو۔ جب لنزا اور روزی کو تصویریں بنانی سکھاتا ہے تو وہ دونوں اس سے کتنی قریب ہوتی ہیں۔ بال چھو رہے ہیں، رخسار چھو رہے ہیں، انگلیاں چھو رہی ہیں ۔۔۔ اور پھر جوتی کے ساتھ گھٹنوں

تیزنا ـــــــــــ کل میں نے خواب میں دیکھا کہ ہفت کھڑا جُولی کو بلا رہا ہے اور جولی ـــ!"

"ہاں جولی ـــ؟" ہفت بے چین ہو کر بولا۔

"بس اتنا ہی خواب تھا، باقی کا خواب، آج دیکھ کر بتاؤں گا۔"

"کیا سچ مچ کوئی بات ہے ہفت؟" میں نے پوچھا۔

"نہیں تو ـــ!" وہ شرما گیا۔

"دوستی میں محبت زیادہ ہے بہ نسبت محبت میں دوستی کے، اس لیے کبھی ہم تو جولی کی دوستی ترجانتے ہیں۔ لینکی تم روزی اور کرزا کو دراصل سکھاتے کیا ہو؟"

"کارٹون بنانے ـــ تمھارا کارٹون بنا کر دکھاؤں؟" میں بولا۔

"نہیں۔ کل میں نے اپنا ایک نہایت دلچسپ کارٹون دیکھا جو دیوار پر آویزاں تھا۔ خوب مسخرا کارٹون تھا، بعد میں پتہ چلا کہ وہ تو آئینہ تھا اور میں اپنا عکس دیکھ رہا تھا ـــ یہ انویم تمھیں کیوں گھور رہا ہے لینکی ـــ؟"

واقعی انویم بُری طرح مجھے گھور رہا تھا۔ مڈڈی بولا ــ "تمھیں کچھ پتہ بھی ہے۔ مجھ سے کہا گیا تھا کہ اگر یہاں سے تبادلہ چاہوں تو ہو سکتا ہے۔"

"پھر تم نے کیا کہا ـــ؟" ہم سب چونک پڑے۔

"میں نے انکار کر دیا ـــ مجھے دو باتوں کا ڈر تھا۔ ایک تو یہ کہ شاید تم میرے جانے سے اُداس ہو جاؤ اور دوسرے یہ کہ شاید تم اداس نہ ہو۔"

"اور وہ نرس؟"

"وہ نرس ٹریننگ کے لیے گئی ہے۔ اب باقاعدہ رجسٹرڈ نرس بن کر آئے گی۔ لیکن بخدا جب وہ میرے پاس ہو تو مجھے ذرا پرواہ نہیں ہوتی کہ وہ رجسٹرڈ ہے یا نہیں۔"

بورنی اور بیزی نے الونیم اور شارکی کو ہرادیا۔ اُدھر میں نے اور موڈی نے
بل اور ہفت کو ہرادیا ___ اب دوسرا میچ شروع ہوا۔ سہ پہر تک میں نے اور
موڈی نے بورنی اور بیزی کو نکال دیا۔ اب فائنل کا فیصلہ باقی تھا۔ میں نے موڈی
کے کان میں کہا ___ "موڈی تم بہت اچھے دوست ہو۔ اس دفعہ مجھے جتا دو، اگلا
ڈانس تمھارا رہا۔" موڈی چپکے سے بولا ___ "چہرہ مانگنا۔" اُس نے جیب سے
سکہ نکال کر ہوا میں اچھالا۔ میں نے چہرہ مانگا، چہرہ ہی تھا۔

ٹونی اور اُن کی بیوی نے ہمیں پک نک پر بلایا۔ آٹھ دس میل پرے پہاڑوں
میں جھیل تھی۔ طے ہوا کہ وہاں مچھلیاں پکڑیں گے اور پہاڑوں پر چڑھیں گے ___
___ ہم سائیکلوں پر ٹونی کے ہاں گئے۔ ساتھ موڈی کا وہ اونچا سا کتا بھی تھا۔ اُن
کا ارادہ اپنی اُس کار کو ساتھ لے جانے کا تھا۔ لیکن پھر سائیکلوں کا پروگرام بن گیا
جھیل تک چڑھائی ہی چڑھائی تھی۔ کچھ دور تو ساتھ ساتھ گئے۔ پھر تھکاوٹ کے
آثار شروع ہو گئے۔ میں اور جوڈی آگے نکل گئے۔ میں بے تحاشا سائیکل چلا رہا تھا۔
جوڈی نے میرا بازو تھام رکھا تھا۔ "بھلا تم سیاہ چشمہ کیوں لگاتے ہو۔؟" اس نے
پوچھا۔

"اس لیے کہ دنیا کی سب سے حسین لڑکی کا چہرہ اس قدر روشن اور جگمگاتا ہوا ہے
کہ میری آنکھیں چندھیا جاتی ہیں۔"

"کون ہے وہ لڑکی؟"

"تم!"

"تم سے خفا ہونے کو میرا بہت جی چاہتا ہے ___ کسی روز میں تم سے خوب
خفا ہوں گی۔"

"تم مجھ سے خفا ہولو، لڑلو، جھگڑلو، نفرت کرنے لگو ___ لیکن بس دن میں ایک

مرتبہ اپنا چہرہ دکھایا کرد۔"

اس نے ہلکا سا تھپیڑ مارنے کی کوشش کی اور سائیکلیں الجھ گئیں۔ ہم گرتے گرتے بچے ہم بہت آگے نکل آئے تھے۔ وہ بولی ــ "اب تو میرا یہ بازو بھی شل ہو گیا ہے۔ سہارا ابھی بھی نہیں لیا جاتا۔"

"لاؤ میں تمھیں سہارا دوں" ــ میں نے اپنا بازو اس کے گرد حائل کر دیا ــ جب ہم جھیل پر پہنچے تو خوب تھک چکے تھے۔ گلاس بریلیٹ گئے۔ کچھ دیر میں وہ سب آ گئے۔ موڈسی نے مچھلیاں پکڑنے کا سامان نکالا۔ ایک اور ٹولی وہاں آئی ہوئی تھی۔ موڈی نے ان میں سے ایک سے پوچھا ــ "کیوں صاحب! یہاں مچھلیاں پکڑنا منع تو نہیں ہے۔"

"منع ؟" ــ وہ بولے ــ "یہاں مچھلیاں پکڑنا ایک معجزہ ہے۔"

اب معجزوں کا ذکر شروع ہو گیا۔ موڈی بولا ــ میں آج تک نہیں سمجھ سکا کہ یہ معجزہ کیا ہوتا ہے۔"

ٹونی بولے ــ "میں سمجھتا ہوں۔ فرض کیا ایک شخص کسی دو منزلے مکان سے گرتا ہو اور اسے چوٹ نہیں لگتی۔ تم اسے کیا کہو گے؟"

"میں اسے ایک معمولی سا واقعہ کہوں گا۔" موڈی بولا۔

"اگر اگلے روز وہ پھر اسی مکان سے گر پڑے اور اسے پھر چوٹ نہ لگے ــ تب اسے کیا کہو گے؟"

"ایک حادثہ!"

اگر تیسرے روز پھر اسی مکان سے گر پڑے اور اُسے پھر چوٹ نہ لگے ــ تب؟"

"تب میں اُسے عادت کہوں گا۔"

ٹونی بولے ــ "یہ مثالیں تو میں مثال کے طور پر بیان کر رہا تھا۔ ویسے معجزے ہوتے ضرور ہیں کبھی فرصت کے وقت تمھیں سمجھاؤں گا۔"

ایک سمر حضرات، دوڑے دوڑے آئے اور موڈی سے ہاتھ ملا کر بولے "ہلو ڈینی!۔ اوہ تم کتنے بدل گئے ہو، تمہارے سر پر گھنے بال تھے اب تم گنجے رہ گئے ہو، تم کافی موٹے تھے۔ اب تمہارا وزن کم ہو گیا ہے۔ تمہاری مونچھیں سیاہ تھیں۔ اب کھچڑی ہو گئی ہیں۔"

"میں ڈینی نہیں ہوں ۔۔۔ موڈی جونز ہوں ۔۔"

اچھا تو تم نے اپنا نام بھی بدل ڈالا۔"

موڈی نے ان کو سمجھایا، تو وہ بولے۔ "لیکن ڈینی سے تم ملتے بہت ہو، ہو بہو اسی کا چہرہ ہے، اسی کی آنکھیں، اسی کے کان، اسی کی ناک، اسی کی گردن۔۔"

"جی ہاں! ڈینی کی اتنی چیزیں میرے پاس ہیں، کہ جب میں باہر نکلتا ہوں تو وہ بیچارہ ایک بند کمرے میں بیٹھ کر میرا انتظار کیا کرتا ہے ۔۔۔!" موڈی بولا۔

اب مچھلیاں پکڑنے بیٹھے۔ شرط لگی دیکھیں پہلے کون پکڑتا ہے۔ اتنے میں شارٹی کا پاؤں پھسلا اور وہ سیدھا جھیل میں گیا، تھوڑے پانی میں گرا تھا۔ خود نکل آیا۔ موڈی بولا ۔۔۔ "بھئی ۔۔۔ غوطہ لگا کر پکڑنے کی شرط نہیں ہے ۔۔۔ ڈور سے پکڑو ۔۔"

موڈی تصویر اتارنے لگا۔ گروپ میں کتے کو بھی شامل کیا۔ جب ہم سب تیار ہوتے تو کتا ایک طرف کو چل دیتا۔ موڈی جتنی دیر میں اُسے پکڑ لاتا سب اِدھر اُدھر ہو جاتے کئی مرتبہ اسی طرح ہوا آخر موڈی نے کتے کو ڈانٹ کر کہا۔ "گدھے تجھے معلوم بھی ہے کہ آج کل فلمیں کتنی مصیبتوں کے بعد ملتی ہیں اور تو ہے کہ فلم ضائع کرنے پر تلا ہوا ہے۔ نامعقول بیوقوف کتے یہ ہوا میں کسی اور روز دکھانا" ۔۔۔ اور کتا سچ مچ سہم کر ساتھ کھڑا ہو گیا۔

ان کے پہاڑوں پر برف پڑی ہوئی تھی۔ لوٹی بولے۔ "اس چوٹی کے پیچھے ضرور برف ہو گی، چلو دیکھتے ہیں۔"

اب چڑھائی شروع ہو گئی۔ کچھ تو پہلے ہی تھکے ہوئے تھے کچھ یہ سخت چڑھائی سب ہانپنے لگے مشارٹی ایک گہرے کھڈ کی طرف دیکھ کر بولا۔ "اور جو یہاں سے

گر پڑیں تو کیا ہو؟

موڈی بولا۔ "اس کا دارومدار تمھارے گذشتہ اعمال پر ہے۔"

بڑی مصیبتوں سے چوٹی پر پہونچے، وہاں برف ورف کچھ نہیں تھی، موڈی چلا کر بولا۔

"آہا وہ رہی برف!"۔ سب دوڑ کر اس کے پاس پہونچے ۔ "کہاں ہے؟"

"وہ رہی سامنے!" موڈی نے اونچی چوٹیوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

رات کو ڈانس تھا۔ میں ایک طرح کا سوئمبر جیت چکا تھا۔ اس لیے مجھے کسی نے نہیں ٹوکا ویسے سب کے سب دیکھ دیکھ کر جلتے رہے۔ میں جولی کے ساتھ رہا اور جولی میرے ساتھ۔ ہم نے خوب باتیں کیں۔ پھر روشنی مدھم ہو گئی اور والز شروع ہوا۔ ہلکی ہلکی مدھم سروں میں گت بج رہی تھی۔ جیسے ہوا کے جھونکے پھولوں کے تختوں سے گزر رہے ہیں۔ جیسے پھولدار جھکی ہوئی بیلوں سے بجتی ہوئی۔

ندی میں کوئی کشتی بہتی جا رہی ہو۔ چاروں طرف کچھ اندھیرا سا تھا اور کچھ روشنی سی۔ میں نے جولی کے معطر بالوں میں اپنا چہرہ چھپا دیا ۔ "یہ کیسا خوشگوار حادثہ تھا کہ اتنی تیز دنیا میں جو کئی ہزار میل فی سیکنڈ کی رفتار سے گھوم رہی ہے تم مجھے مل گئیں۔ جانتی ہو جولی تم جیسی لڑکی صدی میں ایک مرتبہ دنیا میں آتی ہے ۔۔۔"

"آج جھوٹ بولنے کو تمھارا جی چاہ رہا ہے۔" وہ بولی۔

"چلو باہر چلیں، اسی طرح رقص کرتے ہوئے اُس ستون کی اوٹ سے کر دروازے سے باہر نکل جائیں گے۔ باہر چاند نکلا ہوا ہے۔ اسی موسیقی پر چاندنی میں رقص کریں گے ۔" ہم دونوں باہر آ گئے۔ ہلکی ہلکی چاندنی تھی، تارے بھی چمک رہے تھے۔ موسیقی کی مدھم سی صدائیں معلوم ہوتی تھی جیسے تاروں سے آ رہی ہو۔

"جولی صرف آج کی رات بھول جاؤ کہ میں تم سے چھوٹا ہوں، شریر ہوں، تم مجھے زیادہ پسند نہیں کرتیں، تمھیں میری کچھ اتنی پروا بھی نہیں، صرف آج تم مجھے وہ لڑکا سمجھ لو جس سے تم محبت

کرتی ہو۔ جو کہیں اور ہے ——"

"میں تمھیں پسند تو ضرور آتی ہوں۔ لیکن محبت ——"

"اچھا چلو تم مجھ سے محبت مت کرو۔ صرف مجھے پسند کر لو۔"

"اس نے میری طرف مسکرا کر دیکھا —— "بڑے شریر ہو —— مجھے تمھاری ایک بات پر بھی یقین نہیں۔"

"تمھیں اس پر بھی یقین نہیں کہ تم نہایت پیاری لڑکی ہو" —— اور اس نے پھر ایک ہلکا سا تھپیڑ میرے گال پر مارا۔ جب ہم آخری رقص کے اختتام پر ہال میں واپس آنے لگے۔ تو جولی آہستہ سے بولی۔ "اپنے رخساروں اور ہونٹوں سے لپ اسٹک پونچھ لو۔"

قریب ہی ایک اور میس تھا۔ اُن کے ہاں کوئی تقریب تھی۔ انہوں نے ہم سب کو بلایا۔ ٹونی اور سندرم بھی گئے۔ پہلے تو کھیل تماشے ہوئے۔ پھر پینے پلانے کا سلسلہ شروع ہوا۔ ساری محفل میں صرف میں ہی ایک تھا جو بار بار لیمونیڈ پیتا تھا۔ ورنہ سب لنڈھا رہے تھے۔ اُن کے ہاں یہ دستور تھا کہ جب تک کوئی یہ کہتا رہے کہ شکریہ! —— بس مجھے اب اجازت دیجئے —— وہ یہی سمجھتے تھے کہ میزبانی کا حق ادا نہیں ہوا۔ اسے اور پلاؤ۔ جب کوئی یہ کہتا کہ میں یہیں سوؤں گا۔ تب اسے گھر بھیجتے تھے۔

رات کافی گزر گئی تھی۔ انہوں نے ٹونی اور سندرم کو میرے حوالے کیا اور کہا کہ انھیں ان کے بنگلوں میں چھوڑ آؤ۔ ویسے سندرم اور ٹونی بار بار یہی کہتے تھے کہ مجھے ذرا نہیں چڑھی —— چاہوں تو ایک بوتل اور پی سکتا ہوں۔

ہم تینوں پیدل روانہ ہوئے۔ دور چوک میں روشنی ہو رہی تھی اور کچھ چیزیں ہل رہی تھیں جن کے سائے ہم تک آ رہے تھے۔ ٹونی نے فزکس کی ایک تھیوری شروع کر دی —— روشنی اور سایوں کی ترکیب کے متعلق وہ فرما رہے تھے —— کہ جو چیز روشنی کے جتنے نزدیک ہوگی۔ اتنا ہی لمبا اس کا

سایہ ہوگا — اب یہ چیزیں جو چوک میں ہیں بالکل اونٹ معلوم ہو رہی ہیں۔ حالانکہ یہ بہت چھوٹی چھوٹی ہوں گی:" آگے چل کر دیکھتے ہیں تو چوک میں اونٹ چلے آ رہے ہیں۔

ٹونی کے قدم بھی کچھ ڈگمگا رہے تھے لیکن جلد ہی اُن کا بنگلہ آ گیا اور وہ شب بخیر کہہ کر چلے گئے۔

سندرم نہایت عالمانہ انداز میں گفتگو کر رہے تھے۔ "دیکھو لینکی میں ڈارون کی تھیوری کو مانتا ہوں واقعی انسان پہلے بندر تھا اور اس سے پہلے کچھ اور تھا۔ اس تبدیلی کو ظہور میں آئے مدتیں گزر چکی ہیں۔ اس لیے اب اس سلسلے میں شرمندہ ہونے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ مگر میں یہ نہیں سمجھ سکتا کہ آج کل یہ تبدیلی یکلخت بند کیوں ہو گئی ہے۔ آج کل ہم بالکل تبدیل نہیں ہو رہے۔ ہم سب ایک جگہ آ کر رک گئے ہیں۔ کئی ہزار سال سے بندر بندر ہی ہیں اور انسان انسان ہی ہیں۔ نہ کوئی بندر انسان بنتا ہے اور نہ انسان آگے ترقی کرتا ہے — یہ کیوں ہے؟ یہاں یہ تھیوری کیوں ختم ہو جاتی ہے — اچھا روح کے غیر فانی ہونے پر تمھارا اعتقاد ہے یا نہیں۔ میرا تو ہے — یہ روح کا قضیہ بھی خوب ہے حقیقت تو یہ ہے کہ مجھے دنیا میں اگر کسی چیز پر اعتقاد ہے تو وہ چاکلیٹ پر ہے مجھے چاکلیٹ بہت پسند ہیں۔ ٹافی کچھ زیادہ میٹھی ہوتی ہے۔ ویسے گلاب جامن بھی خوب چیز ہے ملٹن اور شیلے میں سے تمھیں کون پسند ہے؟ مجھے تو ان دونوں میں سے کیٹس زیادہ اچھا لگتا ہے امید ہے کہ تم مجھ سے اس نکتے پر متفق ہو گے کہ جب تک بندوق میں بڑے چھرّے والا کارتوس استعمال نہ کیا جائے۔ یہ ریچھ وغیرہ بالکل نہیں مرتے — اچھا لینکی تمھیں ایک راز بتاؤں — میری زندگی کا سب سے بڑا راز — مجھے پٹاخے والا پستول بہت پسند ہے — اس کی آواز خوب ہوتی ہے اور سستا بھی ہوتا ہے:" — وہ رک گئے۔ پھر چپکے سے میرے کان میں بولے "لینکی تم بہت اچھے لڑکے ہو — تمھیں جتنی دیا سلائیوں کی ضرورت ہے تم مجھ سے لو — جتنے جی چاہے

چاہئیں جتنی باہمی چاہئے بلا تکلف مجھے بتا دو"۔۔۔ اور وہ سسکیاں لینے لگے۔ اُن کا بنگلہ آگیا تھا۔ میں نے پھاٹک کھولا ہم دونوں باغیچے سے گزر رہے تھے کہ وہ زور زور سے رونے لگے۔ پھر انہوں نے دھاڑیں مارنی شروع کر دیں اور میں انھیں وہیں چھوڑ کر سرپٹ بھاگا۔ اتنے زور سے کہ پھاٹک صاف پھلانگ گیا۔ اس سے پہلے مجھے اندازہ نہ تھا کہ میں ہائی جمپ بھی اچھی خاصی کر سکتا ہوں۔

بہت اور دوسرے لڑکے کیمپ سے واپس آ گئے۔ انویم مجھ سے ملا اور بڑا خفا ہوا کہ تھاری تو یہ ایک شرارت ٹھہری اور میرا بنا بنایا کام بگڑ گیا ہے۔ راج مجھ سے سیدھے منہ بات نہیں کرتی۔۔۔۔۔۔ مُوڈی کی سفارش پر میں نے وعدہ کیا کہ میں آج ہی راج سے لڑنے کی کوشش کروں گا۔ شام کو میں راج سے ملا۔ اُس نے صرف جولی کی باتیں کیں۔ خوب طعنے دیئے، منہ چڑایا۔ میں نے کہا بھی کہ جولی نے کتنی مرتبہ مجھے تمہارے ساتھ دیکھا ہے۔ لیکن اُس نے اس بارے میں ایک لفظ تک نہیں کہا۔

بولی "یہ منطق میری سمجھ سے بالاتر ہے۔ آپ بالکل ہرجگہ ہیں"

خوب لڑائی ہوئی۔

اگلے ڈانس کے لیے ٹورنامنٹ شروع ہو چکا تھا۔ ہم برج کھیل رہے تھے۔ یکایک بی نے چلّا کر کہا۔۔۔ "یہ موڈی اور لنکی بے ایمانی کرتے ہیں۔ دونوں ایک دوسرے کے پتے دیکھ رہے ہیں۔ ان کے سیاہ چشموں میں پتوں کا عکس دکھائی دیتا ہے۔۔۔" بڑا شور مچا۔ ویسے بی سچا تھا۔ ہم ایک دوسرے کے پتّے دیکھ رہے تھے۔ پچھلے ٹورنامنٹ میں بھی یہی کیا تھا۔ لیکن ہم نے اقبال جرم نہیں کیا۔ موڈی بولا۔ "یہ تو ہمیں آج تک خیال ہی نہیں آیا۔"

سب نے کہا یہ بے ایمانی ہے، ٹورنامنٹ بھی ختم۔۔۔ موڈی بولا: "اچھا اس ڈانس کے لیے ڈانس کئے لیتے ہیں۔" سب بارضامند ہو گئے۔ موڈی میرے کان میں بولا۔۔۔ اس دفعہ

میری باری ہے ٹاس شروع ہوا اور موڈی جیت گیا۔

انگیٹھی ڈانس کے لیے ہمیں بنا بنایا ٹورنامنٹ مل گیا۔ ٹونی کے بنگلے میں ایک بہت بڑا درخت تھا جس میں عجیب کرامات کو کوئی الو بولتا تھا۔ پہلے تو کبھی کبھار ایسا ہوتا تھا لیکن ہفتے بھر سے الو نہایت باقاعدگی سے بول رہا تھا۔ مسز ٹونی الو کی آواز سے بہت ڈرتی تھیں۔ انہیں شگونوں پر اعتقاد تھا اور وہ کچھ وہمی بھی تھیں۔ ٹونی نے اندھیرے میں الو پر بندوق چلائی لیکن کچھ نہ بنا۔ انہوں نے ہمیں بتایا۔ موڈی بولا۔ "ہم ساتوں باری باری کوشش کریں گے۔ ہر رات صرف ایک لڑکا گولی چلائے گا۔ ہر ایک کو تین کارتوس ملیں گے۔"

پہلی رات موڈی نے گولی چلائی۔ الو کا کچھ پتہ ہی نہیں چلتا تھا۔ گولی لگنے کا تو سوال ہی نہیں تھا۔ ادھر گولی چلی۔ ادھر آسمان سے ایک ستارہ ٹوٹا۔ موڈی چلا کر بولا۔ "دیکھا تم نے؟ بخدا کیا نشانہ ہے اور میں نے اچھی طرح شست بھی نہیں لی تھی۔" میں نے اپنی باری آخر میں رکھی۔ مجھے پورے چاند کا انتظار تھا۔ آخر چودھویں کا چاند نکلا۔ بل بولا۔ "اگر تم بھی ناکامیاب رہا تو پھر فیصلہ کیوں کر ہو گا؟" موڈی بولا۔ "پھر کچھ اور سوچیں گے۔"

چاند جب اونچا ہو گیا اور درخت کے پیچھے چلا گیا تو میں نے ادھر ادھر گھوم کر وہ شاخ تلاش کی جس پر الو بول رہا تھا۔ آخر ایک ایسی جگہ مل گئی۔ جہاں چاند بالکل الو کے پیچھے آگیا اور الو صاف نظر آرہا تھا۔ اب شست لینے کی مصیبت پڑی کیونکہ میں سائے میں تھا۔ موڈی نے مشورہ دیا کہ بندوق کی مکھی پر چاک لگا لو۔ چاک لگایا۔ چاک کے نشان، الو اور چاند کو سیدھ میں لے کر میں نے بندوق داغ دی۔ پتوں اور ٹہنیوں میں الجھتا ہوا الو تو نیچے گرا اور میں نے جولی کو ایک اور رقص کے لیے جیت لیا۔

ہمارے یہاں ڈرنک پارٹی تھی اور اس کے بعد ڈنر۔ ڈرنک پارٹی پر ایک بہت بڑے افسر آرہے تھے۔ ابھی پارٹی شروع نہیں ہوئی تھی کہ پوزی نے پینا شروع کر دیا۔ جب ان حضرت کے آنے کا وقت ہوا۔ تو پوزی اونگھنے لگا۔ ہم اسے کمرے میں لے جانے کی تیاری

کر رہے تھے کہ کسی نے کہا وہ آگئے ہیں۔ جلدی سے ہم نے پوزی کو ایک صوفے پر لٹا!
اور اوپر سے اخبار ڈال دیئے عین جب اُن کا جام صحت پیا جا رہا تھا اُن کی نظر صوفے
پر جا پڑی۔ جہاں اخبار ہل رہے تھے۔ موڈی، فوراً بولا ـــ افوہ ہوا بڑی تیز ہے،
کھڑکی بند کر دینا ذرا" ـــ موڈی کے اشارے پر ہم کئی لڑکے صوفے کے سامنے جاکھڑے
اور پوزی اور اخباروں کو چھپا لیا ـــ اتنے میں پوزی نے لیٹے لیٹے ایک تان لگائی
اور موڈی بولا ـــ "یہ ریڈیو کون بجا رہا ہے؟"۔ جب وہ حضرت چلے گئے تو سب نے اطمینان
کا سانس لیا۔ آٹھ بجے ڈنر کے لیے مہمان آگئے۔ انہوں نے جب ہمارے میس کے کتے
بلیاں اور پرندے دیکھے تو کوئی بولا ـــ "بھئی یہ تو اچھا خاصہ چڑیا گھر ہے"۔
"چڑیا گھر تھا تو نہیں ـــ آٹھ بجے کے بعد بن گیا ہے"۔ موڈی نے جواب دیا۔
کچھ حضرات سکندر اعظم کا ذکر کرنے لگے۔ کیونکہ مشہور تھا کہ اُس جگہ سے کبھی
سکندر اعظم گزرا تھا۔
جج بولے۔ "موڈی تمہیں وہ سکندر اعظم اور اس کے والد کا جھگڑا یاد ہے نا؟"
موڈی بولا۔ "جی نہیں میں اس وقت وہاں موجود نہیں تھا"۔
ایک صاحب اپنے بنگلے کا ذکر کر رہے تھے جو پہاڑ کے عین نیچے تھا۔ انہوں نے موڈی
سے "اچھا۔ کبھی اس پہاڑ پر بھی چڑھے ہو۔؟"
موڈی بڑے عجز سے بولا ـــ "جی نہیں ہم یہیں خوش ہیں۔"
"عنقریب اس پہاڑ پر برف پڑے گی، مجھے ڈر ہے کہ کہیں اگلے مہینے تک برف
میرے بنگلے تک نہ آجائے۔"
"تو کیوں نہ وہاں پہرہ لگوا دیا جائے کہ وہ برف کو نیچے نہ آنے دیں۔"
"ویسے یہاں کی آب و ہوا بہت اچھی ہے۔"
"یہاں کی آب و ہوا مصنوعی معلوم ہوتی ہے"۔

"یہاں میری صحت اتنی اچھی ہو گئی ہے کہ میں صبح دو میل پیدل سیر کرتا ہوں۔"

"اچھی صحت کی پہلی نشانی یہ ہے کہ انسان کا کسی سے لڑنے کو جی چاہتا ہے۔"

"میں تو خوش رہتا ہوں ــــ یہ آب و ہوا۔"

موڈی نے پھر بات کاٹی ــــ "خوشی وہ چیز ہے جسے ہم اُس وقت محسوس کرتے ہیں جب ہمیں بیزار رہنے کی فرصت نہ ہو۔"

اب کوئلوں کا ذکر چھڑ گیا، ریچ بولے ــــ "شکر ہے کہ یہاں کافی کوئلہ مل جاتا ہے۔"

موڈی بولا ــــ "لیکن اس کم بخت کوئلے کا زیادہ حصّہ تو دھواں بن کر اُڑ جاتا ہے۔"

سندرم کوئلے سے چلنے والی مشینوں کا ذکر کرنے لگے۔ پھر برقی طاقت کا ذکر آیا، موڈی بولا ــــ "حضرات! آپ بتا سکتے ہیں کہ دنیا کی سب سے بڑی آبی طاقت کونسی ہے؟"

کسی نے کہا۔ ہائیڈرو الیکٹرک، کسی نے کچھ بتایا، موڈی بولا ــــ "نہیں حضرات نہیں ــــ دنیا کی سب سے بڑی آبی طاقت ہے عورت کے آنسو۔"

اب عورتوں کا ذکر شروع ہو گیا ہے۔ ایک صاحب بولے "کئی سال کا ذکر ہے۔ میں نے ایک خاتون سے کچھ کہہ دیا۔ وہ بولیں ــــ یہ الفاظ ایک مرتبہ اور کہہ دو اور میں عمر بھر کے لیے تمھاری ہو جاؤں گی۔

"پھر تم نے کیا کہا؟"

"میں نے کہا ــــ خبردار کر دینے کا شکریہ۔"

ٹچ اپنے گھوڑے کا ذکر کر رہے تھے کہ میں ہر روز اتنے میل سواری کرتا ہوں گھوڑا ناشتے میں یہ کھاتا ہے اور شام کو یہ ہفتے میں اس پر اتنا خرچ ہوتا ہے۔ کسی نے بڑی معصومیت سے پوچھا ۔۔۔ "تو جناب یہ گھوڑا فی گیلن کتنے میل کر لیتا ہوگا ۔۔؟"

ٹچ نے اب اپنا محبوب موضوع شروع کر دیا۔ پہلے تو سب چپ چاپ سنتے رہے۔ پھر چونکا نا کی شروع ہو گئی وہ سنا رہے تھے ۔۔۔ "جب میں نیوزی لینڈ میں تھا تو وہاں خوب بندروں کا شکار کھیلا کرتا تھا۔"

"لیکن غالباً نیوزی لینڈ میں بندر نہیں ہوتے ۔۔۔۔۔!" ایک طرف سے آواز آئی۔

"اب کہاں رہے ہوں گے، سارے کے سارے انہوں نے ختم جو کر دیئے تھے۔" موڈی بولا۔

"اور جب میں افریقہ میں تھا تو خوب کنگرو کا شکار کھیلتا تھا۔"

"لیکن غالباً افریقہ میں کنگرو نہیں ہوتے ۔"

"تم لوگ یہ نہیں سمجھتے کہ میں آج سے چالیس سال پہلے کا ذکر کر رہا ہوں۔" ٹچ بولے۔

اب موڈی نے اپنے شکار کا قصہ شروع کیا۔ میں نے بھی ایک دفعہ شکار کھیلا تھا۔ ایک بطخ مجھ سے آٹھ دس گز کے فاصلے پر بیٹھی تھی۔ میں نے فائر کیا، کچھ نہ بنا۔ پھر فائر کیا، پھر کچھ نہ ہوا ۔۔ پندرہ فائر کئے۔ لیکن بطخ جوں کی توں محفوظ تھی اور وہیں بیٹھی تھی۔ آخر وہ خود میرے پاس چل کر آئی اور ایک روپیہ میرے ہاتھ میں دے کر بولی جاؤ اس کا کچھ لے لینا۔"

مصوری کا ذکر چھڑ گیا۔ ایک صاحب بولے "میں نے کل قطب شمالی کے برفانی نظاروں کی تصویر بنائی جب تصویر مکمل ہوئی تو اس قدر سردی ہو گئی تھی کہ مجھے زکام ہو گیا اور پاس رکھے ہوئے

تھرمامیٹر کا پارہ بالکل نیچے چلا گیا۔

"اور میں نے شعلوں کی تصویر بنائی تھی" — ایک طرف سے آواز آئی "یہ تصویر ابھی نامکمل تھی اتنی آنچ ہوگئی کہ کاغذ جل گیا" — اب موڈی کی باری تھی وہ بولا —

"حضرات میں نے پچھلے ہفتے چارلی چیپلن کی نہایت اعلیٰ تصویر بنائی تھی — اچھا اب مجھے اجازت دیجیئے —" وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

سب نے پوچھا۔ "کیوں؟ کہاں چلے؟"

موڈی بولا۔ ہر شام کو تصویر کی داڑھی اگ آتی ہے اور مجھے شیو بنانا پڑتا ہے۔ میں اس کا شیو بنانے جارہا ہوں۔"

موڈی کو اور مجھے باہر بھیج دیا گیا۔ دور دور تک کتے۔ کچھ تو بے پناہ سردی اور کچھ تنہائی۔ وقت گزرنا مشکل ہوگیا۔ پھر برفباری شروع ہوگئی۔ جھکڑ چلے، طوفان آئے اور آسمان زمین سب سفید ہوگئے۔ چند ہفتے گزار کر جب میں واپس آیا تو یوں معلوم ہوتا تھا جیسے سال گذر گئے ہیں۔

موڈی بھی چند دنوں کے بعد آگیا۔ ہمارے میس میں چائے پر کنبوں کو بلایا گیا۔ جولی بھی آئی اس سے لمبا رسمی طور پر دو تین باتیں ہوسکیں، آرچ بھی آئی۔ اس نے مجھے دیکھ کر منہ پھیر لیا اور بھی کئی لڑکیاں آئی تھیں میں ایک کونے میں انگیٹھی کے پاس بیٹھا تھا۔ دوسرے کونے میں لڑکیوں کا جھرمٹ تھا۔

موڈی کہہ رہا تھا۔ "کیمپ کی ڈیوٹی سے بالکل مرجھا گیا ہے لڑکا — آج کوئی بھی لڑکی اس کی طرف نہیں دیکھ رہی ہے، برف کی وجہ سے تیرنے کا پروگرام بھی بند ہوچکا ہے۔ بیچ بیچ بیچارہ لنگی —"

دوسرے لڑکے بھی آگئے اور انہوں نے بھی اسی قسم کی باتیں شروع کر دیں۔ آخر میں تنگ آکر اٹھا۔ لڑکیوں کے جھرمٹ میں گیا اور ان کی پامسٹری شروع کر دی۔ لڑکیوں نے مجھے گھیر لیا

میں باری باری ہر ایک کی ہتھیلی دیکھتا اور جب قسمت بتاتا تو ان کے چہرے سرخ ہو جاتے۔

موڈی اور بل وغیرہ ایک طرف کھڑے جل بھن رہے تھے۔

راج روٹھی ہوئی تھی۔ ایک طرف لے جا کر میں نے اس کی ہتھیلی دیکھی اور کہا۔ "اسی سال تمھیں وہ شخص مل جائے گا جس کا تمھیں اتنے دنوں سے انتظار ہے۔ وہ شخص تمھاری آنکھوں سے یوں مسحور ہو کر رہ جائے گا کہ عمر بھر اس سحر سے نہ نکل سکے گا۔ راج تمھیں کسی نے تمھاری آنکھوں کے متعلق بھی بتایا؟ — تمھاری ہتھیلی کی لکیریں کہتی ہیں کہ تم نہایت عقلمند لڑکی ہو، جوں جوں دن گزرتے جائیں گے تم اور بھی عقلمند ہوتی جاؤ گی۔ حتیٰ کہ —!"

"وہ تو درست ہے۔ بھلا تم میری آنکھوں کے بارے میں کیا کہہ رہے تھے؟"

"اگر وہ شخص تمھیں اس اتوار تک نہ ملے تو اتوار کی شام کو میں کچھ نہیں کر رہا ہوں مجھے بلا لینا۔"

وہ بولی: "لیکن ابھی تم نے میری آنکھوں کا ذکر کیا تھا۔؟"

جولی علیحدہ صوفے پر بیٹھی تھی۔ اس کی ہتھیلی اپنے ہاتھ میں لے کر میں نے اسے بتایا "یہ لکیریں کہہ رہی ہیں کہ تم جتنی حسین ہو اتنی ہی تمھاری قسمت بھی حسین ہے۔ یہ لکیر کہتی ہے کہ تمھارے ہونٹ بیحد رسیلے ہیں — اور یہ لکیر کہتی ہے کہ تمھاری آنکھیں ایسی ہیں جیسے خواب دیکھ رہی ہوں — اور اس لکیر سے صاف عیاں ہے کہ تمھارے چہرے پر وقار ہے تمکنت ہے۔ یہ دو لکیریں جو ایک دوسرے سے مل رہی ہیں یہ ظاہر کرتی ہیں کہ کل سہ پہر کوئی تم سے ملے گا اور تم اس سے ملنے ندی کے پل تک جاؤ گی۔ جہاں درختوں کا جھنڈ ہے — وہاں —!"

"مگر وہ تو بہت دور ہے اور پھر گھر سے ایسے موسم میں مجھے نکلنے کون دے گا؟"

"مگر یہ لکیریں کہہ رہی ہیں کہ گھر سے تم کوئی بہانہ کر کے چلو گی۔ اگر تم نہ گئیں تو وہ بیحد اداس ہو جائے گا وہ پہلے ہی بہت اداس ہے اتنے دنوں سے اس نے تمھیں اچھی طرح نہیں دیکھا۔ وہ تمھیں یاد کرتا رہا ہو۔"

اگلے روز میں ندی کے پل کے پاس درختوں کے جھنڈ میں بیٹھا اس کا انتظار کر رہا تھا۔ آسمان پر گھٹا تلی کھڑی تھی۔ جہاں تک نظر جاتی۔ برف ہی برف دکھائی دے رہی تھی۔ مجھے بالکل یقین نہ تھا

جولی ایسے میں اتنی دور آئے گی۔ یکایک ایک سرخ سی چیز افق پر نمودار ہوئی۔ اور نزدیک آ گئی — یہ جولی تھی، سرخ لباس پہنے۔ سرخ کوٹ، سرخ سویٹر، سرخ دستانے، سرخ فراک۔ سرخ ہونٹ، ایک پتھر سے برف ہٹا کر میں نے برساتی بچھائی اور ہم دونوں بیٹھ گئے۔

"تم بہت تنگ کرتے ہو۔ میں کل نہ آتی۔ اگر مجھے تمہارے غمگین ہو جانے کا خیال نہ ستاتا۔ کل بھی تم اُداس تھے۔ آج دوپہر تک یہاں آنے کا ارادہ بالکل نہ تھا۔ بھلا اتنی دور اس برف میں ملنے میں تک کیا ہے۔ میں بھی نری بیوقوف ہوں۔"

"مگر تمھاری ہتھیلی کی لکیریں۔"

"اچھا لاؤ میں تمھاری ہتھیلی دیکھوں"۔ اُس نے میری ہتھیلی اپنے ہاتھوں میں لے لی۔ "یہ لکیر کہتی ہے کہ جس لڑکی سے تم یہ کہتے رہتے ہو کہ تم اسے چاہتے ہو۔ اسے بڑا افسوس ہے کہ وہ تمھیں نہیں چاہتی اس لیے نہیں کہ تم اچھے نہیں ہو بلکہ اس لیے کہ اس کی پسند مختلف ہے اسے شوخ اور شرارتی لڑکے نہیں بلکہ مدبر اور سنجیدہ شخص پسند ہیں، یہ دوسری لکیر کہتی ہے کہ وہ تمھیں محض ایک اچھا لڑکا سمجھتی ہے اور ایک اچھا دوست، بس!"

"اب میں تمھاری ہتھیلی دیکھوں گا۔ یہ لکیر جو مڑ گئی ہے پوچھتی ہے کہ کیا وہ شخص تمھاری زندگی میں آ گیا ہے جسے تم چاہتی ہو۔؟"

وہ میری ہتھیلی دیکھ کر بولی۔ "وہ کبھی آ چکا ہے جیسا کہ اس چھوٹی سی لکیر سے ظاہر ہے۔ وہ اس لڑکی کا منگیتر ہے۔"

میں نے اس کی ہتھیلی دیکھ کر کہا۔ "تو وہ لڑکی منگنی کی انگوٹھی کیوں نہیں پہنتی۔ تاکہ کسی کو غلط فہمی نہ ہو سکے۔"

وہ میری ہتھیلی دیکھ کر بولی: "آج کل اچھی انگوٹھیاں ملتی کہاں ہیں۔ عنقریب اس کا منگیتر آ جائے گا اور پھر اُن کی شادی ہو جائے گی۔"

میں منہ بنا کر بولا — "یہ ہمیں پہلے سے کیوں نہیں بتایا گیا؟"

وہ شرارت آمیز مسکراہٹ سے بولی۔ "بس پارسائی ختم؟"
میں روٹھ کر ایک طرف بیٹھ گیا۔ کچھ دیر خاموشی رہی پھر جولی سرک کر میرے پاس آ گئی۔

"روٹھ گئے؟"

میں چپ تھا۔

"یہ روٹھنا تم نے کب سے سیکھا ہے ــــ میں نے کہا تو ہے کہ میں تمہیں پسند کرتی ہوں۔"

میں پھر بھی یونہی بیٹھا رہا۔

"خدایا! تم کتنا ستاتے ہو ــ اگر تم اور ستاؤ گے تو میرے آنسو نکل آئیں گے۔"

اب مجھے منانا پڑا۔

ہلکے ہلکے برف کے گالے گر رہے تھے سب کچھ سفید تھا۔ برفباری نے آس پاس کی سب چیزیں اوجھل کر دی تھیں۔ ہم ملائم برف پر آہستہ آہستہ چل رہے تھے، برفباری تیز ہوتی جا رہی تھی جھکڑ چل رہے تھے۔

"آؤ ــ" میں نے بازو پھیلا کر کہا۔ "میں تمہیں اٹھا لوں۔"

"نہیں تم تھک جاؤ گے۔"

"میں نے اُسے بازوؤں میں اٹھا لیا ــــ وہ آنکھیں موند کر بولی ــــ میں سو جاؤں؟"

"سو جاؤ۔"

میس میں ہم برف کی گیندوں سے خوب کھیلتے کھانے کے بعد اکثر یہ کھیل ہوتا اور ایک دوسرے کو خوب پیٹا جاتا۔ برف کا مجسمہ بھی بنایا جاتا جب بن چکتا تو اس کے گلے میں ایک مفلر لپیٹتے سر پر ہیٹ رکھتے اور منہ میں پائپ دے دیتے۔ ادھر میس کو نہ جانے کیا ضد تھی ہم ذرا ادھر ادھر ہو جاتے اور وہ برف کے مجسمے کے ایک لات لگاتا، پھر دوسری پھر تیسری، اسے توڑ پھوڑ کر رکھ دیتا۔ اُسے ہم نے تنبیہ بھی کی لیکن

مرتبہ پہرہ بھی دیا۔ لیکن وہ سب کی نظر بچا کر رات کو کسی وقت توڑ جاتا اور بعد میں کہتا کہ میں اپنی عادت سے مجبور رہوں۔

شام کو ہم نے نہایت نفیس برف کا مجسمہ بنایا۔ کھانے کے بعد سکنڈ شو دیکھنے چلے۔ موڈی نے معذرت چاہی۔ ہم نے اُسے معاف کر دیا۔ رات گئے ہم واپس لوٹے ہیں پہنچے۔ بل سیدھا برف کے مجسمے کے پاس گیا اور آگے بڑھ کر ایک لات لگائی۔ اُدھر مجسمے نے تڑپ کر ایک دھپ دیا بل کے منہ پر پھر دوسرا پھر تیسرا۔ اب بل ہے کہ بت بنا کھڑا ہے اور مجسمہ اُسے پیٹ رہا ہے۔ پھر بل بھاگا اور اپنے کمرے میں گھس گیا۔ رات بھر بل کانپتا رہا۔ صبح اُسے پتہ چلا کہ رات جس نے اس کی مرمت کی تھی وہ برف کا مجسمہ نہیں تھا موڈی تھا جو مجسمے کی جگہ کھڑا تھا ایک سفید چادر اوڑھ کر اپنے اوپر بہت سی برف ڈال کر منہ میں پائپ دبا کر اور سر پہ ہیٹ پہن کر۔

کلب میں ڈانس تھا اور میں پرانے ٹورنامنٹ کی بنا پر جُولی کے ساتھ رقص کر رہا تھا جولی نے جگمگ جگمگ کرتا ہوا لباس پہن رکھا تھا۔ میں اُسے وہ گانا سنا رہا تھا۔ جب تم میرے ساتھ ہو تو میں آسمان کی طرف نہیں دیکھتا کیونکہ تارے تمھاری آنکھوں میں ناچتے ہیں — چاندنی تمھارے چہرے سے جھلکتی ہے۔ ہم رقص کرتے کرتے باہر آ گئے۔ آسمان صاف تھا اور چاندنی چھٹکی ہوئی تھی۔ درختوں پر، پودوں پر، مکانوں پر برف ہی برف تھی اور چاندنی میں برف اتنی چمک رہی تھی کہ آنکھیں خیرہ ہوئی جاتی تھیں۔ دھیمی دھیمی موسیقی کی صدائیں آ رہی تھیں۔ ہم دونوں آہستہ آہستہ رقص کر رہے تھے۔ میں کہہ رہا تھا۔ "اس چہرے پر وہ اُجلا ہے جو صبح صبح آسمان پر پھیل جاتی ہے۔ ان گالوں پر وہ رنگ ہے جو سورج ڈوبتے وقت بادلوں میں چھوڑ جاتا ہے — یہ ہونٹ گلاب کی دو پنکھڑیاں ہیں۔ تمھارے گلے کے ہار میں یہ جو دل کی شکل کا نگ ہے دراصل یہ میرا دل ہے۔"

"توبہ توبہ — کتنے جھوٹے ہو تم — باتیں بنانا کوئی تم سے سیکھے۔"

"سچ جولی۔ جب تم مسکراتی ہو تو غنچے چٹکتے ہیں، پھول جھومنے لگتے ہیں — اور دنیا مسکرانے لگتی ہے جب تم میرے پاس ہوتی ہو تو مجھے زندگی کی لطیف ترین چیزیں یاد آجاتی ہیں — مجھے

اس دنیا کی جھلک دکھائی دے جاتی ہے جس سے میرے خواب کبھی کبھی جگمگا اُٹھتے ہیں۔"

وہ میری ٹائی کی گرہ درست کرتے ہوئے بولی: "مجھے ڈر ہے کہ اگر اسی طرح چند مہینے اور گزر گئے تو کہیں میں تمہیں زیادہ پسند نہ کرنے لگوں۔ اب میرے منگیتر کو آ جانا چاہیے۔"

اور اس کا منگیتر آ گیا۔ میں کیمپ پر تھا۔ وہاں مجھے یہ خبر پہنچی۔ ساتھ ہی یہ خبر بھی کہ اس کے ساتھ سارا کنبہ جا رہا ہے۔ شادی کہیں اور ہوگی اور ہف نے سب کو بتا دیا ہے کہ وہ جولی پر بری طرح عاشق ہے۔

کیمپ سے واپس آ کر میں نے کلب میں جولی کے منگیتر کو دیکھا جو پینتیس چھتیس برس کا سنجیدہ اور مالدار شخص تھا۔ جولی کے کنبے کا پرانا دوست تھا۔ جولی نے میرا تعارف کرایا۔ میں نے ان دونوں کو مبارکباد دی اور اس کے منگیتر سے کہا۔ "تم دنیا کے سب سے خوش قسمت شخص ہو۔"

(آج بھی بلی نے حسبِ معمول طعنوں کی بوچھار کر دی: "شکر ہے کہ جولیٹ صاحبہ اپنے کسی پرانے رومیو کے ساتھ جا رہی ہیں۔ اب تو آپ ہمارے ہاں آیا کریں گے نا؟"

ہف کا بہت بُرا حال تھا۔ بس یہ پچھتاوا اسے مارے ڈالتا تھا کہ جولی سے ایک دفعہ بھی کچھ کہہ کیوں نہ دیا۔ اُسے ایک مرتبہ ضرور کوشش کرنی چاہیے تھی۔

جس شام کو ٹونی کا کنبہ جا رہا تھا۔ اس روز ہم نے خوب سوگ منایا۔ صبح سے بستروں میں منہ چھپا کر لیٹے رہے ــــ سہ پہر کو موڈی آیا۔ اس نے ہم سب کو بستروں سے نکالا۔ ایک جگہ جمع کر کے خوب جھاڑا۔ "تم لوگوں کے آداب کہاں گئے۔ تم کس قسم کے اسپورٹس مین ہو؟ لعنت ہے تم سب پر۔ تمہیں اس وقت اسٹیشن پر ہونا چاہیے تھا الوداع کہنے کے لیے جس لڑکی نے تمہیں اس قدر مسرتیں دی ہیں جس کی وجہ سے زندگی میں کچھ چہل پہل مچی۔ اس کے جانے پر تمہیں بجائے منہ بسورنے کے اس کا شکریہ ادا کرنا چاہیے۔"

اُس نے سگریٹ کا ٹکڑا زمین پر پھینکا اور پاؤں سے کچل دیا۔ "ایسے چھوٹے موٹے رومانوں کو یوں بھول جایا کرو جیسے سگریٹ کے بیکار ٹکڑے کو پھینک کر بھول جاتے ہو۔ تم مجھے سنگدل اور تلخ کہو گے لیکن میں زندگی بھر کے تجربے کا نچوڑ بتا رہا ہوں ــ اور پھر کون جانتا ہے کہ کل کوئی اور آ جائے ا

آنے والا کل انسان کے لیے سب سے بڑا تحفہ ہے۔ چلو اسٹیشن چلتے ہیں۔"

ہم ایک، دو پھر بھی نہ مانے۔ آخر تنگ آ کر موڈی بولا۔ "ٹاس کر لو۔" ٹاس کیا گیا موڈی جیتا۔ ہم سب اسٹیشن کی طرف جا رہے تھے۔ برفباری کی وجہ سے سائیکلیں بیکار تھیں۔ ہم پیدل چل رہے تھے۔ ہمارے ساتھ موڈی کا وہ اونچا سا کتا بھی منہ میں پائپ دبائے چل رہا تھا۔

ہف اپنے اوپر جھنجھلا رہا تھا۔ "میں اتنا بزدل یونہی بنا رہا۔ اب یہ بوجھ ہمیشہ میرے سینے پر رہے گا۔ میں نے جولی سے کیوں نہ کہہ دیا کم از کم ایک دفعہ ہی کہہ دیتا۔ اگر اب کہہ دوں تو؟ اسٹیشن پر ٹیکسی مل جائے گی، بڑی آسانی سے میں ٹرین کو اگلے اسٹیشن پر جا پکڑوں گا۔ اگلے جنکشن تک جولی کے ساتھ جاؤں گا اور موقع پا کر اُسے سب کچھ بتا دوں گا۔"

موڈی اُسے منع کر رہا تھا۔ جب ہم اسٹیشن کے چوک میں پہنچے تو ہف بولا۔ "میں تو ضرور کہوں گا" بڑی بحث ہوئی آخر طے پایا کہ ٹاس کیا جائے۔ ٹاس ہوا۔ چھن سے سکہ سڑک پر گرا اور موڈی جیت گیا۔ ہف نے بسورنا شروع کر دیا۔ دیکھتے کیا ہیں کہ اسٹیشن سے سنو وائٹ اپنی جیب میں آ رہا ہے اُس نے ہمیں بتایا کہ گاڑی جا چکی ہے۔ اس نے ہمیں اپنے ساتھ چلنے کی دعوت دی۔ صرف موڈی واپس جانے پر رضامند ہوا وہ دونوں چلے گئے۔

ہم کچھ دیر چوک میں کھڑے رہے پھر یکایک شارٹی نے وہ سکہ سڑک سے اٹھا لیا۔ جسے موڈی جلدی میں وہیں بھول گیا تھا۔ شارٹی نے ایک چیخ ماری اور سکہ سب کے سامنے کر دیا۔ سکے کے ایک طرف چہرہ تھا اور دوسری طرف بھی چہرہ تھا۔

ذرا سی دیر میں یوزی اور ہنیری لمبے لمبے قدم اٹھاتے ہوئے موڈی کی خبر لینے میس کی طرف جا رہے تھے ہف ٹیکسی کی تلاش میں دوسری سڑک پر جا رہا تھا۔ بل چوک میں کھڑا سر کھجا رہا تھا۔ اس کے پاس ہی موڈی کا کتا منہ میں پائپ دبائے کچھ سوچ رہا تھا۔ میں اور شارٹی چار پینے اسٹیشن کی طرف جا رہے تھے۔

اسٹیشن پر پہنچ کر دیکھا کہ ٹرین گئی نہیں ابھی تک وہیں ہے۔ آنے والی ٹرین لیٹ تھی۔ اُس کا

انتظار ہو رہا تھا۔ ٹونی کے کنبہ سے ملاقات ہوئی۔ پلیٹ فارم پر رچرڈ ملے۔ وہ اپنے کنبے کو لینے آئے تھے۔ ہمارے دیکھتے دیکھتے دوسری ٹرین آ گئی۔ ٹرین سے ان کی بیوی اتریں۔ پھر دو بچے اور پھر ایک بے حد حسین لڑکی، ہو بہو جولی کی تصویر، بالکل ویسی ہی۔

ٹونی اور رچرڈ باتیں کر رہے تھے۔ میری نگاہیں کبھی جولی کی طرف جاتی تھیں اور کبھی اس نو وارد لڑکی کی طرف جس سے رچرڈ نے ابھی ابھی میرا تعارف کرایا تھا۔ اس کی دزدیدہ نگاہیں مجھ تک پہنچ رہی تھیں۔ میں احمقوں کی طرح اُن دونوں چہروں کو دیکھ رہا تھا — جو بالکل ایک جیسے تھے، دونوں پر وہی شوخی تھی۔ وہی بے پناہ حُسن، وہی دلآویزی، وہی جگمگاتی ہوئی مسکراہٹ۔

اور شاری بڑے غور سے اس "سکّے" کو دیکھ رہا تھا جس کے دونوں طرف چہرے تھے۔

Very good book ~~Novel~~ Sml

قصہ پروفیسر علی بابا کا

جس کو یکہ تازِ میدانِ فصاحت شہسوارِ عرصۂ بلاغت سخنگوئے شیریں کلام محمد خالد بی ایس سی انجینیرنگ حال مقیم انگلستان نے باوجود ہزارہا وعدوں کے ترتیب دینے سے انکار کر دیا چنانچہ ہیچمدان ناچیز کمترین مصنف عفی عنہ کو بقلم خود اسکیلئے ہی بزبان اردو زیورِ نظم و نثر سے مثلِ عروس مرصع کرنا پڑا اور کوزے کو دریا میں بند کرنا پڑا۔

اور از راہِ عالی ہمتی رئیس والاشان جوہر شناس اہلِ کمال حماقت نظامِ زریں رقم منشی کرشن چندر صاحب ایم اے، ایل ایل بی نے اپنے مجموعۂ تصنیف مرجع میں اس کے طبع کا حکم صادر فرمایا تاکہ ہر خاص و عام اس قصۂ نصیحت و فضیحت آموز سے مستفیض ہو سکے۔

جاگے سب سنسار سوئے پروردگار، اے صاحبو! راویانِ روایات و خاکیانِ حکایات شاہد دلربائے سخن اور لعبت شیریں ادائے افسانہائے کہن کو یوں صفت آرائی تزئین سے مزین کرتے ہیں کہ شہر بغداد جہاں ہر زر دوزِ شہر کو شعر و شاعری کا ذوق تھا عشق و محبت کا رفیق تھا۔ جہاں ہر لمحہ عید اور ہر دن شب برات، کہیں فوارے جاری، کہیں ساون بھادوں کی تیاری۔ سبزہ زمرد گوں گلہائے معنبر کے الوان بوقلموں، صحن وسیع، چھتیں رفیع، ہاتھی دانت کے تخت پر مذہب و مطلا گردپوش، مندد

اطلس کا گاؤ تکیہ بڑے دام کا، اس، پر بھاری کار رو بیلے کام کا۔ سنگ مرمر کے حوض لطافت بار، پانی جواہر خیز و گوہر بار، جب شہر بغداد جہاں ــــ لیکن ٹھہریئے یہ قصہ شہر بغداد کا نہیں ہے۔ کہیں اور کا ہے۔

تو صاحبو قصہ یوں چلتا ہے کہ شہر بغداد سے دور کسی جگہ ایک علی بابا رہتا تھا۔ یوں تو آس پاس کئی اور علی بابے بھی رہتے تھے لیکن وہ ان سب میں نمایاں و ممتاز تھا۔

علی بابا خوش وقت، خوش نصیب، خوش طبیعت و خوش خوراک تھا، جلسے نے اس کے والد کو بہت سارے چھپر پھاڑ کر دولت عطا زائی تھی۔ کیونکہ وہ شہر کا سب سے بڑا اور کامیاب فوجی ٹھیکیدار تھا، اسلیے بے فکری اور خوش حالی کا دور دورہ تھا۔

ایسے صحت افزا حالات میں علی بابا کا محبوب ترین مشغلہ وہی تھا جو اس قسم کے انسانوں کا ہوتا ہے یعنی صبح سے شام تک سیاسیات۔ وہ سیاسیات پر عاشق تھا اور اس کا خیال تھا کہ سیاسیات اس پر عاشق ہے اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ وہ کسی خاص فرقے یا گروہ کا مداح تھا ـــ نہیں! وہ ہر پارٹی کا طرف دار بھی اور مخالف بھی۔ صبح جس فرقے کی طرف داری میں لڑتا شام کو اسی کے خلاف جھگڑتا جب وہ سیاسیات پر بحث کرتے کرتے تھک جاتا تو پھر بحث شروع کر دیتا جب بحث کر چکتا تو پھر بحث کرتا۔ اس کی زندگی کے بہترین لمحے اسی قسم کے بحث مباحثوں اور گالی گلوچ میں گزرتے تھے۔ خبریں سنتے سنتے وجد میں آ کر اس نے کئی ریڈیو توڑ ڈالے تھے۔ اپنا بلڈ پریشر بڑھا لیا تھا جس روز وہ اس سلسلے میں کسی کو کچھ سنا نہ لیتا اور کسی سے کچھ سن نہ لیتا اس روز اُسے سکونِ قلب میسر نہ ہوتا اور یہی خیال ستاتا کہ دن یونہی ضائع ہوا ہے۔

ایک رات علی بابا ایک جلسے سے دیر ہوئے لوٹا۔ سونے کا قصد کیا ہی تھا کہ پڑوس سے باتوں کی آواز آئی کھڑکی سے جھانک کر دیکھا تو کچھ جانوروں کو تھان پر باتیں کرتا پایا۔ علی بابا نہ حیران ہوا نہ پریشان، کیونکہ اُس نے بزرگوں سے سن رکھا تھا کہ چند صدیوں پہلے

جانور بڑی مسجع اور مقفیٰ زبان میں کھلم کھلا باتیں کیا کرتے تھے علی بابا نے کان لگا کر باتیں سنیں دنیا کی سیاسی حالت پر گفتگو ہو رہی تھی۔ سب جانور اپنی اپنی بولیاں بول رہے تھے۔

گدھا کہہ رہا تھا ـــ "حضرات انسانوں کی طرح اپنا وقت ضائع مت کیجیئے۔ خدا کے لیے کوئی مفید بات کیجیئے۔ یہ کیا بیہودہ موضوع لے بیٹھے ہیں آپ۔"

اونٹ بولا ـــ "بھائی صاحب! میں آپ سے متفق ہوں۔ آپ ہمیشہ عقلمندی کی بات کیا کرتے ہیں۔"

گدھے نے مسکرا کر کہا ـــ "شتراں چہ عجب گر بنوازند گدھا را ـــ میرے خیال میں دنیا کا سب سے فرسودہ موضوع سیاسیات ہے۔ کچھ ہو رہا ہے، کہیں ہو رہا ہے، کوئی کر رہا ہے۔ نہ آپ اس سلسلے میں کچھ کر سکتے ہیں نہ میں۔ پھر مفت میں تلملانے کی کیا ضرورت ہے۔"

بکرا بولا ـــ "موسم کو نہ آپ بدل سکتے ہیں نہ میں، پھر ہم موسم کے متعلق اتنی باتیں کیوں کیا کرتے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ آپ سیاست سے بے بہرہ ہوں۔"

گدھے نے جھلا کر کہا۔ "حضرت آپ کے اس فقرے نے میری پوزیشن کس قدر آکورڈ کر دی ہے دیکھیئے۔"

علی بابا اپنے تیئں سیاست کی بے حرمتی نہ دیکھ سکا اور تھر تھر کانپنے لگا۔ پہلے قصد کیا کہ چشم زدن میں اس مردود گدھے کا سر تن سے جدا کر دے پھر سوچا کہ آخر کو گدھا ہے، اگر موقع پا کر اس نابکار کو زدو کوب کر دینا ہی کافی ہوگا۔

اتنے میں لنگور رگویا ہوا ـــ "آج میں نے اُس دوشیزۂ حاد جمال، پری تمثال سرو بلند اقبال، شتری خصال ـــ"

"کیا کہا، شتری خصال ـــ" گدھے نے بات کاٹی۔ "آپ کسی لڑکی کا ذکر تو نہیں کر رہے

جو پڑوس میں رہتی ہے ۔ ؟"

"ہاں ۔۔۔ چاند اُس کے آگے ماند تھا، آفتاب عالمتاب بلا خیرگی نگاہِ تاب نظارہ حسن گلو سوز نہ لا سکتا تھا۔ وہ سیمیں بدن، غنچہ دہن، زنِ یوسف لقا گلگوں قبا، جادو نگاہ، نین علاو یکتائے روزگار، پری پیکر، رشکِ قمر، گلعذار و طرحدار لڑکیوں کے ساتھ ٹینس کھیل رہی تھی۔"

"سیدھی طرح کیوں نہیں کہتے کہ لیڈیز ڈبلز ہو رہے تھے۔" گدھا بولا۔

"آہ ۔۔۔ حسینوں سے فقط صاحب سلامت دور کی اچھی ۔ نہ ان کی دوستی اچھی نہ ان کی دشمنی اچھی۔" ۔۔۔ لنگور آہ سرد کھینچ کر بولا۔

"کیا بیہودگی ہے ۔ ؟" گدھا جھلّا اٹھا۔

"گدھے صاحب، بعض اوقات تو میرا آپ کو فی النار و السقر کر دینے کا پختہ ارادہ ہو جاتا ہے ۔" لنگور بھی جھلا اٹھا۔

"یعنی ۔ ؟"

"یعنی جی چاہتا ہے کہ آپ کو انا للہ و انا علیہ راجعون کر دوں۔"

"بھائی جان اس قسم کی گفتگو سے پرہیز کیجیے۔" اونٹ بولا۔

"یہ جو اپنے پڑوس میں ایک جوان شمشاد قد رہتا ہے کیا اس نے نازنین کو نہیں دیکھا۔"

"غالباً تمھارا مطلب علی بابا سے ہے ۔ وہ لڑکی اس کے ہاتھ آنے سے رہی۔"

"تو کیا اُس کے لیے کوئی آسمان سے اترے گا ؟"

"اور کھجور میں اٹکے گا ؟" لنگور نے لقمہ دیا۔

"لڑکیوں کے معاملے میں ہر ایک کو ذرا سوشلسٹ ہونا چاہیے۔" بیل بولا۔ "میرے خیال میں علی بابا اتنا پیارا نہیں ہر، اُسے چاہیے کہ اس لڑکی کو اپنی کزن مشہور کر دے ۔ آجکل یہ حربہ عام ہے کسی لڑکی کو کہیں لیے پھرو، کوئی پوچھے تو کہہ دو کہ میری کزن ہے ، کوئی کچھ نہیں کہے گا۔"

"کیا خوب سودا نقد ہے اِس ہاتھ دے اس ہاتھ دے"۔ لنگور بولا۔ لنگور اکثر بے تکی باتیں کرتا تھا۔

ایک دم علی بابا کے دل میں خیال گزرا کہ دنیا ناپائیدار گذاشتنی و گذشتنی ہے۔ زندگی کا بھروسہ نہیں دمِ مستعار پر کسی کا اجارہ نہیں۔ ابھی سانس چلتی ہے اور ابھی باتیں کرتے کرتے جان نکلتی ہے۔ حیف ہے کہ ایسی پستہ دہن زلیخا جمال پڑوس میں رہتی ہو اور زندگی بغیر عشق و عاشقی کے۔ یہ سنہری موقع ہے۔ چنانچہ اُس نے اللہ کا نام لیا اور عاشق ہونے کا مصمم ارادہ کر لیا۔

اگلی صبح جانا علی بابا کا اور دیکھنا نازنین کو کھیلتے ٹینس اور ہونا عاشق ہزار جان سے دیکھنا حسینۂ نازنین کا کہ ایک نوجوان خوبصورت لباس عمدہ پہنے مصروف تاک جھانک ہے۔ ہونا چار آنکھوں کا۔ ہونا انکشاف علی بابا پر کہ نام اُس مہ جبینِ طنّاز کا مس پرجا ناما ہے۔

ابھی علی بابا کو عاشق ہوئے چند لمحے ہی گذرے ہوں گے کہ اُس کا بھائی قاسم آدھمکا۔ قاسم ان ہشیار آدمیوں میں سے تھا جو شارٹ کٹ کرنے سے نہیں چوکتے۔ اس کے چہرے سے یوں معلوم ہوتا تھا جیسے وہ بے حد حساس اور جذباتی انسان ہے لیکن قصور اس کے احساسات یا جذبات کا نہیں تھا۔ قصور اُس کے جگر کا تھا جو ہمیشہ خراب رہتا تھا۔ تاہم علی بابا کو ہمیشہ رشک و شبہ کی نگاہ سے دیکھتا اور رشک و حسد کرتا۔

علی بابا نے پوچھا۔ "اے جانِ برادر یہ چہرے پر اُداسی و پشیمانی کے آثار کیوں ہیں؟"

"پچھتا رہا ہوں۔"

"کس بات پر؟"

"ابھی کوئی ایسی بات نہیں ہوئی۔ البتہ مجھے ان دنوں فرصت ہے۔ سوچا کہ پیشگی پچھتا لوں۔"

"یا اخی، تھوڑی دیر گذری میں ایک مصیبت کے جنگل میں گرفتار ہو گیا تھا۔"

"ہاں میں نے بھی دیکھا تھا۔ تم اسے دیکھ رہے تھے اور وہ کہیں اور دیکھ رہی تھی۔ اے برادر عزیز ایک بات پوچھوں۔"

"اے برادر عبدالعزیز۔ ضرور پوچھیے۔"

"یہ عشق اکیلے ہی اکیلے ہمیں اطلاع تک نہ دی۔"

"اس غلام کو معاف فرمایئے، اس بات کو از راہ نوازش بزرگانہ بہت نہ بڑھایئے خموشی اور پردہ پوشی ہی مقتضائے وقت اور قرین مصلحت ہے اور یہی خود مرد من کی ہدایت ہے۔"

"کیا مطلب؟"

"یعنی صبر کیجیے۔"

"کاش کہ میں منشی فاضل ہوتا، تاکہ اسی قسم کی عبارت میں جواب دیتا۔ اے برادر میرا جی چاہتا ہے کہ تجھ سے اسی طرح پیش آؤں جیسے مولانا شیخ چلی ایک پہاڑی ریچھ کے ساتھ پیش آئے تھے۔"

"اور میرا ارادہ ہے کہ تجھ سے بعینہٖ وہ سلوک کروں جو نانا فرنویس نے ایک جنگلی کبوتر سے کیا تھا"

"میں مولانا شیخ چلی والا قصہ ضرور سنتا لیکن اس وقت مجھے بالکل فرصت نہیں۔"

"مجھے نانا فرنویس والا قصہ سننے سے معذور سمجھو لیکن یہ بتاؤ کہ تم اکیلے اکیلے کیوں عاشق ہوئے ہو۔ مجھے جب کبھی اس قسم کا واقعہ پیش آیا میں نے ہمیشہ تم سے مشورہ لیا۔ پھر واقعے کو پیش آنے دیا گیا ہم دونوں ایک جیسے نہیں ہیں؟ تمھاری شکل بھی تو مجھ سے ملتی ہے۔"

"برادر شفیق — میری شکل تم سے اتنی نہیں ملتی جتنی تمھاری شکل مجھ سے ملتی ہے۔ یہاں تک کہ میں صبح صبح آئینے کی جگہ تمھاری تصویر رکھ کر شیو کرتا ہوں۔"

"برادر من — صد حیف کہ تم نے ہمیشہ احسان فراموشی سے کام لیا۔"

"جب خوب ــــ احسان فراموش میں ہوں یا کوئی اور ــــ چار مہینے کا ذکر ہے ریس اور برج میں ہار کر تم نے ابا جان کے حساب سے رقم نکلوائی میں جانتا تھا پھر بھی خاموش رہا۔ تین مہینے ہوئے تم شراب پی کر اتنے بدمست ہوئے کہ ایک عبادت گاہ میں جا کر عبادت کرنے لگے وہاں سے تمھیں کون اٹھا کر لایا؟ دو مہینے ہوئے جب تم نے خودکشی کا قصد کر کے ٹاؤن ہال کا رخ کیا تب میں ہی تھا جو تمھیں سمجھا بجھا کر واپس لایا۔ پچھلے مہینے تمھیں کبوتر کتے اور کالا سوٹ خریدنے کے لیے روپے کی ضرورت تھی وہ ــــ"

"ہاں ہاں وہ سب درست ہے، لیکن اس ماہ تم نے میرے لیے کیا کیا ہے۔؟"

"اچھا، اگر میں یہ کہوں کہ یہ عاشق ہونے کی اطلاع تمھیں غلط پہونچی ہے تو پھر ــــ؟"

"تو پھر میں ہرگز یقین نہیں کروں گا۔ مجھے معتبر نامہ نگار کی معرفت یہ خبر ملی ہے۔"

"تمھارے معتبر ذرائع بالکل غلط ہیں۔"

"سچ سچ؟"

"ہاں سچ سچ!"

لیکن تیر نشانے پر بیٹھ چکا تھا، علی بابا گھائل ہو چکا تھا۔ آہستہ آہستہ بٹیر بازی، شعر شاعری، سیاسیات، پتنگ بازی ــــ غرضیکہ سارے مفید مشاغل ترک ہوئے۔ دن کو اختر شماری ہوتی اور رات کو آہ وزاری۔ پہلے پہل تو اختر شماری میں دقت محسوس ہوئی پھر ایک دوست سے جو کالج میں ستاروں کا علم پڑھاتا تھا ایک آلہ لے آیا جس کی مدد سے ایک دو گھنٹے میں سارے ستارے گن لیتا۔ ایک روز اُسے یونہی خیال آیا کہ تارے اتنے کے اتنے ہیں ہر مرتبہ میزان کرنے پر جواب وہی آتا ہے۔ تب سے اس نے اختر شماری چھوڑ دی اور گولف کھیلنا شروع کر دیا۔

ایک رات اُس نے جانوروں کو مصروف گفتگو پایا۔ گدھا کہہ رہا تھا "یہ پڑوس میں جو علی بابا رہتا ہے اسقدر آہ و بکا کرتا ہے کہ دن کو جاگنا مشکل ہو جاتا ہے۔"

اونٹ بولا۔ "بھائی صاحب۔ یار را یاری بود از یار اندیشہ مکن۔ میرا تو بہت جی چاہتا ہے کہ کسی طرح اس جوان بزدل دنیم قد کے کام آؤں۔"

بیل کہنے لگا۔ "حضرات میں تو یہی کہوں گا کہ ایسے معاملوں میں ذرا سوشلسٹ بن جانا چاہیئے میں نے سنا ہے کہ اُس مہ لقا کے والد بڑے وسیع خیالات کے انسان ہیں۔ اگر یہ حاجی بابا ــ"

"علی بابا" اونٹ نے لقمہ دیا۔

"معاف فرمائیے۔ اگر یہ علی بابا براہ راست اُن سے ملے تو یقیناً اس کی مراد بر آئے گی۔"

علی بابا نے جو یہ مژدۂ طرب انگیز سنا تو کمال شاداں و فرحاں ہوا۔

اگلے روز جب سپیدۂ طلعت نشانِ سحر نمودار ہوا اور قلندرِ فلک کاسۂ خورشید لے کر گدائی کو نکلا ــ یعنی جب صبح ہوئی تو وہ سیدھا مرجانا کے ابا سے ملا اور عقد کا قصد ظاہر کیا۔ (مرجانا سے)

وہ بولے۔ "اے نوجوان تجھے چار ابرو کا صفایا کرانا منظور ہے یا منہ پر سیاہی لگوا کر گدھے پر سواری مرغوب ہے جو ایسی جسارت کا مرتکب ہوتا ہے۔"

علی بابا نے کمر ہمت خوب کس کے باندھ رکھی تھی۔ اُسے بیٹی سوجھ رہی تھی بولا "گستاخی معاف! مرجانا لڑکی ہے اُسے آپ فریجیڈیئر میں بند کرکے رکھنے سے رہے ابھی نہ کیں تو اسکی شادی ہوگی ہی۔ دن گذرتے جارہے ہیں اور مرجانا کی عمر گھٹتی نہیں جارہی۔"

بزرگ مارے غصے کے کانپنے لگے۔ پہلے تو ویسے ہی کانپتے رہے پھر باقاعدہ تھر تھر کانپنا شروع کر دیا بولے ــ "اے مرد گستاخ پہلے یہ بتا کہ تو میرے پاس براہ راست کیوں آیا ہے۔ یہ کارروائی تو نے باقاعدہ اور باضابطہ کیوں نہیں کی جیسا کہ اس ملک میں رواج ہے پہلے اپنے والدین کو کہا ہوتا۔ وہ مجھ سے درخواست کرتے میں پہلے تو عارضی طور پر انکار کر دیتا پھر درخواست پر غور کرتا۔ اگر انکار مقصود ہوتا تو کہہ دیتا کہ لڑکی کی عمر ابھی چھوٹی ہے۔ چند سال اور انتظار کرنے کا ارادہ ہے۔ اور اگر اقرار منظور ہوتا تو کافی عرصے تک تم لوگوں کو

جھوٹے سچے وعدوں پر لگائے رکھتا، اچھی طرح خراب کر کے بحال کرتا۔"

"جناب بیاہ شادی کے معاملے میں صرف خواہش ظاہر کی جاتی ہے، اگر کوئی چھپے ہوئے فارم ہوتے ہیں تو دے دیجیے۔ بھر کے دستخط کر دوں گا۔ بلکہ ٹکٹ لگا کر انگوٹھا بھی لگا دوں گا۔"

اس مرتبہ جو بزرگ نے کانپنا شروع کیا ہے تو پہلے تھر تھر کانپتے رہے پھر وفنڈ کانپنے لگے۔ علی بابا اتنی دیر سگریٹ پیتا رہا۔ آخر بزرگ بولے۔ "اچھا یہ بتا کہ تو شادی کیوں کرنا چاہتا ہے۔ عشق و شق کا ذکر ہرگز زبان پر مت لائیو۔"

"اس لیے کہ بچوں کے بغیر زندگی نامکمل ہے، بچے بڑھاپے کا سہارا ہوتے ہیں۔"

"اور بچے بڑھاپا جلد از جلد لانے میں پوری مدد دیتے ہیں۔" بزرگ نے لقمہ دیا لیکن علی بابا نے کوئی لقمہ نہ دیا۔

"آپ مرجانا سے بھی تو پوچھیے۔"

"لڑکی سے پوچھنے کا میں قائل نہیں۔ یہ محبت وغیرہ کی تھیوری بہت پرانی ہو چکی ہے ان دنوں ملک میں لڑکیوں کی تربیت اس طرح کی جاتی ہے کہ وہ صرف اسی سے محبت کرتی ہیں جس سے شادی ہونے کا امکان ہو۔ اور مرجانا تو بڑے ناز و نعم میں پلی ہے۔"

"جہاں تک میں جانتا ہوں سب والدین حسب توفیق لڑکیوں کو ناز و نعم میں پالتے ہیں نہ صرف پالتے ہیں بلکہ پوستے بھی ہیں۔"

"تمھاری آمدنی کیا ہے؟"

"جی میرے ابا شہر کے سب سے مالدار آرمی کنٹریکٹر ہیں۔"

"یعنی تو جی ٹھیکدار ہیں۔"

"جی ہاں۔"

"مگر تم کیا کماتے ہو؟"

"بھلا میں ابھی کیا کما سکتا ہوں۔ ابھی تو میں جوان ہوں۔ سب نوجوان شروع میں ایسے ہی ہوتے ہیں عمر کے ساتھ دولت بھی بڑھتی جاتی ہے۔"

"لیکن صاحبزادے بہت سے نوجوان ایسے بھی ہوتے ہیں جو شروع میں جیسے ہوتے ہیں ہمیشہ اسی طرح رہتے ہیں۔"

"قبلہ آپ بھولتے ہیں۔ ہمارے ہاں اس قدر دولت ہے کہ ہم کام کرنا عار سمجھتے ہیں۔ یہ دیکھیے میرے والد صاحب کے پاس اتنی جائداد ہے۔" اس نے جیب سے فہرست نکال کر ایک ایک چیز گنوا دی۔

"تم نے اپنے والد کا کیا نام بتایا تھا؟" علی بابا نے دوبارہ نام بتایا۔ بزرگ اندر تشریف لے گئے اور ایک بزرگ خوش صفات تجربہ اوقات کو لے آئے۔

"تم سچ بول رہے ہو نا؟"

"جناب میں خدا کو واحد حاضر ناظر جان کر کہتا ہوں کہ بالکل سچ بول رہا ہوں۔"

"ذرا پھر سے پڑھنا وہ فہرست۔"

علی بابا پڑھتا جاتا تھا وہ نوٹ کرتے جاتے تھے دونوں نے آپس میں کھسر پھسر کی۔ اس کے بعد پھر کھسر پھسر کی اور بولے "خبر دار یعنی برخوردار۔ تمہارے ابا بہت تھوڑا انکم ٹیکس ادا کرتے ہیں۔ انہوں نے اپنی نصف آمدنی بھی نہیں لکھوائی۔ اب ان سے پورا ٹیکس وصول کیا جائے گا۔ باقی رہے تم۔ سو پہلے اپنے آپ کو کسی قابل بنا لو پھر درخواست کرنا۔" بعد میں معلوم ہوا کہ وہ بزرگ، انکم ٹیکس کے محکمے میں تھے۔

اگلے روز جب ظلمتِ شب رخصت ہو رہی تھی اور آفتاب شعاؤں کا تاج پہنے تختِ فلک پر جلوہ افروز ہونے ہی والا تھا کہ قاسم نے علی بابا کو آپکڑا۔ بولا تم اس زہرہ جبیں کے ابا سے ملنے گئے تھے۔ علی بابا نے انکار کیا قاسم نے اصرار کیا۔ بحث نے طول پکڑا۔ آخر علی بابا کو پھر جھوٹی قسمیں کھانی پڑیں تب کہیں قاسم رخصت ہوا۔ علی بابا کو یقین ہو گیا کہ ضرور کوئی مخبر بے ایمان ہے جو دس دس کی ایک ایک لگاتا ہے۔ بڑی دیر تک سوچنے

کے بعد وہ اس نتیجے پر پہنچا کہ گھر میں قلندر حبشی ہی ایسا مرد نامعقول ہے جس سے یہ توقع ہو سکتی ہے سوچا کہ اگر والد بزرگوار کو خوش کر لوں تو نہ صرف شفقت پدرانہ سے مستفیض ہوں بلکہ منہ مانگا انعام پاؤں۔ بعد ازیں اس بے ایمان قلندر حبشی کی ساری مستی و قلندری کافور کر دوں۔

والد کو خوش کرنے کا خیال پہلی مرتبہ اس کے دل میں آیا تھا۔ اس نے اللہ کا نام لیا اور والد کے لیے حقے بھرنے شروع کر دیے ہر آدھ گھنٹے کے بعد وہ چلم بھرتا حقہ تازہ کرتا اور سامنے جا رکھتا بعض اوقات تو وہ زبردستی حقہ پلاتا۔ چند ہی دنوں میں اس نے حقہ پلا پلا کر اپنے والد کو اس قدر تنگ کر دیا کہ وہ اس سے خوش ہو گئے اور بولے۔ "بول بچہ کیا مانگتا ہے؟" اس نے مدعا ظاہر کیا اور قلندر حبشی اسے مل گیا۔

قلندر حبشی بڑا اس کی طرف کا رہنے والا تھا اور بالکل ویسا ہی تھا جیسا کہ ایک حبشی کو ہونا چاہیے تھا اگر اس کے کپڑوں کو سیاہی لگ جاتی تو لوگ یہ سمجھتے کہ پسینہ لگ گیا ہو گا۔ بازار سے گزرتے وقت وہ اکثر چلاتا۔ "ہٹ جاؤ ورنہ کپڑے سیاہ ہو جائیں گے۔ اور لوگ دور دور ہٹ جاتے وہ مطبخ میں کام کیا کرتا کبھی کبھی اس سے باز پرس کی جاتی کہ دوپہر کو بھی وہی سالن ہوتا ہے اور شام کو بھی وہی۔ وہ کہتا۔ حضور ایک جیسا تو نہیں ہوتا ایک دفعہ گوبھی گوشت ہوتا ہے اور دوسری دفعہ گوشت گوبھی۔

ایک دن نہایت ہی بوسیدہ و فرسودہ مچھلیاں لایا جن کی خوشبو سے مجبور ہو کر کسی نے پوچھا کہ کیا یہ مچھلیاں تازہ ہیں؟ بس یہ وہ مرد سیاہ بولا "تازہ ہیں؟ (مچھلیوں سے) کمبختو بولو مت چپ چاپ پڑی رہو۔"

اس نے علی بابا کو بتایا کہ اس کے دو بھائی ہیں ایک ادیب ہے اور دوسرا بھی یونہی بیکار ہے علی بابا کو اس قسم کے انسانوں سے سخت نفرت تھی۔ ایک رات قوالی ہوئی دو بج گئے سب جمائیاں لے رہے تھے اور قوال تھا کہ خاموش ہونے میں نہ آتا تھا۔ قلندر حبشی نے یکایک ایک نعرہ لگایا اور جھٹکنے لگا۔ سب سمجھے کہ وجد میں آ گیا ہے۔ دیکھتے دیکھتے اس نے یا حق، کا نعرہ لگا کر ایسا دو تیرہ یا قوال

کے سینے پر کہ وہ قلابازی کھا گیا۔

ایک روز بغیر تخلیہ کئے علی بابا سے یوں گویا ہوا۔ "اے میرے آقا میں ایک شخص پر دعوہ کرنا چاہتا ہوں۔ اس نے میری ہتک کی ہے اور مجھے گینڈا کہا ہے۔"

"کب کا ذکر ہے؟"

"پانچ سال کا ذکر ہے"

"تو اب تمھیں کیونکر خیال آگیا۔"

"آج میں نے چڑیا گھر میں گینڈے کو دیکھا ہے۔"

علی بابا نے بخت نارسا کو کوسنے لگا کہ بیٹھے بٹھائے یہ کیا مصیبت مول لے لی۔

رات کو جانوروں نے باتیں شروع کیں علی بابا انتظار میں تھا تو (!) کھڑکی سے سر نکال کر ٹہلنے لگا۔ گدھا کہہ رہا تھا۔ "اونٹ صاحب ہم تو اسی انتظار میں ہیں دیکھئے آپ کس کروٹ بیٹھتے ہیں۔"

لنگور بولا۔ "ایک مرتبہ ایک خدا رسیدہ بزرگ مجھ سے خوش ہو کر مجھے دعا کے زور سے انسان بنانے لگے تھے۔ میں نے ہاتھ جوڑ دیئے اور معذرت چاہی کہ ان دنوں انسان ہونے سے تو میں لنگور ہی بہتر ہوں۔ آپ پہلے آدمیوں کو تو انسان بنائیے۔"

بیل لمبا سانس کھینچ کر بولا۔ "آج میں تھک گیا ہوں۔ یہ کمبخت اسٹیشن شہر سے اتنی دور کیوں ہے؟"

"اس لیے کہ ریل والے چاہتے تھے کہ اسٹیشن ریلوے لائن کے قریب ہی رہے۔"

"بھائی صاحب کوئی آپ بیتی سنائیے۔" اونٹ نے کہا۔

"پچھلے ہفتے میرا مالک مجھ پر سوار ہو کر شکار کھیلنے گیا۔ گھوڑا بولا۔ "اس کے ساتھ اس کا دوست تھا جو ایک اور گھوڑے پر سوار تھا۔"

"تو کیا وہ کبھی تم پر ہی سوار ہوتا ــــــ؟" لنگور نے بات کاٹی۔ لیکن گھوڑے نے بات نہیں کٹنے دی۔"

"ایک جگہ دیکھا کہ پولیس کانسٹیبل ہماری طرف آرہا ہے شکار کا لائسنس دیکھنے میرے مالک نے

اڑنگائی۔ میں سرپٹ بھاگا۔ کانسٹبل ایک اور گھوڑے پر سوار تھا۔"

"تو کیا وہ بھی تم پر ہی سوار ہوتا؟"

"اس نے تعاقب کیا۔ مشکلوں سے بڑی دیر کے بعد اُس نے میرے مالک کو آلیا اور لائسنس مانگا۔ میرے مالک نے لائسنس دکھایا۔ وہ بے حد متعجب ہوا اور بولا۔ اے مرد دلیر اگر لائسنس جیب میں تھا تو پھر بھاگنے کی کیا ضرورت تھی تس پہ میرے مالک نے جواب دیا "میرے پاس تو ہے لیکن میرے دوست کے پاس نہیں تھا۔"

ابھی گھوڑے نے بات پوری نہیں کی تھی کہ گدھا بولا۔ "یہ قصہ میں نے پہلے کئی مرتبہ سنا ہے لیجیے میں آپ کو اپنا خواب سناتا ہوں۔ رات میں نے خواب دیکھا کہ میں خواب دیکھ رہا ہوں۔ ایک نہایت ملائم بستر بچھا ہوا ہے میں نے شب خوابی کا لباس پہنا۔ دانتوں کو برش کیا۔ ریڈیو بند کیا۔ اور روشنی بجھا دی۔ آنکھ لگتے ہی مجھے خواب دکھائی دیا کہ پڑوس میں دہی علی بابا اپنے محبوب کی فرقت میں آہ و بکا کر رہا ہے۔"

"میں ایک بھینس کو جانتا ہوں جس کا نام فرقت ہے" لنگور نے پھر بے تکی بات کی۔

"ہائے ہائے!" اونٹ نے آہ سرد بھر کے کہا۔ "ہاسایہ ترا نمنے لپے رم عشق است ہزار بدگمانی کاش کہ میں اس عاشق دلفگار و مرد بیکار کی کچھ مدد کر سکتا۔ اگر وہ کہیں سن رہا ہو اور مجھے یقین ہے کہ وہ ضرور سن رہا ہے تو اسے چاہیے کہ فوراً ایک اعلیٰ درجہ کی سیاسی تقریر لکھوا لے ایسی تقریر جو کسی پارٹی کی طرف سے دی جا سکے۔ ویسے اکثر سیاسی تقریریں ایسی ہی ہوتی ہیں کہ محض چند الفاظ کے ہیر پھیر سے کہیں بھی دی جا سکتی ہیں۔ اس کے بعد اللہ مالک ہے"

یہ سن کر علی بابا کا دل باغ باغ ہو گیا۔ اسی خوشی میں اس نے حمام کیا۔ عاشق ہونے کے بعد اس نے پہلی مرتبہ حمام کیا تھا۔ فواکہات لذیذ نوش کیے ایک چھوٹا سا پیگ چڑھایا اور قلندر حبشی کو ساتھ لے کر تبا کو نوشی کرتا ہوا سکینڈ شو دیکھنے چلا گیا۔ سینما ہال میں بچے خوب ڈر رہے تھے۔ حبشی بولا: "حضور یہ اچھی پکچر کی پہلی نشانی ہے۔ پکچر جتنی اچھی ہو گی اتنے ہی

زیادہ بیچے رد میں گئے۔"

سامنے کی قطار میں ایک صاحب بڑا سا ہیٹ پہنے بیٹھے تھے حبشی نے کئی مرتبہ اُن سے التجا کی لیکن انہوں نے ہیٹ نہ اتارا۔ آخر پوچھا کہ یہ ہیٹ کہاں سے لیا تھا اور کتنے کا لیا تھا۔ ذرا سی دیر میں قیمت طے کر کے حبشی نے ہیٹ خرید لیا۔ اور لیکچر کا حظ اٹھایا۔

علی بابا بہت مسرور تھا، واپسی پر وہ اپنے ایک دوست کو ساتھ لے آیا جو ایک روزنامہ اخبار کا ایڈیٹر تھا۔ سوچا کہ کچھ پینے پلانے کا شغل بھی ہوگا اور تقریر بھی مرتب ہو جائے گی۔ اس قسم کی سیاسی تقریر ایک روزانہ اخبار کے ایڈیٹر کے سوا اور کون تخلیق کر سکتا ہے۔

جب قلندر حبشی شراب کی بوتلیں ٹھنڈی کرنے جا رہا تھا تو ایڈیٹر گویا ہوا۔ "تمھارا ملازم پہلے کی نسبت سمجھ دار ہو گیا ہے۔"

"ایں ـــ؟" حبشی نے پیچھے مڑ کے کہا۔ اور بوتلیں ہاتھ سے چھوڑ دیں علی بابا نے اپنا اور ایڈیٹر کا سر پیٹ لیا مجبوراً انھیں ٹھیکہ شراب دیسی جانا پڑا۔ جہاں جلی الفاظ میں لکھا تھا "یہاں شرفا بیٹھ کے پی سکتے ہیں۔"

ہونا رات کا اور آنا نقاب پوشوں کا۔ باندھنا پٹی آنکھوں پر علی بابا کی۔ بتانا کہ لے جا رہے ہیں وہ اُسے بیچ ایک جلسے کے، جہاں ہونگی تقریریں۔

علی بابا ساتھ ہو لیا۔ سڑک پر پہنچ کر ایک نقاب پوش بولا۔ "کھل ٹم ٹم" دھڑام سے دروازہ کھلنے کی آواز آئی۔ وہ سب ایک موٹر میں بیٹھ گئے۔

"چل ٹم ٹم ـــ" کوئی بولا۔ موٹر چل دی مگر اس طرح کہ جیسے زلزلہ آ گیا۔ کبھی علی بابا کے پاؤں موٹر کی چھت سے ٹکراتے تو کبھی سر فرش سے لگتا۔ نقاب پوش راستے بھر کار کے متعلق باتیں کرتے رہے کہ یہ پچیس میل فی گیلن کرتی ہے اس میں صرف ایک چیز تبدیل کرانی ہے ـــ مڈگارڈ، بریزوں کے ڈبے میں:۔ ایک سکریو ڈرائیور ہونا چاہیے بس یہ ایک نقاب پوش جو کار کا مالک معلوم ہوتا تھا بولا میں نے پہلے ہی

ایک ڈرائیور کھا ہوا ہے اور ایک کلنیر، یہ تیسرا اسکریو ڈرائیور میں ہرگز نہیں رکھ سکتا۔

علی بابا اپنے تیئس موٹر کو کوس رہا تھا۔ اس کے خیال میں موٹر بچپن گیلن فی میل کرتی تھی اور اس میں دو چیزوں کو تبدیل کرنے کی سخت ضرورت تھی۔ ایک انجن اور دوسری باڈی۔

ایک جگہ آواز آئی۔ رک، ٹم ٹم، موٹر رک گئی اور علی بابا کی پٹی کھول دی گئی۔ سامنے عظیم الشان جلسہ ہو رہا تھا۔ علی بابا کو بھی موقعہ دیا گیا۔ اس نے جیب سے کاغذ نکالا اور وہ دھواں دھار تقریر کی کہ مجمع عش عش کر اٹھا۔ اور دیر تک عش عش کرتا رہا، حالانکہ نہ اسے موضوع کا علم تھا نہ یہ پتہ تھا کہ وہ کس پارٹی کی طرف سے بول رہا ہے۔ اس کی تقریر میں زندہ باد، مردہ باد، اور مراد آباد بار بار آتے تھے وہ بار بار کہتا تھا کہ فلاں چیز خطرے سے باہر ہے۔ تقریر کے اختتام پر لوگوں نے صرف تالیاں ہی نہیں بجائیں بلکہ ونس مور بھی کہا۔ صدر صاحب جو اچھے خاصے تر رسیدہ بزرگ تھے بولے۔ "ہم تجھ سے بہت خوش ہوئے۔ جب تیرا جی چاہے اپنے پڑوس میں کے گراج میں چلا جائیو۔ وہاں تجھے یہی موٹر کھڑی ملے گی، وہی الفاظ دہرائیو جو تو نے آتے وقت سنے ہیں۔ کار تجھے سیدھی یہاں لے آئے گی۔ اگر یہاں جلسہ ہو رہا ہو تو تقریر کیجیو ورنہ خالی پنڈال میں ریہرسل کر لیجیو۔ اچھا بول تو کیا مانگتا ہے۔"

علی بابا شرما کر بولا۔ "میرے والد ٹھیکدار ہیں اس لیے خدا کا دیا سب کچھ ہے۔"

"اچھا ہم تیری تین خواہشیں پوری کریں گے۔ اپنی پہلی خواہش بتا۔"

"جی پہلی خواہش یہ ہے کہ مجھے محبت میں کامیابی نصیب ہو۔ اور میں کامرانی کے قدم چوموں۔"

"منظور ہے۔ اور بقیہ دو خواہشیں۔"

"وہ سوچ کر بتاؤں گا۔"

سب آپس میں بغلگیر ہو کر رخصت ہوئے۔ بعض تو غلطی سے آپس میں دو دو مرتبہ بغلگیر ہو گئے تھے۔ ایسے میں نقاب پوش پھر علی بابا کی آنکھوں پر پٹی باندھنے لگے تھے۔ کہ وہ جھجک کر بولا

"اب پٹی کی کیا ضرورت ہے اب۔ تو میں یہاں اکثر آیا کروں گا۔ بلکہ آپ بھی اپنے نقاب اتار دیں۔"

آنا اگلے روز نقاب پوشوں کا بغیر نقاب کے اور لکھوانا عرضی علی بابا سے واسطے پروفیسری کے اور کروانا دستخط۔ آنا احکامات کا بعد چند دنوں کے اور مقرر کیا جانا علی بابا کا پروفیسر زیچ کالج لڑکیوں کے شکر بجالانا علی بابا کا۔

ذرا کا مگر نا کیا ہوا کہ جو کلاس علی بابا کو ملی اس میں چالیس لڑکیاں تھیں اور سب شرارتی اور شوخ و شنگ۔ وہ پہلی مرتبہ شرماتا جھجکتا کلاس روم میں داخل ہوا، تو اس کی نظر مرجانا پر پڑی۔ وہ گلبن رعنائی معشوقہ سیمیں بر نونہالانِ چمن کو نہال اور جلوؤں سے دلوں کو پائمال کر رہی تھی۔ یہ نظارہ دیکھ کر اس پر ایسی کیفیت طاری ہوئی کہ آنکھوں میں اندھیرا چھانے لگا، چکر آنے لگا، افتاں و خیزاں، حیران و پریشان رہ کر ہوش میں آیا تو از بس خراب و خستہ بادل افسردہ اپنے پیش آیا۔

لڑکیاں تیار بیٹھی تھیں۔ علی بابا نے آیۃ الکرسی پڑھی اور اللہ کو یاد کرنے لگا۔

ایک لڑکی نے سوال کیا۔ "پروفیسر صاحب بلاؤ اور اُودبلاؤ میں کیا فرق ہے۔"

"وہی جو تلے اور بالگڑ تلے میں ہے۔" علی بابا نے جواب دیا۔

"پروفیسر صاحب عورتیں سال بھر کیا کرتی رہتی ہیں؟" ایک طرف سے آواز آئی۔

"نیگ کرتی رہتی ہیں۔"

"اور کی لڑکا ناپ لیتے وقت درزی کیا کرتا ہے۔"

"گردن ناپتا ہے۔"

"جناب ٹرین پکڑنے کا بہترین طریقہ کون سا ہے۔"

"یہی کہ اس سے پہلے کی ٹرین مس کر دی جائے۔"

لیکچر کے بعد علی بابا نے مرجانا سے سوال پوچھا۔ وہ سب سے آخر میں بیٹھی تھی بولی۔ "میں اتنی دور بیٹھی ہوں کہ جو کچھ ہوتا رہا ہے میرے لیے کسی افواہ سے کم نہ تھا۔"

"تو یہاں آ جاؤ۔ آئندہ سے میرے سامنے بیٹھا کرو جلدی کرو میرے پاس صرف بیس منٹ ہیں۔" مرجانا سامنے آ بیٹھی۔ علی بابا بولا۔ "میرے پاس صرف تیس منٹ ہیں۔"

مرجانا اس کی طرف دیکھنے لگی۔ وہ گھڑی دیکھ کر بولا۔ "میرے پاس صرف پون گھنٹہ ہے۔"

اگلے روز قاسم طیش میں بھرا ہوا آیا اور خوب آگ بگولہ ہوا کہ یہ پرنسپل بھی اکیلے ہی اکیلے خاص طور پر مرجانا کے ہر روز درشن ہوا کریں گے۔ علی بابا نے لاکھ کوشش کی کہ اس کو کسی طرح ٹالے بہانے نکالے مگر وہ خرانٹ گرگِ باراں دیدہ بلکہ تیرہ دیدہ تاڑ گیا اور بولا۔ "آپ مجھے چکمے سے نکالا چاہتے ہیں، خواہ مخواہ ٹالا چاہتے ہیں۔ یہ خیال رکھنا مبادا کسی آفت میں مبتلا ہو جاؤ اور اس ضد کی سزا پاؤ۔"

اس قسم کی جلی کٹی گفتگو کر کے وہ بتیرہ نگر ہوئے رخصت ہوا۔ علی بابا نے تہیہ کر لیا کہ اس نابکار حبشی کو ضرور نکال دوں گا اور نکالنے سے پہلے بدلہ لوں گا۔

علی الصبح اٹھ کر کیا دیکھتا ہے کہ گلیوں میں شور مچا ہوا ہے۔ لوگ انگلیاں اٹھا رہے ہیں عورتیں اشارے کر رہی ہیں بچے پتھر پھینک رہے ہیں ایک کار دیوانہ وار ادھر ادھر گھوم رہی ہے۔ اس میں قاسم بیٹھا ہے۔ چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی ہیں علی بابا فوراً معاملے کی تہ تک پہنچ گیا۔ نزدیک جا کر بولا۔ "یاد کرو۔ کہو کہ رک ٹم ٹم۔"

قاسم کا یہ کہنا تھا کہ کار رک گئی۔ معلوم ہوا کہ رات کو چوری چھپے قاسم گیراج میں داخل ہوا۔ کھل ٹم ٹم کہہ کر کار میں جا بیٹھا۔ چل ٹم ٹم سے آگے بھول گیا۔ نتیجہ

یں اپنی ہنسی اڑوائی اور رات بھر خراب ہوا کار کا راز بھی افشا کر دیا۔ کہ اس کی بریکیں خراب ہیں اور انجن درست نہیں ہے۔

اس سانحہ کے بعد قاسم نے علی بابا کی جان عذاب میں ڈال دی۔ روز آکر بیٹھ جاتا اور علی بابا کے بڑھیا سگریٹ پھونکنے لگتا۔ بار بار یہ فقرہ زبان پر لاتا کہ ـــــ مجھے بھی یہ دفیسر لگوا دو۔ جب علی بابا کو سگرٹوں کے بے تحاشا خرچ کا احساس ہوا تو وہ بزرگ، قبر رسیدہ سے جا کر ملا اور اس امر کا ذکر کیا۔ انہوں نے چند پتے لکھوائے اور بولے۔

یہ سب حضرات بارسوخ وضیع و شریف اور اہل علم ہیں، ان میں ہر ایک ذی فہم صاحب مذاق ہے شرافت و اہلیت میں شہرۂ آفاق ہے۔ بظاہر تو اس اتحاد دار تباط میں کوئی عیب نہیں۔ یوں گو انسان عالم الغیب نہیں۔ قاسم خود جائے اور قسمت آزمائی کرے۔

چنانچہ قاسم روانہ ہوا۔ سب سے پہلے وہ ایک رائے بہادر صاحب کے پاس گیا اور مدعا ظاہر کیا۔ وہ بولے میں بورڈ کا ممبر نہیں ہوں۔ لیکن میرے چچیرے بھائی کی خلیری بہن کے خسر اس کام کو بخوبی کر سکیں گے آپ ان سے ملئے آور میرا نام لے دیکھیے۔

قاسم اُن سے ملا، کچھ تحفے تحائف بھی لے گیا۔ وہ بولے اے مرد معقول میں سفارش ضرور کر دوں گا لیکن صدر صاحب تک رسائی لازم ہے۔ میرے ایک دوست سردار صاحب فلاں سے ان کے تعلقات ضرورت سے زیادہ خوشگوار ہیں ان سے ملیو۔

قاسم وہاں گیا۔ وہ بولے۔ میں ذکر کر دوں گا لیکن خان بہادر صاحب فلاں نے صدر صاحب کے ساتھ بیس سال تک ملازمت کی ہے دونوں لنگوٹ باندھ کر اکٹھے پھرا کرتے تھے یعنی لنگوٹیے دوست تھے۔ اگر فلاں حاجی صاحب سے ملو تو وہ خان بہادر صاحب کو لکھ دیں گے

کہ تمھیں صدر صاحب سے ملا دیں۔ قاسم حاجی صاحب سے ملا۔ وہ مسکرا کر بولے۔ جناب میں تو بیچارہ ایک حقیر انسان ہوں۔ میں بھلا کیا کر سکتا ہوں۔ آپ کسی سے ذکر مت کریں۔ ان دنوں اُن سے میرے تعلقات بھی کشیدہ ہیں غلطی ان کی تھی۔ یہ قصہ کبھی پھر آپ کو بتاؤں گا۔ آپ صدر صاحب کے ہم گیسو یعنی میرا مطلب ہے ہم زلف سے کیوں نہیں ملتے۔ وہ خانگی باتیں کرتے کرتے موقع پاکر ذکر کر دیں گے۔

خوش قسمتی سے وہ صاحب بہت دور رہتے تھے۔ قاسم نے یک لیل و یک نہار ٹرین میں صرف کئے۔ علی الصبح نہاری کھا کر نکلا اور دفعتاً اسے محسوس ہوا کہ وہ ان صاحب کا نام بھول گیا ہے۔ کیونکہ ان دنوں اُسے ہر روز کئی کئی نام اور پتے یاد کرنے پڑتے تھے۔ چنانچہ اُس نے علی بابا کو تار دیا کہ خان بہادر صاحب کا پورا نام کیا ہے؟

علی بابا پہلے ہی تنگ آیا ہوا تھا اُس نے تار کا جواب تار سے دیا —— لکھا۔ "خان بہادر صاحب کا پورا نام خان بہادر جلیل نواز خاں ہے اور تمہارا نام قاسم خاں ہے۔"

قصہ مختصر قاسم کو دنیا بھر کی خوشامدیں کرنی پڑیں۔ ایسے ایسے عجیب و غریب اور غریب اور عجیب انسانوں سے واسطہ پڑا کہ اس کی صحت اور دماغ پر بڑا ناخوشگوار اثر پڑا۔

پہلی جنوری کو اس نے اخبار خریدا۔ ویسے وہ اخبار خرید کر پڑھنے کا قائل نہیں تھا۔ اس روز صرف خطابات کی فہرست دیکھنے کی غرض سے اس نے اپنا اصول توڑا جو دیکھتا ہے تو علی بابا کا نام خان صاحبوں میں تھا۔ فوراً اُس کے پاس پہنچا اور طیش میں آکر یوں گویا ہوا۔ "کیوں عزیز تم کو زندگانی پسند ہے یا مرگ ناگہانی اور عذاب جاودانی۔"

علی بابا نے جواب دیا۔ "زندگی بھر انسان عاشق زار ہوتا ہے اجل کے نام سے حالِ زار ہوتا ہے۔"

الغرض قاسم نے علی بابا کو اس خود غرضی پر بہت ڈرایا دھمکایا کہ اب یہ خطاب

بھی اکیلے ہی اکیلے لے لیا۔ لیکن اُس پر کوئی اثر نہ ہوا۔ آخر قاسم آہ گرم کھینچ کر بولا۔ ملک۔
خدا تنگ است پائے گدا لنگ است۔

پس پھر علی بابا نے ایک نئی فہرست بنا کر دی جس میں نئے پتے درج تھے۔ اور قسمت آزمائی کرنے کو کہا۔ سب سے پہلے نام صدر صاحب کے چچا کی بھانجی کے ماموں کا تھا اور دوسرا ان کے ماموں کی بھانجی کے چچا کا تھا۔

چند ماہ بعد علی بابا کو اطلاع ملی کہ قاسم شفا خانۂ انسانات میں ہے۔ جا کر دیکھا تو اُسے دائمی طور پر علیل پایا۔ یعنی بالفاظِ دیگر اس کا دماغ چل گیا تھا۔ وہ ہر وقت زیرِ لب کچھ بڑبڑاتا رہتا تھا۔ بار بار اس قسم کے الفاظ زبان پر لاتا تھا۔ سردار صاحب کی پوتی کے خسر کے بھائی۔ بھائی کے خسر کی پوتی کے سردار صاحب ___ نواسی کی ساس کے بھائی کا سالا۔ سالے کے بھائی کی ساس کی نواسی۔ چچا کے سردار بہادر کے چچا کے چچا۔ چچا کے سردار بہادر کے سردار بہادر کے سردار بہادر۔

بڑے طویل علاج کے بعد قاسم رو بصحت ہوا لیکن اس نے غسلِ صحت کرنے سے انکار کر دیا کیونکہ اس دن سردی بہت تھی۔

ترس آنا علی بابا کو قاسم پر، شامل کر لینا۔ اس کو بیچ خواہش اپنی کے، پانا مراد منہ مانگی علی بابا کا۔

دراصل علی بابا بڑی شاگردی سے کام لیتا تھا۔ پہلی اور دوسری خواہشیں مانگ کر تیسری خواہش یہ مانگتا کہ تین خواہشیں اور منظور ہو جائیں۔ جب دو مزید خواہشیں پوری ہو جاتیں تو تیسری پر تین اور مانگ لیتا۔

قصہ طویل۔ قاسم ایڈیشنل انڈر سیکرٹری اسسٹنٹ پروفیسر لگ گیا لیکن اُس گرلز کالج میں نہیں، ایک اور گرلز کالج میں۔ علی بابا احمق نہیں تھا۔

پہلی جنوری کو قاسم نے بادلِ ناخواستہ اخبار خریدا۔ خطابات کی فہرست

پڑھی تو آنکھوں میں خون اتر آیا۔ علی بابا خان بہادر ہو گیا تھا۔ اس مرتبہ قاسم نے اہنسا کے فلسفے سے کام لیا اور جا کر مبارک باد دی۔ پھر باتوں باتوں میں بڑی لجاجت سے پوچھا۔

"اے جان برادر یہ خطاب آپ کو کیونکر مل جاتے ہیں؟"

علی بابا نے جواب دیا۔ "پتہ نہیں کیونکر مل جاتے ہیں میں خود حیران ہوں۔"

"پھر بھی آپ کچھ نہ کچھ تو ضرور کرتے ہوں گے۔"

"قسم ہے اس پروردگار کی جس نے چرند و پرند یہاں تک کہ درند تک کو قوت شامہ بخشی مجھے اس سلسلے میں کوئی علم نہیں۔"

"پھر بھی ذرا دماغ پر زور ڈالیے۔ آپ نے کچھ نہ کچھ تو کیا ہوگا۔"

"کوئی خاص کارنامہ تو نہیں کیا۔ البتہ"

"ہاں ہاں البتہ کیا؟"

"البتہ میں الکشنوں میں ضرور حصہ لیا کرتا ہوں۔"

"کس پارٹی کی طرف سے"

"میں کسی خاص پارٹی کا طرفدار نہیں۔ جو برسرِ اقتدار ہو اس کے لیے کام کرتا ہوں۔ میں پارٹیاں بدلتا رہتا ہوں۔ وہ آپ نے نہیں سنا کہ حرکت میں ہوتی ہے برکت خدا کی۔"

قاسم بڑے عجز و انکسار کے ساتھ ملتجی ہوا کہ اُسے بھی سیاست سے دلچسپی ہے۔ اس لیے اسے بھی موقعہ دیا جائے۔ علی بابا بھی بھائی تھا۔ محبت برادرانہ نے جوش مارا اگلے جلسے میں وہ اسے اپنے ساتھ لے گیا اور اسی ایڈیٹر سے ایک اور تقریر لکھوا کر پڑھوا دی۔ بزرگ قبر رسیدہ بڑے خوش ہوئے بولے "بول کیا مانگتا ہے۔"

"تین خواہشوں کی تکمیل" قاسم نے فوراً جواب دیا۔

"منظور ہے۔ پہلی خواہش بتا۔"

قاسم بوکھلا گیا۔ وہ اس کے لیے ہرگز تیار نہیں تھا۔ کچھ دیر سوچتا رہا پھر جیب پر ہاتھ مار کر بولا۔ "ایک روپے کی ریزگاری عنایت فرمایئے۔"

بزرگ نے اظہار تاسف کرتے ہوئے کہا۔ "نوجوان ان دنوں ریزگاری کہاں۔ کچھ اور مانگ۔"

"تو پھر ایک ماچس عطا فرمایئے۔"

اے مرد دلیر مجھے آزمائش میں مت ڈال۔ ہیرے مانگ۔ جواہر مانگ مگر ایسی نایاب اور کمیاب چیزیں مت مانگ اور پھر ایسے دنوں میں جبکہ سنا جاتا ہے کہ کوئلے کی کمی کی وجہ سے دوزخ بھی عارضی طور پر بند کر دی گئی ہے۔ اچھا میں ماچس کے لیے بلیک مارکیٹ سے کوشش کروں گا۔ اپنی دوسری خواہش بیان کر۔"

"یا بزرگ مشفق مجھے تھوڑا سا خالص گھی درکار ہے۔ مدتوں سے نہیں چکھا۔ بناسپتی کھا کھا کر تنگ آ چکا ہوں۔"

"اور اگر میں یہ کہوں کہ یہ شے عنقا ہے تو پھر؟"

"تو پھر مجھے بے لاگ اور حقیقی محبت درکار ہے۔"

"اے نوجوان تو نے وہ شعر نہیں سنا ؎

محبت بے لگاوٹ اور خالص مل نہیں سکتی
جہاں میں آجکل یہ چیز بھی گھی ہوتی جاتی ہے

اب تیسری خواہش زبان پر لا۔"

اس پر مارنا آنکھ علی بابا کا اور کرنا اشارہ قاسم کو۔ بھانپ لینا قاسم کا اور کرنا احت۔۔۔

تیسری خواہش سے رخصت ہونا بزرگ قبر رسیدہ سے بغلگیر ہو کر۔"

قاسم نے علی بابا کے ساتھ بڑے جوش و خروش کے ساتھ سیاسی کام شروع کر دیا۔ علی بابا زیادہ کام قاسم سے کراتا۔ دن گزرتے گئے۔ علی بابا نے ایک انجینیر دوست کی مدد سے گھر کے ریڈیو میں ایک چیز کا اضافہ کرا لیا۔ اس خوبی سے ایک چھوٹا سا لاؤڈ اسپیکر اندر چھپایا اور ایسے کنکشن لگائے کہ جب چاہتا دوسرے کمرے سے ریڈیو کی خبروں میں کچھ اپنی طرف سے بھی اضافہ کر دیتا۔ ریڈیو کا کنکشن بند کر کے لاؤڈ اسپیکر کا کنکشن جوڑ لیتا اور خود بولتا۔ بالکل ریڈیو کی باتیں معلوم ہوتیں۔ ہفتے میں دو ایک دہ بچیا چھیڑانے کی غرض سے قاسم کی ریڈیو پر تعریف کر دیا اور قاسم بالکل مطمئن تھا۔

ایک روز علی بابا کو شک گزرا قلندر حبشی ریڈیو کا طواف کر رہا تھا۔ وجہ پوچھی تو حبشی موصوف گویا ہوا کہ وہ ان دنوں طبلہ سیکھ رہا ہے، چونکہ موزوں استاد نہیں مل سکا۔ اس لیے طبلے کو ریڈیو کی موسیقی سے ہم آہنگ کرنے میں مشغول رہتا ہے۔

لیکن جس بات کا خدشہ تھا وہی ہو کر رہی۔ ایک دوپہر کو دونوں بھائی ریڈیو پر ریکارڈ سن رہے تھے۔ ایک ریکارڈ ختم ہوا۔ آواز آئی "یہ ریکارڈ خوب تھا اسے پھر سنئے" ___ ریکارڈ پھر بجا ___ پھر آواز آئی ___ سبحان اللہ کیا لاجواب ریکارڈ ہے جی چاہتا ہے اسے ایک بار اور بجایا جائے۔ دونوں بھائی ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے جب ریکارڈ چوتھی مرتبہ بجنے لگا۔ تو قاسم سے نہ رہا گیا۔ اس نے پہلے تو ریڈیو کا معائنہ کیا پھر لاؤڈ اسپیکر کا کنکشن دیکھ کر حبشی کو جا پکڑا جو دوسرے کمرے میں گراموفون لیے بیٹھا تھا۔ اس نے حبشی کو تو کچھ نہ کہا۔ بھائی پر برس پڑا۔ اور علی بابا کو اقبال جرم کرنا پڑا۔

شام کو علی بابا کا ایڈیٹر دوست آیا اسے سارا واقعہ سنایا۔ وہ بولا تم نے اس مردود کو خواہ مخواہ سر چڑھا رکھا ہے۔ نکال کر ایک طرف کرو کمبخت کو۔

علی بابا بولا۔ میں اُس سے بدلہ لے رہا ہوں۔ بس تھوڑے سے دن اور رہ گئے ہیں۔ اتنے میں حبشی آ گیا۔ بولا۔ "جناب آج میں نے صبح سے جو پینا شروع کیا ہے تو اب تک پیتا رہا ہوں۔ صبح خود پی۔ دوپہر ایک دوست نے پلائی۔ سہ پہر مفت مل گئی۔ شام کو پینے گیا تو ــــ۔

"دیسی تھی یا انگریزی؟"

"دیسی تھی، دیسی کی۔"

"لاحول ولا قوۃ!"

علی بابا نے سگرٹ مانگے، پھر بولا۔ "اچھا تم رہنے دو میں خود لے لوں گا۔" اور اٹھ کر لے لیے۔ تھوڑی دیر کے بعد پانی مانگا، ابھی حبشی اٹھا نہیں تھا کہ علی بابا بولا۔ "چلو رہنے دو ناحق تکلیف ہوگی تمھیں، میں خود اٹھ کر پیے لیتا ہوں ـــ غرضیکہ کئی مرتبہ اسی طرح ہوا۔

علی بابا پہلے اسے کام بتاتا پھر خود ہی کر لیتا۔

ایڈیٹر متعجب ہو کر بولا۔ "اے دوست، صادق یار غار یہ کیا ماجرا ہے، کیا اسی طرح بدلہ لیا جاتا ہے۔

علی بابا نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "سال بھر سے اسی طرح ہو رہا ہے، میں نے اس نابکار کی عادتیں اس قدر خراب کر دی ہیں اسے اس قدر کاہل اور گستاخ بنا دیا ہے کہ اب یہ ہمیشہ کے لیے بیکار ہو گیا ہے اور اب یہ عمر بھر ملازمت نہیں کر سکتا۔ کیا یہ بدلہ نہیں ہے؟"

ملتوی تک قاسم سپاہی کا دیکھتا رہا۔ اور ہر پہلی جنوری کو اخبار خرید کر پڑھتا رہا، لیکن غنچۂ امید نہ کھلا اور اسے کچھ نہ ملا۔ آخر ... دھیر ریز ہوا اور وہ علی بابا سے مل کر نوں نغمہ ریز ہوا۔" اے

برادر میں نے بہت دنوں سے نہ شکوہ کیا ہے نہ شکایت، تجھے خان بہادری کے بعد ممبر آف جی، بی۔ ای کا خطاب ملا میں خاموش رہا تجھے آرڈر آف بی ڈبلیو ڈی۔ کا تمغہ ملا۔ میں نے کچھ نہ کہا۔ اب میں سنتا ہوں کہ تو سر بننے والا ہے۔ ادھر میں ہوں کہ ابھی تک خان بہادر تک نہیں بن سکا۔"

"یا برادر تجھے یہ سن کر کے خوشی ہوگی کہ بزرگ قبر رسیدہ نے تیرے لیے خان صاحب کے خطاب کی سفارش کرا دی ہے۔"

"خان صاحب بھی کوئی خطاب ہے ـــ قاسم خاں صاحب تو میں پہلے ہی ہوں۔ کچھ اور ملنا چاہیئے۔"

"اچھا تو بہادر خاں کا خطاب دلوا دوں۔"؟

"نہیں خان بہادر کا خطاب مطلوب ہے۔"

"بہادر خان اور خان بہادر میں فرق کیا ہے؟"

"اچھا یوں کرو کہ تم بھی اپنے خطاب لوٹا دو، میں بھی خان صاحبی سے انکار کر دوں گا۔"

میں اپنے خطاب محض اس لیے کیوں لوٹاؤں۔ کہ تمہیں کوئی خطاب نہیں مل سکا۔ خصوصاً جب مجھے سر بننے کی امید ہے۔ رہ گیا خان صاحب کا خطاب سو تم اپنے نام کو خان صاحب قاسم خان صاحب کی بجائے یوں لکھ لیا کرنا۔ قاسم خان صاحب × خان صاحب۔

قاسم (خان صاحب)

اس پر قاسم بڑا خوش ہوا اور بغلیں بجاتا ہوا لوٹا۔

اگلے جلسے میں بزرگ قبر رسیدہ نے علی بابا سے محبت میں کامیابی کے متعلق سرسری طور پر ذکر کیا۔ اس نے جواب دیا کہ یا پیر و مرشد ابھی تک شادی تو ہوئی نہیں۔

"محبت میں کامیابی اور چیز ہے اور شادی اور چیز ۔۔۔ اگر شادی منظور ہے تو صاف صاف خواہش کر۔"

رات کو علی بابا کا بڑا جی چاہا کہ کسی طرح پڑوس کے جانور اس کے متعلق باتیں کریں لیکن ان میں چند خود پسند جانوروں کا اضافہ ہو گیا تھا۔ جو سوائے اپنے اور کسی کی بات ہی نہیں کرتے تھے البتہ بلی نے باتوں باتوں میں ذکر کیا کہ کلب میں ٹینس ٹورنامنٹ ہونے والا ہے جس میں مرجانا کھیلے گی۔

علی بابا کو بلا ٹیک کرنا نہ آتا تھا لیکن اس نے اپنا نام دیدیا اور خواہش کی کہ کسی طرح مرجانا کا پارٹنر بن کر فائنلز تک پہنچ جائے۔ چنانچہ یہی ہوا کبھی مخالف بیمار ہو گئے کبھی وقت پر نہ پہنچ سکے کبھی کسی کے پاؤں میں موچ آگئی۔ غرضیکہ وہ دونوں فائنلز میں پہنچ گئے۔ ایک بہت بڑے ہجوم کے سامنے آخری میچ ہونے والا تھا۔ ہجوم میں مرجانا کے والدین بھی آرہے تھے اور چند ایسے معزز حضرات بھی جو علی بابا کو سر بنوانے میں مدد دے سکتے تھے۔

علی بابا اور چالیس لڑکیوں نے ایک پروگرام بنایا۔ میچ سے پہلے چائے کا انتظام کیا گیا چالیس کی چالیس لڑکیاں خوب بن سنور کر آئیں۔ بڑی زرق برق پوشاک پہن کر۔ ہر میز پر ایک لڑکی بٹھائی گئی، تاکہ آس پاس بیٹھنے والوں کو اپنی طرف متوجہ رکھے۔

رقص کرنا ایک لڑکی کا اور کرنا نغمہ سرائی علی بابا کا۔ اور گانا نٹ بہاگ کا خیال بو[ل] شروع کر دیے تھے جس کے ۔۔۔ چھن چھن چھن چھن پائل موری باجے۔ بت بن جانا ہ[جوم] کا۔ داؤ کھیل جانا لڑکیوں کا اور ملانا بھنگ کا چائے کی پیالیوں میں۔

کچھ دیر کے بعد قلندر حبشی گلا توڑ مروڑ کے ایک مدراسی نغمہ گانے لگا۔ ایک لڑ[کی] مدراسی رقص کرنے لگی۔ پیالیوں میں مزید بھنگ ڈالی گئی۔

کچھ دیر میں مجمع پر نشے کے اثرات ظاہر ہونے لگے۔ کوئی کچھ ہانک رہا تھا کوئی کچھ

قسم کی آوازیں آنے لگیں۔

"دبلے پر آپ نے ہلا کیوں ڈالا ہے؟"

"آپ کا دل کیوں دہلا جاتا ہے؟"

"ہماری شادی ہونے والی ہے۔"

"تم سب کی؟"

"چھٹی سے واپس آتے وقت ٹرین میں ایک عجیب انسان سے واسطہ پڑا۔ صبح وہ آہیں بھر رہا تھا۔ دوپہر کو بسورنے لگا۔ رات کو تو زار و قطار رو رہا تھا میں نے وجہ پوچھی۔ وہ بولا۔ میں روؤں نہ تو اور کیا کروں، مجھ جیسا بدنصیب زمانے میں نہ ہوگا۔ میں کل شام سے غلط ٹرین میں ہوں۔ جو وہاں ہرگز نہیں جائے گی جہاں میں جانا چاہتا ہوں۔"

"خاموش! خاموش!! اب ٹورنامنٹ کے سکریٹری ایڈریس پڑھ کر سنائیں گے۔"

"خواتین و حضرات! میرا ایڈریس یہ ہے — نمبر پانچ زیر اروڈ۔"

سب لوگ اور بھی الٹی سیدھی ہانکنے لگے تو علی بابا نے اشارہ کیا اور میچ شروع ہوا۔ مخالف جو کھنگ کی کافی مقدار پی چکے تھے اتنے اچھے کھیلے کہ علی بابا اور مرجانا میچ جیت گئے۔ فوٹوگرافر کو آنکھ ماری گئی، جو اس کے نہیں لگی۔ پھر اشارہ کیا گیا تب وہ کیمرہ سنبھالے ہجوم سے نکلا۔ علی بابا اور مرجانا کو اکٹھے کھڑا کر کے بہت سی تصویریں کھینچی گئیں۔

تخلیہ پا کر علی بابا نے اُس پری پیکر کی جانب مخاطب ہو کر دست بستہ عرض کی "اے شاہِ خوبانِ جہاں میں علی بابا ہوں اور تیرے حسن و جمال کا اس درجہ دلدادہ ہوں کہ خودکشی پر آمادہ ہوں تیرے لیے اس قدر خراب و خوار ہوا کہ ہر نعمت سے دست بردار ہوا۔ اب اگر تم میرے حالِ زار پر رحم کھاؤ تو زیادہ نہ ترساؤ اور مجھے درم ناخریدہ غلام بناؤ۔"

بس یہ مرجانا نے مسکرا کر کہا "اچھا! سوچیں گے۔"

اگلے روز اخباروں میں ان دونوں کی ایک جا کھنچی ہوئی تصویر نکلیں، نیچے لکھا تھا "گرینڈ فائنلز کے جیتنے والے جو ایک دوسرے کے کزن بھی ہیں۔"

اس کے بعد رسالوں میں بھی تصویریں نکلیں۔ یہ چال کامیاب ہوئی اور خوب پبلسٹی ہوئی۔

مرجانا کے والد نے علی بابا کو بلا کر بہت دھمکایا پچکارا لیکن وہ بولا۔ "میں بندۂ شاطر ہوں۔ یہ نہیں چاہتا کہ بار خاطر ہوں۔ بہتری اسی میں ہے کہ ضد سے باز آئیے اور مان جائیے۔"

آخر انہوں نے سر ہلا دیا اور بولے۔ "لیکن شادی کا پیغام باقاعدہ اور باضابطہ مجھے پہنچنا چاہیے۔ درخواست تمہارے والدین کی طرف سے ہونی چاہیے۔"

اگلے ہفتہ دونوں کی منگنی ہو گئی۔

یہ خبر بجلی کی طرح سارے شہر میں پھیل گئی کہ علی بابا نے قلندر حبشی کو نکال دیا ہے۔ دوست احباب آ آ کر علی بابا سے باز پرس کرنے لگے کہ یہ حرکت کیوں کی۔ "کیا وہ رفیق دیرینہ نافرمانبردار تھا۔ کیا وہ دروغ گو تھا؟"

"نہیں!"

"کیا وہ گستاخ تھا، کیا وہ چور تھا۔؟"

"نہیں!"

"تو پھر اسے کیوں نکالا۔؟"

علی بابا نے اپنا بوٹ اتار کر دوستوں کو دکھایا۔ "یہ بوٹ بھدا ہے یا اس کی ساخت خراب ہے۔؟"

"نہیں تو۔"

"کیا یہ کہیں سے پھٹا ہوا ہے؟"

"نہیں۔"

"کیا اس میں کوئی اور نقص نظر آتا ہے؟"

"لیکن یہ صرف مجھ ہی کو علم ہے کہ یہ مجھے کہاں چبھتا ہے۔"

قاسم نے بڑی غلطی کی، چند ترقی پسند شاعروں سے مل کر مرجانا پر آزاد نظمیں چھپوانی شروع کر دیں۔ مرجانا کو خط بھی لکھے جو اس نے ملک کی دیرینہ روایات کو مدنظر رکھتے ہوئے اپنے والد کو پیش کر دیئے۔ وہ بے حد خفا ہوئے اور قاسم کو فون کیا۔ گویا ہوئے۔ "اے بزدل نوجوان یہ کیا بیہودگی ہے کہ چھپ چھپ کر رسوا کرتا ہے، اگر ہمت ہے تو سامنے آکر بات کر اور مجھے آزاد نظموں سے سخت نفرت ہے۔ تو غزلیں کیوں نہیں لکھ آتا۔"

علی بابا نے بھی کہا — "اے برادر اب تو ہم دونوں کی منگنی ہو چکی ہے۔ اب تو ایسا کیا کرتا ہے۔"

قاسم بولا۔ "اے برادر زیادہ سے زیادہ تمہاری منگیتر ہی ہے نا اس سے میرا جوش کم نہیں ہو سکتا۔

قاسم نے تیسری خواہش یوں ظاہر کی کہ مرجانا اس کے خطوط کا جواب دے چنانچہ اُسے مرجانا کا خط ملا لکھا تھا کہ میری منگنی تو ہو چکی ہے اب میری چھوٹی بہن کی باری ہے لہٰذا میں نے میں نے آپ کے خطوط چھوٹی بہن کو دیدیئے ہیں اس سلسلے میں آئندہ خط و کتابت براہ راست اسی سے کی جائے۔

قاسم نے چھوٹی بہن کو لکھنا شروع کر دیا۔ پہلے خط میں تصویر کے لیے لکھا۔ جواب آیا تو اس میں ایک تصویر بھی تھی۔ ایک خاتون نے سیاہ رنگ کا خوشنما برقعہ پہن رکھا تھا۔ چاند سا چہرہ مکمل طور پر برقع میں چھپا ہوا

تھا۔ ساتھ یہ بھی لکھا تھا کہ میں دسویں کا امتحان دے رہی ہوں اس لیے لازمی طور پر پردہ کرنا پڑتا ہے کوئی دنوں کی بات ہے کالج پہنچتے ہی پردہ وردہ ایک طرف ہوگا۔

قاسم بڑا مایوس ہوا۔ بزرگ قبر رسیدہ سے فریادی ہوا۔ انہوں نے ترس کھاتے ہوئے رعائتاً ایک اور خواہش طلب کرنے کی منظوری دیدی۔

علی بابا قاسم سے ملا اور بولا۔ "اے برادر تو نے دوسری بہن کو دیکھا تک نہیں اور عاشق یہ ہی ہو گیا۔"

"اے برادر، اب مجھے عشق نہیں، ضد ہے۔"

"تو پھر کسی طرح امپیریل سروس میں آجا، کل میں تیرے لیے اس کے ابا سے ملا تھا۔ وہ بولے شادی کے لیے صرف یہی ایک شرط ہے۔ امپیریل سروس!"

قاسم کی آخری خواہش باقی تھی۔ اُس نے امپیریل سروس مانگی بزرگ نے وعدہ فرمایا۔

چند دنوں کے بعد اخباروں میں نکلا کہ ساری امپیریل سروسز ختم کر دی گئی ہیں۔ قاسم کی امیدوں پر پانی پھر گیا۔

جوں جوں شادی کی تاریخ نزدیک آتی جاتی تھی علی بابا اور رجانا کے والدین کے درمیان اختلاف بڑھتا جاتا تھا۔ وہ مہر زیادہ لکھوانا چاہتے تھے۔ علی بابا کہتا تھا کہ آپ جتنا مہر زیادہ لکھوائیں گے اتنا ہی آپ کو شادی کے نیک انجام پر شبہ ہوگا۔ اگر آپ کو مجھ پر بھروسہ ہے تو کچھ مت لکھوائیے بلکہ کچھ نہ مجھے ہی عطا فرمائیے۔

لیکن وہ باز نہ آئے، اُدھر علی بابا بھی باز نہ آیا۔

شبلی بابا نے دعوتی رقعوں پر اعتراض کیا۔ اُن کی عبارت ایسی عجیب و غریب تھی کہ سمجھ میں نہ آتا تھا کہ کیا ہو رہا ہے۔ کہاں ہو رہا ہے اور کب ہو رہا ہے اور جسے رقعہ بھیجا جا رہا ہے وہ کیا کرے۔ یہ رقعہ یوں شروع ہوتا ہے۔

ہوالشافی

الہیٰ غنچۂ امید بکشا

للہ الحمد ہر آں چیز کہ خاطر می خواست
آمد آخر زپسِ پردۂ تقدیر پدید

اور ختم اس فقرے پر ہوتا تھا — سردی کے موسم کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے از راہِ کرم اپنا بستر ہمراہ لائیں اور اگر ہو سکے تو اپنا ملازم اور راشن کارڈ بھی۔

آپس میں کافی لڑائی جھگڑا ہوا۔ ستیہ گرہ ہوئی بھوک ہڑتال ہوئی۔ سول نافرمانی کی گئی مطالبات مانگے گئے، آخرکار طے ہوا کہ سول اینڈ ملٹری میرج کی جائے۔

قاسم ہر روز بلاناغہ خود اپنے سینے پر مونگ دلتا۔ وہ اب تک خان صاحب بننے کی امید پر زندہ تھا۔ اُس نے دفتر والوں سے مل ملا کر پتہ چلا لیا تھا کہ اس کا خطاب منظور ہو چکا ہے ایک ایک دن گن گن کر اکتیس دسمبر آیا۔ پھر پہلی جنوری!
اس نے علی الصبح اخبار خریدا۔ جو پڑھتا ہے تو سر پر رنج و الم کا پہاڑ بلکہ سارا سلسلۂ کوہ ٹوٹ پڑا۔ حکومت نے اعلان کیا تھا کہ خان بہادر اور خان صاحب وغیرہ کی قسم کے سب خطابات ختم کر دیئے گئے ہیں۔ اور آئندہ اس قسم کی کوئی چیز نہیں ملا کرے گی۔

اس کے بعد کیا ہوا؟ جانوروں نے شبلی بابا پر کون سے مزید تبصرے کئے کیا

قاسم مرحابا کی تیسری بہن سے شادی کرنے میں کامیاب ہو سکا؟ کیا علی بابا اور مسٹر علی بابا شہزادہ لیڈی علی بابا بن سکے۔؟

اس کا ذکر کبھی آئندہ سرمۂ چشم نظارہ گیانِ باتمکین ہوگا۔ ہر سخن سنج ذی فہم اس کا شائق ہوگا۔ اور یہ کلام بلاغت نظام پسندیدہ خلائق ہوگا عجب دلکش دلآویز تحریر و تقریر ہوگی جو اسی آپ ہی نظیر ہوگی۔ کہ اب تک چشم فلک نے بہ این پیرانہ سالی عینک مہر و ماہ لگا کر بھی نہ دیکھی ہوگی۔ زیادہ رحمت طرازی فضول ہے، خود ستائی پر محمول ہے ؎

حاجت مشاطہ نیست روئے دلآرام را

حماقت

(ختم شد)

ختم شد

ختم شد